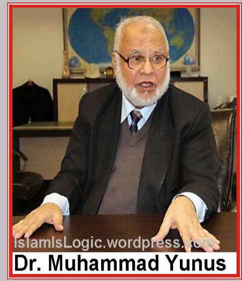
گلہائے رنگ درنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف

حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس صاحب

BIOGRAPHY OF DR. MOHAMMED YUNUS



تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیہ

چاٹگام، بنگلا دیش

کتاب	:	حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس صاحب۔
مؤلف	:	محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔
سن تصنیف	:	۲۰۱۴ء تا ۲۰۲۵ء
سن کتابت	:	ستمبر/ ۲۰۲۵ء
بار اول	:	۱۰/ مئی/ ۲۰۲۶ء
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
قیمت	:	۴۰۰/ ٹاکا، بنگلہ دیشی۔ ۲۰/ ریال سعودی
کمپوز	:	محمود العالم (اندر قلعہ، چاٹگام، بنگلا دیش)
ناشر	:	دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلا دیش
ملنے کے پتے	:	0088-01533091784
Email	:	tahernadwi@gmail.com

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو سرزمین ارکان کے عظیم مردمجاہد اور دور آخر میں بانی تحریک آزادی ارکان حضرت محمد جعفر حسین قوال رحمۃ اللہ علیہ کے نام انتساب کرنے کو اپنے لئے باعث سعادت اور فخر محسوس کرتا ہوں، اللہ تعالی حضرت کے جمیع مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے مرتبہ کو بلند فرمائے، آمین۔



محمد طاہر جمال ندوی

جدہ، سعودی عرب

۱۷/ستمبر/۲۰۱۷ء

عرض ناشر

گرامیٔ قدر والدِ محترم مولانا محمد طاہر جمال ندوی (فاضل جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہند، و تلمیذ خاص مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمارے دینی و روحانی، علمی وثقافتی، فکری وسیاسی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک قابلِ قدر عالم دین، معروف ادیب وقلم کار ہونے کے ساتھ ایک نامور مفکر مورخ بھی ہیں، جن کی چند تصانیف ماشاء اللہ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں، اور بہت ساری تصانیف اب تک زیرِ طبع وزیرِ نظر بھی ہیں۔

مولانا محمد طاہر جمال ندوی بن الحاج مولانا حافظ جمال الدین احمد کی ولادت ۵/۵/۱۹۶۶ء میں بستی باغگونہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے پاکر جامعہ اسلامیہ عالیہ میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ثانویہ تک کی تعلیم پاکر دارالمعارف الاسلامیہ چاٹگام میں ایک سال حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی اور حضرت مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب سے تعلیم پائی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (انڈیا) میں داخلہ لیا، یہاں سے کلیۃ الادب العربی سے ماجستر کر کے ۱۹۹۱ء میں سندفراغت حاصل کی۔

مولانا محترم فراغت تعلیم کے معا بعد بنگلادیش آئے اور یہاں کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، جن میں دارالانصار چاٹگام قابل ذکر اور ناقابل فراموش درسگاہ ہے، پھر چند سال پڑھانے بعد آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا، جہاں آپ نے چند سال گزارے، اس کے بعد دوبارہ بنگلادیش آئے ہوئے ہیں، حالیا تصنیف وتالیف میں مصروف اور سرگرم عمل ہیں، الحمدللہ مولانا کی چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ گرانمایہ تصانیف ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

والدِ گرامی کی ان تمام تصانیف میں سے سب سے مقبول ترین تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں''، جو دسمبر ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی ہے، اور دوسرا ایڈیشن ۲۰۲۰ء میں، جس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''فاضلِ عزیز مولوی محمد طاہر جمال ندوی شکر و سپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت و لیاقت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا، اپنے وطن کا حق ادا کیا، اور تاریخ کے خلا کو پر کیا، جو عرصہ سے پایا جاتا تھا''۔

والد صاحب کی زیرِ نظر تصنیف ''**حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس**'' بھی ہمارے نزدیک ایک گرانمایہ اور شاہکار تصنیف ہے، جو ارکان کے قائد و رہنماء محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی سوانح حیات ہے، جسے آپ نے بڑی محنت، لیاقت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس میں کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس سوانحی تصنیف کو بھی ایک ملی فریضہ اور قومی خدمت کے بطور اور بقول آپ کے ایک سعادت سمجھ کر لکھا ہے، اور اس کی تکمیل کی راہ میں آپ نے جو تکلیفیں، صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کے

اجر ومعاوضہ صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کی طرف سے ممکن اور امید ہیں۔

تاہم اس قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہم اپنی قوم کی طرف سے عصر حاضر کے ہمارے اس عظیم مصنف وقلم کار کو خراجِ تحسین وگل دستۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص رحمت اور فضل وعنایات سے مصنف کی زندگی اور قلمی کاوشوں کو مزید شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

محمد طارق جمال

سکریٹری خاص برائے نشر واشاعت

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلادیش۔

فہرستِ عناوین

حرفِ اولین

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ برمی غاصب اور وحشی قوم اور اس کی نسل پرست اور بدنام زمانہ حکومت عرصۂ دراز سے ارکان کے روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کی چکی چلا رہی ہے، حالیہ برمی ظالم حکام کی نگاہیں ان کے پیش روؤں کی طرح ارکان کے سبز زار اور زرخیز علاقے پر ہمیشہ کی طرح آج بھی مرکوز ہیں، وہ اس علاقے کے قدرتی اور خداداد وسائل سے فائدہ اٹھاتے اور آئندہ بھی فائدہ اٹھانے کو یقینی بنانے میں مصروف عمل ہیں، بیسویں صدی کی دوسری دہائیوں تک ارکان کے تمام وسائل تقریبا مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے، تجارت، صنعت وحرفت تقریبا مسلمانوں کے قبضے میں تھی، آج یہاں کے مسلمان بے دست و پا ہو چکے ہیں، غاصب برمی حکام ان کے تمام وسائل کو ان سے چھین لیا ہے، اور سب سے بڑے دکھ کی بات یہی ہے کہ برمی غاصب ارکان پر ناجائز طور پر قبضہ کر کے خود یہاں کے اصلی اور قدیمی باشندوں کو یہاں کے اصلی وقدیمی باشندے ہونے سے بھی انکار کر رہے ہیں، بات یہ ہے کہ باہر سے آنے والے قابض گھر کے افراد کو گھر سے نکال کر کہہ رہے ہیں کہ اس گھر کا مالک تم نہیں ہو، ہم ہیں، یعنی پردیسی دخلاء ملک کے اصلی اور قدیمی باشندوں سے سب کچھ چھین کر ان کے سر پر غیر ملکی ہونے کا الزام تھوپ رہے ہیں، ان کو ملک کے تمام وسائل سے بے دخل کر دیا جا چکا ہے۔

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب پر باتیں کی جائیں، ہم برما کی برمنائزیشن پر کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، دراصل برما کی برمنائزیشن برما کی ساری قوموں اور نسلی گروہوں اور تمام اقلیتوں کے لئے ایک لعنت ہے، تاہم اس سے بھی پہلے کہ ہم برمنائزیشن یعنی برمی قوم پرستی کا جائزہ لیں،

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم پرستی کیا ہے اور اس کی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں ان پر بحث کی جائے، تاکہ ناظرین کرام کو کچھ فکری فائدہ بھی ہو۔

دراصل قوم پرستی ایک نظریہ اور ایک سیاسی رویہ ہے، اس نظریے کو اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں ترقی ہوئی، اس نظریہ کا بنیادی اور اساسی مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنے اوپر حکومت خود کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے، یورپ کی سرحدیں مختلف شاہی خاندانوں اور بڑے جاگیرداروں کی کشمکش کے نتیجے میں وجود میں آئی تھیں، اس لئے وہ بہت سی قوموں مثلاً جرمن، اطالوی، آئرش، چیک، سربی اور پول کے لئے بے اطمینانی کا باعث بنی ہوئی تھیں، اور وجہ یہی تھی کہ قوم پرستی انیسویں اور بیسویں صدی کے انقلابی ہیجان کا اہم جزو بن گئی تھی۔

عہد وسطی کے آخر میں یورپ کے بہت سے علاقوں میں قومی امتیازات اور اختلافات کا شعور بڑھنے لگا تھا، جدید سیاسی فکر میں قوم پرستی کے تصور کو اطالوی مفکر میکاولی (۱۴۶۹ـ۱۵۲۷) نے پروان چڑھایا، اس نے اٹلی کی چھوٹی چھوٹی منتشر اور آپس میں برسرپیکار قوموں کو ایک ریاست کے اندر لانے کی بڑی حد تک کوشش کی تھی، اور مذہب کو ریاست کے تابع کر کے قومی سیکولر ریاست کی بنیاد رکھی، پندرھویں صدی کے اواخر تک جو قومی مملکتیں قائم ہوئیں ان میں اختیارات کے مالک موروثی بادشاہ ہوتے تھے، اور بادشاہ ہی جمیع قوانین اور انصاف وعدل کا سرچشمہ ہوتا تھا، پھر انگلستان کا شاندار انقلاب (۱۶۸۸ء) امریکہ کی جنگ آزادی (۱۷۷۵ء۔۱۷۷۸ء) اور فرانسیسی انقلاب (۱۷۸۹ء) کے بعد قومی ریاست اور جمہوریت میں گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

ادھر قوم پرستی کے نظریہ کا دارومدار قوم کی تعریف پر ہے، قوم پرستی کی تعریف کے حوالے سے دنیا میں بہت ساری باتیں ملتی ہیں، شاعر مشرق علامہ اقبال نے قوم کی تعریف اس طرح کی ہے:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

یہ شاعر مشرق کا نظریہ ہے، جس پر اختلاف بھی کیا گیا ہے، اس حوالے سے ہندو پاک کی سیاسی لٹریچر میں بہت ساری باتیں ملتی ہیں، ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، بعض لوگوں نے قومیت کی

سب سے بڑی علامت ایک مشترکہ زبان کہی ہے، اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوم پرستی کے جذبات اکثر جگہ اراضی سے متعلق ہوتے ہیں، اور مذہبی یگانگت عام طور پر قومی وحدت کو مستحکم کرتی اور پائدار بناتی ہے، اور بعض پرجوش مفکرین نے قومیت کے لئے ادبیات اور لسانیات کے معیار بھی پیش کئے ہیں، لیکن یہ تمام فطری علامتیں قومیت کے لئے ضمنی حیثیت رکھتی ہیں، قومیت کا اصلی عنصر مرضی ہے، جس کو قومیت کے نظریے کی تمام صورتوں میں عام طور پر دخل ہے، اس کی تشریح دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ قوم لوگوں کی وہ جماعت ہے جو اپنے آپ کو قوم سمجھتی ہے، میرے ناقص خیال میں سرزمین ارکان میں پائے جانے والی ''روہنگیا'' قوم پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔

فرانسیسی مفکر ارنست ریان نے لکھا ہے کہ: ''قوم ایک روح ہے، اور ایک روحانی اصول ہے'' اس مفکر کی بات پر یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ دراصل بات اس سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ اکثر قوم پرست موجودہ سرحدوں سے باہر نسلی یا لسانی یگانگت کی بنیاد پر غیر علاقوں پر اپنا حق جتاتے ہیں، اس حوالے سے قوم پرستی ایک وسعت پذیر نظریہ ہے۔

پروفیسر گل کرائسٹ لکھتا ہے کہ ''قوم ایک روحانی جذبہ ہے، جو لوگوں کو باہم اکٹھا کر دیتا ہے اور یہ جذبہ زبان، نسل، مذہب، روایات، تاریخ اور مفادات پر مبنی ہوتا ہے''۔ ڈاکٹر آرنلڈ جے ٹوائن بی نے قوم پرستی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

''قومیت ایک ایسے جذبۂ اشتراک کا نام ہے، جس کی بنیاد پر مخصوص لوگ اپنے نظریات، خیالات اور افعال کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے امتیازی حیثیت رکھتے ہوں، اور جس کی وجہ سے وہ اپنی منفرد سماجی زندگی کے وجود کا احساس رکھتے ہوں''۔

انیسویں صدی کے دوران قوم پرستی کی تحریکات بروئے کار رہیں، اور انہیں تحریکات کے نتیجے میں پہلی عالمی جنگ وقوع پذیر ہوئی، جن کے بعد ۱۹۱۹ء میں ہونے والی پیرس کانفرس میں قومی خود مختاری کے اصول کو از سر نو سرحد میں متعین کرنے کا ایک مسلمہ معیار قرار دیا گیا، امریکی صدر ولسن نے اس حق کی پرزور حمایت کی، جس کی بدولت بہت سی قومی مملکتیں وجود میں آ گئیں۔

پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں قوم پرستی کے جذبات جرمنی، جاپان اور اٹلی میں بہت نمایاں تھے، یہ وہ ملک ہیں جہاں لوگوں کو یہ احساس ہوا تھا کہ دنیا میں انہیں مناسب مقام حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے، جس کے ردعمل کے بطور انہوں نے دوسری عالمی جنگ لڑی ،جس کے بعد قوم پرستی نے بہت سے سیاسی رہنما پیدا کئے، جنہوں نے یوروپی نوآبادیاتی حکومتوں سے آزادی کی جدوجہد کی تھی۔

قوم پرستی کی تشریح بعض ماہرین عمرانیات اس طرح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک مادر وطن سے متعلق جدید سیکولر مذہب ہے، جس میں روایتی اطاعت شعاری کو بدلنے کے لئے سیاسی انفرادیت کے ایک نئے جذبہ کی ضرورت کا اظہار کیا ہے، یعنی اس میں بادشاہ یا آقا کے بجائے وطن سے محبت کی جاتی ہے، جس میں وطن کے دشمنوں کے ساتھ کوئی سمجھوتے کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قوم پرستی کے دو پہلو ہیں، ان میں سے ایک تعمیری ہے جبکہ دوسرا تخریبی، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قوم پرستی ایک نعمت بھی ہے اور لعنت بھی، اس نظریہ یا سیکولر مذہب کی اہم خوبیاں اور خامیاں درج ذیل ہیں:

قوم پرستی کی خوبیاں:

(۱) قوم پرستی فرد کی خودغرضی اور مفاد پرستی کو ختم کر دیتی ہے، فرد قوم کے لئے تن من دھن قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور قوم کی بھلائی کو اپنی بھلائی سمجھتا ہے۔

(۲) قوم پرستی کے جذبہ کے تحت شاعروں، ادیبوں اور دوسرے باصلاحیت آرٹسٹوں نے قومی فنون لطیفہ کی تعمیر میں غیر معمولی حصہ لیا جو بہت سے شاہکار نمونے پیش کئے ہیں۔

(۳) قوم پرستی کی حمایت میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا کی قوموں کے درمیان مسابقت کا رجحان شروع ہو گیا ہے، تمام قومیں علم وفن میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی زبردست کوشش کی اور اب بھی کر رہی ہیں، یہ اسی زبردست مسابقت کا نتیجہ ہے کہ انسان کی زندگی کو اور زیادہ آرام بنانے کے لئے دنیا میں نت نئی ایجادیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔

(۴) قوم پرستی نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا کی ترقی کا راز آزادی اور جمہوریت میں پنہاں

ہے، جہاں قومی جذبات پنہاں ہوتے ہیں، وہاں لوگ آخر کار بادشاہت، آمریت اور سامراجیت کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں، اور جمہوری حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

(۵) موجودہ دور میں قوم پرستی گویا ایک مذہب کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، قوم پرستی کا جذبہ لوگوں میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کرتا ہے، اس میں وطن کے مفاد کو دیگر تمام مفادات پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۶) بعض لوگوں کے مطابق قوم پرستی کا جذبہ افراد کی فکر اور کردار کی تعمیر کرتا ہے، ان کے مطابق انہیں محدود لسانی، نسلی اور مذہبی گروہوں کے تعصّبات سے بالاتر ہو کر قومی جذبہ سے سرشار کرتا ہے، اس طرح یہ جذبہ آگے چل کر ایک قومی معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے، جو اجتماعی زندگی کو اپنا مقصد اور نصب العین تصور کرتا ہے۔

(۷) قوم پرستی کے جذبہ کے تحت قوم میں قابل قدر اور قابل فخر رہنما اور قائدین پیدا ہوتے ہیں، جو قوم کو قوم پرستی کے جذبات کے تحت منظم کرتے اور اس قوم کو دنیا میں سر اونچا کر کے کھڑے ہونے کے لئے تیار کرتے ہیں۔

(۸) قوم پرستی کی بدولت عالمی مملکت کا تصور دم توڑ گیا ہے، اگرچہ عالمی حکومت کے قیام سے بین الاقوامی امن کو فروغ ہو سکتا ہے، مگر مقابلے کا رجحان اور ترقی کی رفتار سست پڑنے کا خطرہ اور اندیشہ ہے۔

یہ تھیں قوم پرستی کے ان مفکرین کے مطابق خوبیاں، جن سے راقم سطور کو کچھ اختلاف بھی ہے اور کچھ اتفاق بھی، مگر اس اتفاق واختلاف سے پہلے خامیوں پر نظر ڈالئے:

قوم پرستی کی خامیاں:

ظاہر ہے کہ قوم پرستی صرف ایک صورت میں مفید ہو سکتی ہے، وہ جب اپنی حد میں رہے، اور حد کو پلانگ جانے کی کوشش نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ قوم پرستی جارحانہ صورت اختیار کر لے تو نہ صرف دوسروں کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے لعنت بن جاتی ہے، جس طرح برما میں برمن قوم پرستی اس دعوے کی زندہ مثال ہے، برمی درندوں نے برمنائزیشن کے تحت اپنی درندگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، نہ صرف روہنگیا مسلمانوں کو بلکہ برما کی دیگر اقلیات کا جینا دوبھر کر دیا ہے، اس وحشی قوم نے اپنا پروگرام ''برمنائزیشن'' کو برما کی تمام اقوام اور نسلی گروہوں پر مسلط کرنے کہ لئے وہ

سب کچھ کر گزر راہے جس کا تصور چنگیز، ہلاکو خان، ہٹلر اور موسیلینی کی درندگی میں بھی کرنا مشکل ہے، برمیوں کی یہ جارحانہ قوم پرست پالیسی نہ صرف یہاں کی اقوام کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے لعنت بن گئی ہے، ذیل میں قوم پرستی کی خامیوں اور تخریب کاریوں کی دفعات میں برمیوں کی درندگی اور وحشیانہ سلوک کے مناظر دیکھ سکتے ہیں:

(۱) قوم پرستی کے جذبہ کے تحت ہر قوم اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور بنانے کے لئے دوسری قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیتی ہے، اس صورت میں قوم پرستی سامراجیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جس طرح برمیوں کا معاملہ ہے، اس کی جارحانہ قوم پرستی پورے ملک میں خانہ جنگیوں کا باعث بنی ہوئی ہے، جس کا نتیجہ برما کی تباہی اور بربادی پر نکلا ہے، برمیوں کی قوم پرستی پورے ملک کی انسانیت کے لئے دشمن بن گئی ہے۔

(۲) قوم پرستی کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ یہ جذبہ اپنی قوم کی جھوٹی تعریف کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اور یہی جذبہ ہر دوسری قوموں اور نسلی گروہوں کے خلاف نفرت، عداوت اور عناد پیدا کرتا ہے، اس حیثیت سے قوم پرستی کا معنی یہ ہے کہ قوم پرستوں کے نزدیک اپنی قوم جو بھی کرے وہی صحیح، برمحل اور ٹھیک ہے، اگر ان کے جیسے کام دوسری قوم یا نسلی گروہ کرے تو وہ غلط ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ برما ایک کثیر الاقوام اور مختلف مذاہب کا وطن ہے، برمی لوگ اگر قوم پرستی کے جذبات رکھ سکتے ہیں تو دوسری قوم بھی اس کا مجاز ہے، مگر برما میں یہ نہیں ہوسکتا، برما میں برمیوں کے لئے قوم پرستی جائز ہے، اگر یہاں دوسری قوم یا نسلی گروہ قوم پرستی کے جذبہ کے تحت کوئی بھی جائز اقدام کرے تو برمیوں کے نزدیک ایک ناجائز اقدام بلکہ بغاوت ہے۔

(۳) جارحانہ اور متعصّبانہ قوم پرستی استحصال کی ایک منظم ترین شکل ہے، جس میں اپنے مفاد کی خاطر دوسری قوموں اور نسلی گروہوں کے جائز مفاد کو نہ صرف نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ انہیں قربانی کا بقرہ بنالیا جاتا ہے، برمیوں کی متعصّبانہ اور جارحانہ قوم پرستی اس کی زندہ مثال ہے۔

(۴) دنیا میں بہت سارے ممالک ایسے ہیں جہاں مختلف رنگ ونسل، متنوع لسان وزبان اور متعدد مذاہب کے لوگ آباد ہیں، برما اور بھارت وغیرہ کا معاملہ بھی ویسا ہے، یہاں جب حکمران قوم اپنی

قوم پرستی کے نشے میں مدہوش ہو کر دوسری قوموں کو استحصال کرنے کی کوشش کرتی ہے تو دوسری قوموں میں علیحدگی پسندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جس طرح برما میں ہوا، یہ تو ظاہر ہے کہ برمی لوگ یہی چاہتے ہیں کہ برما ٹکڑے ٹکڑے ہونے نہ پائے، اگر برمی لوگ برما کو متحد رکھنا چاہے تو ان کے لئے ضروری ہے کہ برمنائزیشن کا پروگرام ترک کر دے، ورنہ جس طرح یہاں علیحدگی پسندی کی تحریک برما کی آزادی سے لے کر اب تک چلی ہے، مستقبل میں بھی چلتی رہے گی، جس طرح بنگلا دیش قوم پرستی کی بنیاد پر قائم ہوا، سوویت روس قوم پرستی کے جذبات کے تحت ٹکڑا ٹکڑا ہوا، بھارت اور سری لنکا میں قوم پرستی کی بنیاد پر تحریکیں چل رہی ہیں، اس طرح برما میں بھی علیحدگی کی تحریکیں چلیں اور چلتی رہیں گی، جو متحدہ برما کے لئے ایک خطرہ ہے۔

(۵) جب تک تنگ نظر جارحانہ قوم پرستی کو ترک نہ کیا جائے گا، اس وقت تک ایک عمدہ سماجی نظام اور کوئی پائدار امن قائم نہیں ہوسکتا، جارحانہ قوم پرستی نہ صرف علاقائی، ملکی بلکہ بین الاقوامی سلامتی کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے، اگر برما میں ایک عمدہ سماجی، سیاسی نظام اور پائدار امن قائم کرنا ہے تو برمیوں کو جارحانہ قوم پرست پروگرام ترک کرنا پڑے گا، اور بقائے باہمی کے اصول کو اپناتے ہوئے ہر ایک قوم اور نسلی گروہوں کو حق خود ارادیت کا حق دینا پڑے گا۔

(۶) موجودہ قوم پرستی کا نظریہ ایک مذہب کی شکل اختیار کر گیا ہے، پھر ''ایک قوم ایک ریاست'' کا نظریہ کمیونزم اور اشتراکیت کے نظریہ سے بھی گھناؤنا اور مجرمانہ ہے، برما میں برمیوں کا یہی حال ہے، جہاں تک اس قوم کے قوم پرست نظریہ کا تعلق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر برما میں رہنا یا جینا ہے تو برمن بن کر رہنا اور جینا ہوگا، یہ تو ظاہر ہے کہ ایک ملک میں مختلف اقوام کا امتزاج ایک مہذب زندگی کے لئے ایسی شرط ہے جیسے ایک معاشرہ میں مختلف انسانوں کا امتزاج، پست نسلیں ذہنی برتری رکھنے والی نسلوں کے ساتھ ایک سیاسی اتحاد میں رہ کر بلند و برتر ہوسکتی ہیں، اور بہت سی اچھی خوبیاں حاصل کر سکتی ہیں، برما میں یہ اس وقت ممکن ہے جب برمی لوگ اپنی جارحانہ پالیسی ترک کر دے، ورنہ ماضی میں جس طرح علیحدگی پسندی عروج پر تھی، مستقبل میں بھی یہ عروج پر رہے گی، اسے ترک کئے بغیر ملک وقوم کی شیرازہ بندی کبھی نہیں ہوسکتی۔

اب آمدم برسر مطلب کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ارکان میں بسنے والے مسلمانوں کا خون فلسطین، کشمیر، عالم انسانیت اور عالم اسلام کے دیگر علاقوں، ملکوں ریاستوں میں رہنے والے مسلمانوں کے خون سے کسی طرح اور کسی معنی میں بھی کم نہیں، ان کی مساجد، مدارس، قبرستانوں اور خانقاہوں کی قیمت عالم اسلام کے طول وعرض میں جتنی مساجد، مدارس، قبرستانیں اور خانقاہیں ہیں ایک جیسی ہیں، ہمارا سوال یہی ہے کہ کیوں ان کی مساجد ومدارس، قبرستانیں اور خانقاہیں شہید کردئے جانے پر امت مسلمہ کے دل دہل نہیں جاتے، کیوں ان کے مدارس ان کی مساجد ڈھائی جانے پر امت مسلمہ کی آنکھوں سے خون کی ندیاں نہیں بہہ جاتیں، کیوں ان کی قبرستانوں کو ویران اوران کی خانقاہوں کو تباہ اوران کی ماں اور بہنوں کی عزت وعصمت کو پامال کرکے ان سے ہولی کھیلی جانے پر امت مسلمہ کے کلیجے منہ کو نہیں آتے، کیوں ان کے یہ دیرینہ مسائل پر کسی کے کان میں جوں تک نہیں رینگتی؟ ویسے آج بڑے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ارکان کے مسلمانوں کے مسائل پر امت مسلمہ بالکل خاموش ہے، روہنگیا مسلمانون کے بارے میں پورے عالم اسلام ناقابل معافی حدتک غفلت کا مظاہرہ کررہاہے، جوکبھی بھی اس سے توقع نہیں تھی اور توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

مسلم ارکان کے دور آخر کے سیاسی اور انقلابی افق پر محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب ایک تابندہ ستارے کا نام ہیں، موصوف ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے، آپ نے اپنی عملی زندگی میں ملت وقوم کے مفاد کی خاطر بڑی جانفشانیاں کیں اور ملت وقوم کو بہت کچھ دیا بھی ہے، جن سے انکار گویا سورج کی کرنوں سے انکار کا مترادف ہے، لیکن اس حوالے سے آج نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے کہ ہمارے مابین بعض ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں کہ جو اپنے ماضیٔ قریب وبعید کے بزرگوں پر عموما اور اپنے معاصر خدامان قوم وملت کی قربانی، ایثار اور خدمات وکارناموں پر خصوصا اچھی رائے نہیں رکھتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ حال میں کچھ ایسے افراد بھی پیدا ہوچکے ہیں کہ جن کا کارنامہ صرف اور صرف اپنی تندوتیز زبانی تلوار کے ذریعے اپنوں کو زخموں سے چور کرنا ہے، ان کی نظر میں ظالموں کے مظالم واستبداد کے خلاف کوئی موثر اقدام کرنا کوئی اہم کام نہیں بلکہ اپنوں پر کیچڑ اچھالنا بہت ضروری کام ہوگیا ہے، الامان والحفیظ۔

محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے گزری صدی کے نصف اول میں آنکھ کھلی ہے، ظاہر ہے کہ بیسویں صدی کی نصف اور آخری دو دہائیوں میں عظیم الشان تبدیلیوں کا مشاہدہ دنیا نے کیا ہے، کمیونزم اور اشتراکی نظام کی تباہی وبربادی اور سوویت یونین کے خاتمے کے ساتھ امریکہ بہادر اپنے نئے عالمی نظام کی صورت میں دنیا کو جس طرف چاہتا ہانکتا چلا جارہا ہے، اس کے سامنے کوئی آف تک کرنے والا موجود نہیں ہے، اور کوئی کرتا بھی ہے تو اس کی آواز کو بے اثر بنایا جارہا ہے، اس کی لپیٹ میں ارکان کے مسلمان بھی آچکے ہیں، ادھر پوری امت مسلمہ کا حال بھی کچھ دگرگوں ہوگیا ہے، عالم اسلام کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک مسلمانون کی زندگی میں مسلسل بے چینیاں وپریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں، یہ امت جس ملک میں بھی اقلیت میں ہے اس کے حالات بڑے مخدوش اور پریشان کن ہیں، پوری امت کہیں اپنے دین وایمان کی خاطر اور کہیں بس اپنی بقا کی خاطر زندگیاں کھپا رہی ہے، امت مسلمہ ہے تو ان کی آوازیں کہیں سنی نہیں جاتیں اور کہیں سے آوازیں اٹھتی ہیں تو بے اثر کردی جاتی ہیں، شیطانی لابی ہر کجا امت مسلمہ کی بقا کی جدوجہد کو بدنام کرنے کی ناجائز کوشش کرتی ہے، ایسے حالات میں ارکان کے یہ مظلوم اور نہتے مسلمان اکیلے کرے بھی تو کیا کرے، اور کرسکتے بھی تو کیا کرسکتے ہیں؟

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اب امت مسلمہ کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ایک عالمی اور لازوال امت کے روپ میں ایک متحدہ اسلامی بلاک بنائے، ساتھ ہی ساتھ اپنے ملی مفاد اور دین و ایمان کی بقاء کی خاطر جدوجہد تیز کردے، کوئی جو بھی کہے نہ کہے اس کو کان میں جگہ دینے کے بجائے اپنے پروگرام اور منصوبہ کو آگے لے جانے کی کوشش کرے، علاوہ اس کے امت مسلمہ کے وہ تمام افراد جن ممالک میں اقلیت کی شکل میں موجود ہیں، وہاں اسلام کی بقاء کے لئے جدوجہد کریں اور تبلیغ دین واشاعت اسلام کے لئے زور شور سے کام چلائیں۔

ہم دنیا بھر کے انسانیت سے ہمدردی رکھنے والوں سے عموما اور عالم اسلام سے خصوصا پرزور اپیل اور مطالبہ کرتے ہیں کہ کشمیر، فلسطین، مورو، شیشان، بوسنیا اور وسطی ایشیاء کی دیگر مسلم ریاستوں کی طرح ارکانی مسلمانوں کے ''حق خودارادیت'' کے لئے دنیا بھر سے آواز بلند کی جائے، تاکہ کم

سے کم ارکان کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی اوران کی بقاء کی کوشش میں جان آئے ،اور یہاں کے مسلمان یہ سمجھ سکیں کہ ان کے نام لیوااور خیر خواہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں، وہ ایک نئی توانائی اور نئی قوت کے ساتھ اپنے پروگرام کوآگے لے جانے کی کوشش میں مصروف عمل رہ سکیں۔

میں اللہ تعالی کا نہایت شکر گزار ہوں کہ جس نے اپنے اس حقیر بندے کو دیگر تصنیفی وتالیفی مصروفیات کے ساتھ ’’حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس صاحب‘‘ کی تکمیل کی توفیق عنایت کی ہے، دراصل بات یہ ہے کہ اللہ کی توفیق سے میں نے اسے ۲۰۱۷ء میں زیر قرطاس کیا تھا،لیکن بعض ضروری مصروفیات اور بعض حوادث کی وجہ سے اسے کتابت/کمپوز کرنے کی نوبت نہیں آئی، یوں سالوں گزر جانے کے بعد آج ۲۰۲۴ء کے اواخر میں اس کی توفیق شامل حال ہوئی ہے، خیر بعض وجوہات کی بنیاد یہ کہنا بھی بجا ہے کہ ’’دیر آید درست آید‘‘ کہ اس میں بعد کے کچھ حالات بھی آ گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب الحمدللہ حیات سے ہیں، امید ہے کہ آپ کے بعد کے حالات پر آنے والی نسلوں میں سے کوئی اور قلمکار ضرور اور ضرور لکھیں گے۔

اس میدان عزیمت میں بلاشبہ ڈاکٹر صاحب اور آپ جیسے پچھلوں کی بڑی بڑی قربانیاں ہیں، جن کی تمام تفصیلات کو بیان کرنا ناچیز کے لئے ناممکن نہ ہوتو کٹھن ضرور ہے، بلاشبہ انسانوں کی زندگیوں پر اپنے بزرگوں اور محسنوں کے کارناموں، قربانیوں اور جانفروشیوں کا اثر ضرور پڑتا ہے، بڑے سے بڑا تن آسان اور عافیت کوش بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں اترے تو ان کی عقیدت وعظمت کے جھونکے محسوس کرتا ہے، بشرطیکہ وہ اور آنے والی نسلیں اپنی قومی تاریخ اور اس میں کارنامے انجام دینے والوں سے ناواقف نہ ہوں، یا خود فراموشی کی شکار نہ ہوگئی ہوں، ویسے بھی ناچیز ہر وقت اللہ تعالی سے دعا گو ہے کہ وہ اپنے فضل کرم سے اس حقیر بندے کو اپنی قومی تاریخ اور اپنے بزرگوں کے کارناموں کو بھلانے والوں میں شامل نہ کردے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وسیع پیمانے پر اپنے ملک وملت کے حوالے سے کارنامے انجام دینے والوں کے حالات کی اشاعت کی جائے، تاکہ جن سے ہمارے جوان ونوجوان اور آنے والی نسلیں واقفیت حاصل کر سکیں، اس سلسلے میں اب ہمارے لئے ضرور فرض بنتا ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس جیسے مرد مجاہد اور مرد

میدان کار کی حیات وکارناموں پر مشتمل اپنی بساط کی حد تک لکھا جائے، تاکہ آنے والے جوان و نوجوان آپ کی حیات جاوید سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔

سرزمین ارکان ممتاز شخصیتوں، متبحر عالموں، دور اندیش دانشوروں اور خدا رسیدہ درویشوں ومیدان کارزار کے بزرگوں سے ممکن ہے کہ ہندوستان وغیرہ کی طرح بھری ہوئی نہیں ہے تو بالکل خالی بھی نہیں ہے، آنے والے قلم کاران پر لکھیں گے انشاءاللہ ضرور لکھیں گے، اس حوالے سے قلم کو کبھی بھی روکا نہیں جا سکتا، اس سلسلے میں ممکن ہے کہ کوئی مورخ یا سوانح نگار ڈاکٹر صاحب پر بھی لکھیں گے، آپ کی آزادافکار، آپ کے خیالات وکردار پر تنقیدی وتحلیلی نگاہ ڈالیں گے، آپ سے اختلاف اب بھی کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ مستقبل میں بھی کیا جائے گا، لیکن اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتیں کہ آپ پر ضرور لکھا جانا چاہئے، ویسے ناچیز کی نگاہ اگرچہ کوتاہ ہی سہی پھر بھی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے اندر بہت سے کمالات وخصوصیات کے ہوتے ہوئے بھی بعض چیزیں قابل گرفت ضرور نظر آتی ہیں، بایں ہمہ جو چیز ہر شک وشبہ سے بلند اور ہر بحث ونزاع سے بالاتر ہے وہ آپ کی للّٰہیت و اخلاص ہے، جنہوں نے آپ کو ہمیشہ اپنی ملت وقوم کی راہ میں جواں بنا رکھا تھا اور بنا رکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی جوانی کی بہترین طاقتیں ولیاقتیں اور قلب ودماغ کی پوری صلاحتیں برمی حکومت سے مقابلے میں صرف ہوئیں، ان مقابلوں کی نوعیت اگرچہ ہر وقت ایک ہی طرز کی نہیں تھی مگر مقابلہ آخر مقابلہ ہی ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے چند گنے چنے تاریخی بزرگوں کی طرح ایک اعلی درجہ کی ہستی ہیں، اور ایک اعلی درجہ کی ہستی کے بارے میں یہ اندازہ لگانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے کہ اس کے تمام ممیزات وکمالات میں مرکزی عنصر اور نمایاں صفات کون کون سی ہیں، جن سے اس کی زندگی اور خصوصیات کو سمجھنا آسان ہوجائے۔

ڈاکٹر صاحب کو لوگ ایک طبیب، ایک قائد، ایک مولف کتاب اور اپنے انداز میں ایک خطیب کی حیثیت سے بھی پہنچانتے ہیں، اور بعض لوگ ایک مرد مجاہد کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں، اس میں کیا شک ہے کہ آپ کی ذات کو اللہ تعالی نے ان خصوصیات سے آراستہ کیا بھی ہے، لیکن راقم سطور کی کوتاہ نگاہ میں ان مذکورہ ساری خصوصیات کے ساتھ دو بڑی خصوصیات بڑی شان دار ہیں کہ جنہوں

نے آپ کو میری نگاہ میں ایک بلند مرتبہ عطا کیا ہے، ایک ان کی شان عزیمت اور دوسری قومی محبت و ہمدردی، یہ آپ کی شان عزیمت ہی کی کارفرمائی تھی کہ جس نے آپ کو ایک بلند مقصد اور عظیم کام کے لئے تیار کیا ہے، اور قومی محبت وحمیت کا جہاں تک تعلق ہے کہ کہنے میں تو آپ ایک عصری دانش گاہوں کے ساختہ پرداختہ ہیں، اور وہ بھی برما و ارکان کے کالجوں اور اسکولوں جیسی دانش گاہوں کا ساختہ پرداختہ، مگر آپ نے اپنے دین وایمان اور اپنی ملت وقوم کی خیر خواہی کے لئے وہی کچھ کیا جو ایک عظیم المرتبت عالم دین اور وقت کے دینی رہنما سے ممکن ہے، یہی آپ کی دینی حمیت تھی کہ جس نے آپ کو اس میدان کارزار کے لئے تیار کیا اور زندگی کے آخری مرحلوں تک اس پر چلتا بنایا ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ آپ کی حیات میں برکت عطا کرے، آمین۔

ظاہر ہے کہ خاکسار کی یہ حقیر کاوش سرزمین ارکان کے ایک عظیم رہنما وقائد محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی حیات کے بعض گوشوں اور آپ کے بعض کارناموں پر مشتمل ہے، آپ کی تمام سرگرمیوں اور کارناموں پر محیط نہیں، ممکن ہے کہ قارئین کو جس میں بعض جذباتیات کے عناصر بھی غالب نظر آئیں گے، جس سے معذرت کی ضرورت نہیں، دراصل حقیقت حال یہی ہے کہ موصوف کے حالات کا اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو جلدوں پر پھیلنے والی ایک کاوش کی ضرورت ہوگی، سر دست اس عجالے میں یہ خاکسار کے لئے ممکن نہیں ہے، علاوہ ازیں اس میں فروگزاشتوں کے امکانات بھی بہت ہیں، قابل قدر ناظرین وقارئین کرام سے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ وہ فروگزاشتوں کی اطلاع دے کر مشکور ہوں گے، اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو، هذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه و نور عرشه محمد و آله و صحبه اجمعین۔

خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

۰۲/ جنوری/ ۲۰۲۵ء

پہلا باب

ارکان کا جغرافیہ اور قدرتی وسائل:

سرزمین اسلام ارکان کی حدود میں مختلف ادوار میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر کمی بیشی ہوئی ہے، کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ ارکان کی حدود ایک طرف ڈھاکہ تک پہنچی تو دوسری طرف تھائی لینڈ اس کا دوسرا سرحد تھا، یہاں تک کہ ۱۶۲۵ء تک بنگال کے علاقے نواخالی اور باقر گنج سمیت ڈھاکہ کو بھی اس مملکت میں شامل کرلیا گیا تھا، آئین اکبری کے مطابق ارکان بنگال کے جنوبی مشرق میں ایک وسیع ملک ہے، جسے ارخنگ کہا جاتا ہے، چاٹگام کی معروف بندرگاہ کبھی اس ملک میں شامل تھی۔

سرزمین ارکان کا حالیہ رقبہ چودہ ہزار دوسو (۱۴۲۰۰) مربع میل ہے، جو میانمار کے جنوب میں دریاؤں اور بلند پہاڑوں، زرخیز اور پرفضاء میدانوں پر مشتمل ایک خوب صورت علاقہ ہے، جو خلیج بنگال کے مشرقی ساحل کے ساتھ جنوباً وشمالاً پھیلا ہوا ہے، جس کی چوڑائی شمال میں زیادہ ہے، تقریبا ایک سو میل سے بتدریج کم ہوتی ہوئی یہ چوڑائی جنوب میں صرف بیس میل تک رہ جاتی ہے، اس حوالے سے محترم جناب نورالاسلام صاحب کا بیان ملاحظہ ہو کہ:

> آج ارکان خلیج بنگال کے ساحل پر برما کی ریاستوں میں سے ایک ہے، یہ شمال اور جنوب سے شمال مغرب میں بنگلادیش کے چٹاگانگ ڈویژن، شمال میں ہندوستان اور شمال مشرق میں چن پہاڑیوں تک پھیلا ہوا ہے، ارکان کا علاقہ تقریباً ۲۰۰۰۰ مربع میل کا علاقہ ہے، ۱۸۵۳ء میں برطانوی نوآبادیاتی حکومت نے ارکان کے جنوبی حصے کو دریائے کیوک چونگ سے لے کر کیپ

نیگریس تک تقسیم کیا، اور اسے زیرین برما کے باسین ضلع کے ساتھ ملا دیا، اور ارکان کو ۱۸۹۴۵ مربع میل تک کم کر دیا، ایک بار پھر ۱۹۵۲ء کے بعد پیلیٹوا ضلع کی شمالی ارکان پہاڑیوں (۵۲۳۵ مربع میل) کو ارکان سے الگ کر دیا گیا اور بعد از آزادی برما اسے چن ہلز کا نام کر دیا گیا، یوں ارکان مزید کم ہو کر ۱۴۲۰۰ مربع میل رہ گیا ہے''۔(۱)

۱۹۶۵ء تک ارکان کا معروف پہاڑی علاقہ ''پلوا'' ارکان ہی میں شامل تھا، مگر حکومت برما نے اپنی آزادی کے بعد اس پہاڑی علاقے کا بیشتر حصہ چھن اسٹیٹ میں شامل کر دیا ہے، اسی طرح سانڈوے ضلع سے بھی مزید دو سو میل کا علاقہ مع دو جزائر کو ایراوڈی ڈویژن میں شامل کر دیا گیا ہے، جس پر ارکان کے تمام باشندے ناراض ہیں۔

اس سرزمین کے شمال میں ہندوستان کے علاقے اور برما کی ریاست چھن اور مشرق میں اس کی سر حد بلند و بالا کوہ ارکان ہے، جو کوہ ہمالہ کا ایک عظیم پہاڑی سلسلہ ہے، جسے ارکان یوما کہا جاتا ہے، جو ارکان کو برما کے دوسرے علاقوں سے مکمل طور پر جدا کر دیتا ہے۔

سرزمین ارکان ہزاروں سالوں سے ایک الگ تلک ریاست رہی تھی، مگر تاریخ کا یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ برطانوی سامراجیوں نے ۱۹۳۶ء میں برما کو برطانوی ہند سے علیحدہ کرتے وقت اس سرزمین کو برما کا ایک صوبہ بنا دیا، جب کہ تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے ارکان بنگال سے ملا ہوا ایک علاقہ ہے۔

کوہ یوما، برما اور ارکان کے مابین ایک قدرتی فصیل ہے، جس نے برما سے اسے جدا کر کے ایک طبیعی اور جغرافیائی اکائی کی صورت عطا کی ہے، اور یہ عظیم الشان پہاڑ جسے کوہ ارکان بھی کہا جاتا ہے، نہ صرف ارکان کو برما سے جدا کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ پہاڑ مہا بھارت اور چین کے درمیان ایک قدرتی فصیل بھی ہے۔

---

(۱) NURUL ISLAM, ROHINGYA OF THE ARAKAN,P:1.2

اور اس کوہ یوما یا کوہ ارکان کے چار پہاڑی سلسلے ہیں جو دوڑتے اور رینگتے ہوئے جنوب کی طرف سمندر میں جا گرتے ہیں، جس کا اجمال یہ ہے:

(۱) ناف تنگ: جو حالیہ ارکان کے مغربی سرحد سے نکل کر دریائے ناف کے مغربی کنارے کنارے دوڑتا ہوا ٹیکناف تک چلا جاتا ہے۔

(۲) کوہ لیمرو: جو دریائے لیمرو کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ ممبیا کے مغرب سے پکتو تک چلا جاتا ہے۔

(۳) کوہ سینڈنگ: جو دریائے کلاڈان اور دریائے مایو کے مابین پھیلتا ہوا مانگائی تک چلا جاتا ہے۔ جس میں ایک مشہور درہ ہے، جسے ''درۂ افک'' کہا جاتا ہے، اور یہ وہی درہ ہے کہ جس کے نام آتے ہی آج بھی ارکان کے مسلمان خون کے آنسو روتے اور ۱۹۴۲ء میں کئے گئے مسلمانوں کے قتل عام کی یاد تازہ کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ کوئی پچاس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو اس وقت درہ عبور کرنے کے دوران وحشی مگھ اور ظالم برمیوں نے شہید کر دیا تھا۔

(۴) کوہ گونگی یا گاؤنگی: جو دریائے ناف اور دریائے مایو کے درمیان سے رینگتا ہوا مایوٹیک تک چلا جاتا ہے، اس پہاڑی سلسلے میں چند مشہور درے بھی ہیں، جن میں درۂ گوفی، درۂ علی چنگ، درۂ سینڈی فرانگ، درۂ ناکائنگ، اور درۂ یونگ چنگ بہت مشہور درے ہیں، درۂ علی چنگ میں ایک پختہ سڑک بھی ہے، جو منگڈو کو بوسیڈنگ سے ملاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس ناہموار پہاڑی درہ کو جنرل ولی خان نے کاٹ کر راستہ بنایا تھا۔

ارکان کا ایک تاریخی نام روہانگ بھی ہے، جو حالیہ برما کے شمال مغرب میں واقع ہے، جس کی خلیج بنگال سے ساتھ چلنے والی ۳۶۰ر میل ساحلی پٹی ہے، علاوہ ازیں اس کی بری سرحد جو ۱۷۶ر میل بشمول ۳۶۰ر میل لمبی آبی سرحد کے بنگلا دیش کے ساتھ متصل ہے، جو بنگلا دیش کے معروف علاقہ چاٹگام کو ارکان کے ساتھ ملاتی ہے۔

ارکان پہاڑوں، دریاؤں، گھنے جنگلات اور کھاریوں پر مشتمل ایک علاقہ ہے، بعض ماہرین کے مطابق کل سطح زمین کا ۷۰ رفیصد حصہ جنگلات پر مشتمل ہے، ارکان کی سدا بہار پہاڑیوں میں

ساگوان اور ربڑ کے علاوہ بہت سے قیمتی درخت پائے جاتے ہیں، اس ملک کا شمالی حصہ ہموار، ڈیلٹائی اور گھنی آبادی والا ہے، جب کہ جنوبی حصہ تنگ، چٹانی اور کم آبادی والا، پوری سرزمین میں کل سات مشہور دریا پائے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) دریائے ناف۔
(۲) دریائے کلاڈان۔
(۳) دریائے مایو۔
(۴) دریائے لیمرو۔
(۵) دریائے این۔
(۶) دریائے تنگوپ۔
(۷) دریائے سانڈوے۔

یہ ساتوں دریا عموماً گہرے اور جہاز رانی کے لئے بہت موزون ہیں، علاوہ ازیں ان سے بڑی مقدار میں مچھلیاں شکار کی جاتیں اور موتیاں بھی نکالے جاتے ہیں، کلاڈان ارکان کا سب سے لمبا دریا ہے، جس کا بالائی سرا کوہ ہمالہ سے شروع ہوتا اور خلیج بنگال میں جا اترتا ہے، یہ تمام کے تمام دریا ارکان میں نقل وحمل یا آمدورفت کے لئے مرکزی ذریعے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ساحل ارکان کے قریب چند جزائر ہیں، جن میں رحمبری اور چیڈوبا سب سے بڑے اور مشہور ہیں، اور جزیرۂ رحمبری ایک تاریخی جزیرہ ہے، جو کیوکتو ٹاؤن شپ سے مشرق میں چند میل دور واقع ہے، جہاں گہرے پانی میں ایک بندرگاہ بھی ہے، خلیج کے نیلے پانی میں چیڈوبا اور رحمبری دو خوشنما جزیرے ہیں، جن کی زمینیں نہایت زرخیز بھی ہیں، ارکان کے آس پاس کے تمام جزائر میں عام طور پر روہنگیا مسلمانوں کی آبادیاں اکثریت پر مشتمل تھیں، لیکن مگھ برمیوں کے مظالم نے آج اقلیت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ارکان میں کل سترہ شہر ہیں، دریائے کلاڈان کے دہانے پر واقع شہر اکیاب اس کا دارالحکومت بھی ہے اور مرکزی بندرگاہ بھی، ارکان میں مواصلات کا نظام بڑا پسماندہ ہے، گذشتہ صدی کے آواخر

تک یہاں صرف ۱۵۰/میل لمبی ایک بدنما سڑک پائی جاتی تھی، مگر برمی فوجی حکومت (SPDC) نے اپنی جنگی حکمت عملی کے پیش نظر برما سے ارکان کو ملانے والی ایک عام سڑک تیار کر لی ہے، ارکان میں کوئی ریلوے نہیں ہے، برطانوی دور میں قدیم شاہراہ ارکان کے ساتھ ساتھ حالیہ بنگلا دیش کے صوبۂ چاٹگام سے ملانے والی ایک ریلوے لائن موجود تھی، جس کی کچھ بوسیدہ نشانیاں آج بھی کہیں کہیں دیکھی جاتی ہیں، کوہ ارکان میں تین پہاڑی راستے ایسے بھی ہیں جو برما کے ساتھ ارکان کا زمینی اتصال قائم کرتے ہیں، جن میں درۂ تنگوپ زیادہ مستعمل تھا، مگر آج کل درۂ این سے ایک پختہ سڑک نکالی گئی ہے، جو برما کو ارکان سے ملاتی ہے۔

سرزمین ارکان قدرتی وسائل سے بھٹا پڑا ایک علاقہ ہے، دنیا کے ترقی یافتہ علاقوں کے وسائل سے توازن کیا جائے تو ارکان کسی بھی اعتبار سے کم نہیں ہے، چونکہ یہ علاقہ مسلم اکثریتی علاقہ تھا، تو ترقی دینے کے لئے برمی غاصبوں نے چاہا نہ اور کسی کو کرنے دیا، حکومت برما کی ہمیشہ چاہت یہی رہی ہے کہ یہاں کے قدرتی وسائل سے مسلمان مستفید نہ ہو سکے، ہر ممکنہ طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے حکومت نے یہاں کے مسلمانوں کو اپنے وطن کی دولت سے مستفید نہ ہونے دیا، سطور بالا میں جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ارکان کی زمین بڑی زرخیز ہے، اور ۱/۱۹۶۴۲۵۷ ایکڑ قابل کاشت زمین میں سے ۱/۱۸۵۴۸۲۴ ایکڑ زمین ہر سال کاشت میں لائی جاتی ہے، وہ بھی سال میں ایک فصل سے زیادہ نہیں ہوتی، ۱۹۸۰ء کے عشرے سے پیداواری شرح گر جانے کے باوجود یہ خطہ ایک زائد مقدار میں تقریباً دو لاکھ ٹن چاول سالانہ پیدا کرتا ہے، ساٹھ سال قبل ارکان ۵۰۰۰۰ ۴/من زائد مقدار میں چاول پیدا کرتا تھا، جو دنیا کے بہت سے ملکوں کو چاول برآمد کرتا تھا، یہاں چاول کی کاشت روایتی طریقے سے کی جاتی ہے، اور بعض ماہرین کا اندازہ ہے کہ اگر زمین کی کاشت کے لئے جدید آلات و وسائل استعمال کئے جائیں تو ہر سال یہاں کی زمین دس لاکھ ٹن زائد فاضل چاول پیدا کر سکتی ہے۔

سرزمین ارکان کے ۳۶۰/میل لمبے ساحل کے علاوہ بھی اندرون ارکان میں بھرے پڑے دریا مختلف قسم کی مچھلیوں کا مخزن ہیں، جن میں جھینگا بڑی نامور مچھلی ہے، جدید سامان سے آراستہ ماہی

گیر کشتیوں کی عدم موجودگی اور ماہی گیروں پر حکومت کی طرف سے عائد ناروا پابندیوں کی وجہ سے سالانہ پیداوار پڑوسی ملک بنگلادیش کے مقابلے میں کہیں کم ہے، ارکان کے ساحلی علاقے ماہی پروری کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں، ماہی پروری کے بندر دریائے ناف، مایو اور کلاڈان کے مدو جزر والے دہانوں پر بہترین قسم کی مچھلیاں پیدا کرتے ہیں، یہ اکثر و بیشتر بند مسلمانوں کی ملکیت میں تھے، لیکن برمی مفسد اور نسل پرست حکومت نے اکثر و بیشتر بند مسلمانوں سے چھین لئے ہیں، جس کی وجہ سے شرح پیداوار بہت کم ہوگئی ہے، سرزمین ارکان کی تخمینی آبادی، اور یہاں پائے جانے والی ٹاؤن شپ اوران کے مربع میل کا ایک گوشوارہ:

تعداد	ٹاؤن شپ	مربع میل	آبادی
۱	اکیاب	89.42	169090
۲	چوکپرو	672.35	12373
۳	سانڈوے	1360.16	95490
۴	بوسیدنگ	779.55	185263
۵	کیوکتاؤ	695.55	154419
۶	ممبیا	1338.46	126436
۷	گوا	885.11	50784
۸	تنگوپ	1906.62	92949
۹	پکتاؤ	413.74	104113
۱۰	مروکو	440.97	146878
۱۱	منگڈو	585.92	479798
۱۲	پوناجون	419.63	85191
۱۳	مرے بون	942.12	79360
۱۴	مینونگ	202.04	63736

۱۵	رحمبری	506.73	94574
۱۶	راسیدنگ	437.76	200000
۱۷	این	2467.51	75942

ارکان کے سدا بہار پہاڑوں کے جنگلات سے خاصی پیداوار حاصل ہوتی ہے، خشکی کا ستر فیصد علاقہ جنگلات سے پٹا پڑا ہے، جس میں بہترین عمارتی لکڑیاں پیدا ہوتی ہیں، ان میں ساگوان اور ربڑ کے علاوہ بہت سے قیمتی درخت پائے جاتے ہیں، یہ کل برمی لکڑی پیداوار کا پندرہ فیصد ہے، اگر ساگوان با قاعدہ سائنسی طریقے پر اگائے جائیں تو اس سے کہیں زیادہ مقدار میں برآمد کر کے ملک کو خوش حال بنایا جاسکتا ہے، آہنی لکڑی جو پینکاڈو کے نام سے مشہور ہے، اس خطے میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے، بانسوں کی بھرمار ہے، ماہرین کے اندازے کے مطابق یہاں کے بانس سے بہترین قسم کے کاغذات اور دوسری چیزیں عالمی منڈیوں کے لئے تیار کی جاسکتی ہیں، ارکان کی اگر کسی موزون اور برمحل جگہ میں ایک کاغذ سازی کا کارخانہ ہوتا تو اس کی پیداوار چاٹگام (بنگلادیش) کی مشہور ومعروف فکٹری ''کرنافولی پیپر میل'' سے بڑھ جاتی، بعض ماہرین کے مطابق شمالی ارکان چائے اور ربڑ کی کاشت کے لئے بھی نہایت موزون علاقہ ہے، علاوہ ازیں سرزمین کے گھنے جنگلات اور پہاڑی علاقہ جات میں وحشی جانور بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں، ارکان میں اگرچہ گلہ بانی اور حیوانی نسل بندی کا کوئی سرکاری منصوبہ اب تک موجود نہیں ہے، تاہم تمام کسان، گائے، بھینس، بکری، مرغی، بطخ، کبوتر وغیرہ پالتو جانوروں کے طور پر رکھتے ہیں۔

بوسیدنگ شہر سے تقریبا پندرہ میل جنوب مشرق میں دریائے سیندنگ کے بالائی دہانوں پر واقع قدرتی آبشارہ جسے مقامی زبان میں ''تارائنگ'' کہا جاتا ہے، ایک زبردست کام کی چیز ہے، اس ۲۲۰ فٹ بلندی سے گرنے والا آبشارے سے خاصی مقدار میں بجلیاں پیدا کی جاسکتی ہیں، اگر سائنس دانوں کی مدد سے اس قدرتی آبشارے سے بجلیاں پیدا کی جائیں تو یہ بہت بڑی برق آبی پلانٹ کو قوت مہیا کرسکتا ہے، بعض ماہرین کے مطابق اس آبشارے کے سرے میں ایک تیل کی کان بھی موجود ہے، ۱۹۶۰ء کو اس وقت کی اونو حکومت نے اقوام متحدہ کے تعاون سے اس

آبشارے کی جگہ ایک برق آبی پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا تھا، مگر ۱۹۶۲ء میں جنرل نیون کے اقتدار پر قبضے کے بعد فوجی حکومت نے اس منصوبے پر عمل درآمد ترک کر دیا، اس آبشارے کے علاوہ اس علاقے میں اور بھی متعدد آبشارے پائے جاتے ہیں۔

ارکان میں قدرتی وسائل جیسا کہ کوئلہ اور مٹی کے تیل کی کانیں بڑی مقدار میں موجود ہیں، ساحل ارکان کے قریب پٹرولیم اور گیس بھی موجود ہے، ماضی میں یہ ساری چیزیں غیر دریافت شدہ تھیں، مگر بعد میں گیس اور پٹرولیم کی کچھ کانیں دریافت ہوگئیں یا کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے پڑوسی ملک بنگلا دیش اور برما کے درمیان کچھ کشیدگیاں بھی ہوگئی تھیں، ایک ذرائع کے مطابق ۱۹۷۰ء میں بعض جاپانی فرموں کے اشتراک سے تیل کے ذخائر تلاش کرنے کی کوشش ہوئی تھی، لیکن بعض سیاسی یا مالی وجوہات کی بنا پر برمی نسل پرست حکومت نے اس منصوبہ کو ترک کر دیا، رحمبری اور چیڈوبا جزائر میں خام تیل دستی طریقوں سے برآمد کیا جاتا ہے، اور ماہرین ارضیات کا دعوی ہے کہ راسیدنگ، جزیرۂ چیڈوبا اور رحمبری وغیرہ علاقے میں بہت سے خام تیل محفوظ ہیں۔

علاوہ ازیں لوہا، یورنیم، چونے کا پتھر، گرینائٹ، اور فلز وغیرہ اس علاقے میں بڑی مقدار میں ہے، بعض ماہرین کے انکشاف کے مطابق سب سے زیادہ ارزانی کے ساتھ دستیاب ہونے والی شئ سنگ مرمر کے ذخائر ہیں، بعض ذرائع کے مطابق کچھ جاپانی فرموں نے ان ذخائر کی اجازت کے بدلے علاقے میں منفعت بخش ترقیاتی منصوبوں کی پیش کش کی تھی، لیکن ان تجاویز پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا، بلکہ یہ علاقہ چونکہ روہنگیا مسلمانوں کا علاقہ ہے، تو برمی حاسد، مفسد اور نسل پرست حکومت نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا تھا۔

ارکان کے طویل ساحلی علاقے کے علاوہ یہاں کے بعض دوسرے اندرونی دریاؤں کے کھارے پانی سے وافر مقدار میں نمک پیدا کیا جا سکتا ہے، ابھی بھی ارکان کے مختلف مقامات میں سمندری پانی کو گڑھوں میں بند کر کے پھر اسے خشک کر لیا جاتا ہے، جس سے بہترین قسم کے نمک تیار ہوتے ہیں، یہ سارے کاروبار بدون سرکاری تعاون سے کیا جاتا ہے، منگڈو، اکیاب، ساانڈوے اور تنگوپ وغیرہ علاقوں میں سمندری پانی سے بہترین قسم کے نمک پیدا کئے جاتے ہیں۔

ارکان میں ناریل کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جا سکتی ہے، مگر ملک کے طول وعرض میں ناریل کی کاشت بہت ہی چھوٹے پیمانے میں کی جاتی ہے، اندازہ کیا جاتا ہے کہ ناریل کی سالانہ پیداوار پندرہ لاکھ ہے، سنڈوے اور گوا شہروں میں صرف ایک ایک فکٹری ہے، جہاں ناریل کے چھلکوں سے رسیاں تیار کی جاتی ہیں، یہاں ناریل کے تیل کی فراوانی کے باوجود اس سے دوسرے کام لینے کبھی بھی تیاری نہیں ہے۔

ارکان میں صنعت وحرفت کا کیا کہنا؟ بس ملک کے طول وعرض میں چاول کے چھوٹے چھوٹے چند کارخانے موجود ہیں، دراصل یہاں کے لوگوں کو اندھا بنا کر رکھا گیا ہے، صرف اور صرف ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں ایک کارٹون فکٹری موجود ہے، کیوکتو شہر میں حکومت نے ایک چھوٹی سی شکر میل کی بنیاد رکھی تھی، مگر غضب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک شراب سازی کا کارخانہ بھی موجود، یہاں شکر زیادہ تر گنے سے پیدا کی جاتی ہے۔

مذکورہ ان تمام وسائل کے علاوہ مرچ، تمباکو، گنا، لوبیا، اڑوی، چنا، مونگ، ارہر، بھنڈی، تیل، پیاز، لہسن، چالیہ، توری، کدو، لوکی مختلف قسم کی سیم، مونگ پھلی، ادرک، ہلدی، باجرہ، بیگن، مولی، گاجر، بندگوبی، پھول گوبی، کھیرا، ٹماٹر، آڑو، آم، کٹھل، پپیتا، لیچی، آلو، لکی، تربوز، کیلا، امرود، انناس، آنار، سنترہ، سرد، شریفہ، کاجو، خربوزہ، ترنجبین اور رس بھری وغیرہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ ساری چیزیں روایتی طریقے پر کسی بھی سرکاری تعاون کے بغیر پیدا کی جاتی ہیں، اگر انہیں سائنسی طریقے پر پیدا کیا جائے تو دوسرے ملکوں کو خاصی مقدار میں برآمد کیا جا سکتا ہے، مگر غضب یہی ہے کہ یہاں سرکاری تعاون تو کجا بلکہ شر پسند حکومت کسانوں پر ایک زبردست پابندیوں کے ذریعے ان کی نیند حرام کر رکھی ہے، جس کی وجہ سے زراعت ویران ہوتی گئی اور اب بھی ہوتی جا رہی ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ یہاں حیوانی نسل بندی کا کوئی بھی سرکاری منصوبہ بندی نہیں ہے، مگر علاقے میں وحشی اور جنگلی جانوروں کا بھرمار ہے، جن میں شیر، ہاتھی، ارنا، بھینسا، بارہ سنگھا، سانبھر، طوطا، ہرن، سور، ریچھ، بھیڑیا، جنگلی بکری، مختلف قسم کے بندر، چرخ، لومڑی، بھانت بھانت کے سانپ، اژدھا، مینا، مور، فاختہ، چیل، کوا، الو، جنگلی کتا، جنگلی مرغ، اور تیتر وغیرہ پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں شہد کی

مکھیوں کا کیا کہنا، کہ ارکان کے سارے جنگلات عمدہ قسم کی مکھیوں سے بھرے پڑے ہیں ۔

ارکان موسم کے حوالے سے مداریني (TROPICAL) آب وہوا کا علاقہ ہے، سالانہ اوسط ۲۰۰ ر آنچ کی بارش ہوتی ہے، ساحلی علاقوں کے مقابلے میں پہاڑی علاقوں میں حرارت اور سردی کچھ زیادہ ہے، یہاں کے تمام موسم یہاں کے اصلی باشندوں کے لئے بڑے موزون ہیں۔



دوسرا باب

خاندانی پس منظر:

ڈاکٹر محمد یونس کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد یونس بن ماسٹر علی احمد بن تعظیم الدین بن واعظ الدین بن سرفراز الدین بن زین العابدین بن محمد الیاس بن محمد کلی یاس بن کالا حاجی (۱) کالا حاجی کے متعلق خاندان کے بعض راویوں کا بیان ہے کہ آپ ایک جلیل القدر عالم دین، داعی برحق اور سخی انسان تھے، خاندانی روایت کے مطابق اس خاندان کا تعلق سرزمین یمن سے تھا، کالا حاجی صاحب سے پہلے کوئی داعی اسلام یمن سے ہندوستان آئے اور بعد میں سرزمین اسلام ارکان کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے خاندان کو اپنے علاقے میں ''عزی بارو گشتی'' کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے جد گرامی جناب مرحوم تعظیم الدین صاحب کے بڑے بھائی کا نام عزیز الرحمن تھا، سلسلۂ نسب سے ظاہر ہے کہ عزیز الرحمن کے والد صاحب کا نام واعظ الدین تھا تو اس واعظ الدین کو عزیز رباپ کہا جاتا تھا، چنانچہ اس خاندان کی بنیاد اور شہرت اس سے ہوئی، اللہ تعالی نے اس خاندان میں بڑی برکت دی، چنانچہ اس سے بہت بڑے بڑے علماء، صلحاء، دانشوران، قائدین قوم اور رہنمایان ملت پیدا ہوئے، جن میں سے چند حضرات کے مختصر تذکرے سے پہلے اس خاندان کا ایک شجرۂ نسب حاضر خدمت ہے، تاکہ اگلی سطور میں متذکرہ حضرات کے متعلق ایک ہی نظر میں یہ معلوم ہوجائے کہ کس شخصیت کا تعلق کس شخص بزرگوار سے تھا۔

(۱) اس خاندان کے متعلق بعض راویوں کا بیان ہے کہ کالا حاجی صاحب مرحوم کا کوئی اسلامی نام بھی تھا، مگر آپ اس نام سے مشہور ہیں۔

کالا حاجی کی اولاد:

محمد کلی یاس

محمد الیاس

زین العابدین

سرفراز الدین

واعظ الدین معروف بہ عزی باپ:

جناب واعظ الدین کے سات نرینہ اولاد تھیں جو یہ ہیں: عزیر الرحمن، سمیع الدین، تعظیم الدین، نعیم الدین، وصی الدین، نصرت علی، عبد الجلیل۔

جناب تعظیم الدین صاحب کے چھ بیٹے تھے جو یہ ہیں: لعل محمد، علی احمد، نور احمد، سید احمد، سلطان احمد، نور الاسلام۔ ان میں سے جناب ماسٹر علی احمد صاحب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے والد گرامی ہیں، جن کا مختصر تذکرہ اگلی سطور میں آرہا ہے۔

عزیر الرحمن بن واعظ الدین بن سرفراز الدین کے تین بیٹے تھے: ماسٹر امیر حمزہ، ماسٹر صلاح الدین دودو میاں، ابوبکر۔

ماسٹر امیر حمزہ بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین بن سرفراز الدین کے دو بیٹے تھے: ماسٹر بشیر اللہ، ماسٹر منیر اللہ صاحبان۔

ماسٹر صلاح الدین دودو میاں بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین بن سرفراز الدین کی نو اولادیں ہیں جو یہ ہیں: محمد قاسم، سراج المصطفی، شمس الانوار، شمس الحق، شمس الہدی، واحدہ خاتون، نور العالم، حفصہ، حسینہ۔

جناب ابوبکر بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین بن سرفراز الدین کے دو بیٹے تھے: حضرت مولانا نثار احمد صاحب اور انجینئر عطاء الرحمن صاحب۔

ماسٹر علی احمد بن واعظ الدین بن سرفراز الدین بن زین العابدین کی گیارہ اولادیں ہیں جو یہ ہیں: سلامت اللہ، محمد ہارون، ڈ/محمد یونس، محمد طاہر، علی جوہر، سید جوہر، زین العابدین، حسن جوہر، حسین جوہر، ہاجرہ خاتون، سارا خاتون۔

محترم جناب ڈ/محمد یونس صاحب کی آٹھ اولادیں ہیں جو یہ ہیں:

زینب بی بی

ممتاز بی بی

فریدہ بی بی

عمر فاروق

علی مرتضی

رکن الدین

حفصہ بی بی

افنان

ماسٹر علی احمد صاحب باغکونوی منگڈوی:

محترم ڈاکٹر محمد یونس (صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے والد گرامی ماسٹر علی احمد بن تعظیم الدین بن واعظ الدین صاحب کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں جنوبی منگڈو کی معروف و مردم خیز بستی باغکونہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقے میں پائی، اپنے چچازاد بھائی ماسٹر امیر حمزہ (اس خاندان کے علمی مربی) سے اردو اور برمیز کی تعلیم حاصل کی، آپ نے ساتویں جماعت تک اردو اور برمیز میں تعلیم پا کر مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینا شروع کیا، شاعرہ فارہ منگڈو کے اسکول میں اپنے استاد ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ مسلم بچوں کو اردو کی تعلیم دینے کا شرف حاصل کیا، تدریس کے حوالے سے آپ نے ارکان کے مختلف اسکولوں میں بچوں کو پڑھایا، جن میں شمالی منگڈو کی معروف بستی نائن چنگ اور واری چنگ بوسید نگ کے اسکولز قابل ذکر ہیں۔

ماسٹر صاحب نے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی اچھی خاصی تعلیم دی اور دلوائی، چنانچہ ماسٹر صاحب کی اولاد کے حوالے سے درج ذیل اجمال ملاحظہ ہو:

(۱) ماسٹر سلامت اللہ بن علی احمد: آپ کی ولادت باغکونہ منگڈو میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم

علاقہ میں پاکر حکومت کی نوکری اختیار کی، آپ نوکری کے سلسلے میں سنڈوے وغیرہ علاقے میں رہ چکے تھے۔

(۲) ماسٹر محمد ہارون (کرانی) آپ کی ولادت بھی بانگو نہ منگڈو میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقے میں پاکر اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے، چونکہ آپ کے بھائی ڈاکٹر محمد یونس کو بھی رنگون پڑھنا تھا تو والد ماجد کی اقتصادی و معاشی کمزوری کی وجہ سے ہارون صاحب کو رنگون سے واپس بلا لیا گیا، بعد میں آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح حکومت کی نوکری اختیار کی، راسیدنگ وغیرہ علاقہ جات میں کام کئے، منگڈو ٹاؤن شپ کے اسسٹنٹ ڈی سی کے منصب پر بھی فائز ہوئے تھے، آپ کے صاحب زادوں میں انعام الحسن راقم السطور کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے، جو آج کل سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم ہے۔

(۳) ڈاکٹر محمد یونس صاحب: ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہماری تاریخ کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے متعلق کم سے کم ایک جلد پر مشتمل سوانح حیات لکھنے کی ضرورت ہے، الحمد للہ جو لکھی بھی جا چکی ہے، اگر خدا کرے تو یہ سوانح حیات جلد شائع ہونے والی ہے۔

(۴) محمد طاہر صاحب: آپ نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقے میں پاکر اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، رنگون یونیورسیٹی سے بی ایس سی کر کے وطن واپس آئے، بعد میں روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہوئے، ۱۹۸۵ء کے دوران بعض وجوہات کی بنیاد پر آر ایس او کے بعض لیڈروں سے آپ کا اختلاف ہوا، لیکن بعد میں اس پارٹی کے مجلس عاملہ کے سرگرم رکن بنے، آج کل اپنے بڑے بھائی صدر آر ایس او ڈاکٹر محمد یونس کے دست راست کے بطور کام کرتے ہیں، چاٹگام میں مقیم ہیں، اللہ تعالی مزید خدمات کی توفیق دے۔

(۵) سید جوہر صاحب: حافظ القرآن تھے، تین چار جماعت تک برمیز بھی پڑھ چکے تھے، آج کل بنگلا دیش میں مقیم ہیں۔

(۶) زین العابدین صاحب: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی بستی بانگو نہ میں پائی، متوسطہ کی تعلیم منگڈو کے ایک اسکول میں پاکر منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک پاس کیا، بعد میں روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہوئے، ۱۹۹۴ء کے جہاد میں عملا شریک ہوئے، جنوبی منگڈو

کے علاقے میں جہادی پروگرام کے ساتھ منسلک رہے، غازی بنے، غالبا ۱۹۷۹ء کے بعد رابطۃ العالم الاسلامی کے زیر سایہ چلنے والا ہسپتال "مستشفی رابطۃ العالم الاسلامی مریچہ پالنگ" میں دو سال کا ایک بیلیج ڈاکٹری کی تربیت بھی حاصل کی، جس سے قوم کا بہت ہی فائدہ ہوا تھا، آج کل بنگلا دیش میں مقیم ہیں۔

(۷) حسن جوہر صاحب: اٹھویں جماعت تک تعلیم پائی، بعد میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۸) ڈاکٹر حسین جوہر صاحب: آپ نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے میں پاکر رنگون یونیورسیٹی سے BSC کی، اس کے بعد ملائشیا پہنچے، اور وہاں کی ایک یونیورسیٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، مدت دراز تک ملائشیا یونیورسیٹی میں لکچرر رہنے کے بعد بحیثیت لکچرر جدہ یونیورسٹی آف سعودی عرب بھی گئے ہوئے تھے، مگر ایک سال سے زیادہ ہاں نہ ٹک سکے، اس کے بعد پھر ملائشیا یونیورسٹی میں منتقل ہو گئے، آج کل اسٹرالیا کی ایک یونیورسیٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، آپ کی شادی جناب مرحوم ابوالفیض بن ابوالحسین رواسوگری نیا فاروی کی صاحب زادی سے ہوئی، اللہ تعالی آپ کی حیات دراز کرے اور قوم وملت کے کام آنے کی توفیق سے نوازے۔

(۹) حاجرہ خاتون: تعلیم یافتہ ہے، جو آج کل پاکستان میں مقیم ہے۔

(۱۰) سارہ خاتون: یہ ماسٹر علی احمد صاحب کی آخری اولاد ہے، جن کی شادی ماسٹر شبیر احمد شہید سے ہوئی، ماسٹر شبیر احمد صاحب کے متعلق میری کاوش "تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے" کے علاوہ زیر نظر کاوش میں بھی کچھ تفصیلات موجود ہیں، سارہ خاتون ایک شہید کی بیوہ ہیں، جو آج کل چاٹگام بنگلا دیش میں مقیم ہے، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے۔

ماسٹر علی احمد صاحب نہایت خلیق، مسلمانوں کے خیر خواہ اور نستعلیقی کیفیت کے مالک انسان تھے، نظافت پسندی آپ کا شیوۂ زندگی بن چکی تھی، مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے میں آپ بڑے مخلص انسان مانے جاتے تھے، اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن دانشمندانہ تھا، صاف اور شفاف گفتگو کرتے تھے، آپ کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا، بانگو نہ منگڈو میں مدفون ہیں۔

ماسٹر امیر حمزہ صاحب مرحوم باغکونوی منڈوی:

ماسٹر امیر حمزہ بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین کے متعلق اس خاندان کے بعضی راویوں کا کہنا ہے کہ آپ نہایت دین دار اور خداترس انسان تھے، یوں تو آپ عصری علوم سے آراستہ تھے، مگر علماء جیسے خیالات رکھتے تھے۔

ان راویوں کا مزید کہنا ہے کہ ماسٹر صاحب نے ہی اس خاندان کو علم کی دولت سے مالا مال کرنے کی کوشش کی، جس میں آپ کامیاب ہوئے، آپ علاقے کے مختلف مقامات میں مسلم بچوں کو پڑھاتے رہے تھے، آپ کی اولاد میں ماسٹر بشیر اللہ اور ماسٹر منیر اللہ صاحبان بہت شہرت کے حامل ہیں، جنہوں نے اپنے نامور باپ کی طرح مختلف جگہوں میں بچوں کو علم وعمل سے آراستہ کیا تھا، ماسٹر منیر اللہ صاحب کے متعلق پتہ چلا کہ آپ بڑے عالم دوست انسان تھے، جن کی اولاد میں مولانا عبد اللہ صاحب بڑے عالم ہیں، آج کل مولانا صاحب دارالعلوم شقدار فارہ کے مہتمم کے عہدے پر فائز ہیں۔

ماسٹر صلاح الدین دودومیاں صاحب باغکونوی منگڈوی:

دور آخر میں سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد، قائد ورہنما ماسٹر صلاح الدین بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین المعروف بہ ماسٹر دودومیاں کی ولادت ۱۹۰۰ء میں بستی باغکونہ منگڈو میں ہوئی، آپ ماسٹر امیر حمزہ صاحب کے بھائی بھی ہیں اور شاگرد بھی، آپ کے خاندان کو ''عزی بارو خاندان'' کہا جاتا ہے، جناب ماسٹر دودومیاں صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے میں پاکر رنگون کا سفر کیا اور ۱۹۱۸ء میں رنگون سے ہائی گریٹ پاس کیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ماسٹر صاحب وطن واپس آئے اور یہاں کے مختلف جگہوں میں پڑھاتے رہے، بستی شاعرہ فارہ میں آپ اپنے بڑے بھائی ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ پڑھاتے رہے، بعد میں تدریس کے حوالے سے آپ بستی دابری چنک بوسیدنگ منتقل ہو گئے، اور مذکورہ بستی میں سالوں تک پڑھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ اس بستی کے اسکول کو ڈپٹی مولانا عبد الغفار (ایم پی) کے تعاون سے رجسٹرڈ بھی کروادیا، ماسٹر صاحب کے صاحب زادہ جناب ماسٹر شمس الہدی کے بیان

کے مطابق آپ ان تدریسی خدمات کے دوران مختلف فکٹریوں کے کنٹرکٹر بھی رہے، ماسٹر صاحب مرے بون کے علاقے سے لکڑی اپنے علاقے میں لایا کرتے تھے، اس حوالے سے شمس الہدی صاحب کا ایک حیرت انگیز بیان ملاحظہ ہو کہ:

> ''میرے والد صاحب جناب صلاح الدین المعروف بہ ماسٹر دودومیاں صاحب نہایت حاضر دماغ، فعال اور دوراندیش انسان تھے، آپ سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں رنگون سے ہائی گریٹ تک کی تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے، یہاں کے مختلف اسکولوں میں پڑھاتے رہے، شاعرہ فارہ بستی میں اپنے بزرگ بھائی جناب ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ بھی پڑھائے، بعد میں آپ دابری چنگ بوسیدنگ کے اسکول میں منتقل ہوئے، اس اسکول کو جناب ڈپٹی مولانا عبد الغفار صاحب مرحوم کے تعاون سے رجسٹرڈ کروایا تھا، اس دوران آپ لکڑیوں کے کنٹرکٹر بھی رہے، ۱۹۴۲ء کے بعد ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ آپ لکڑی خریداری کے سلسلے میں مرے بون کے علاقے میں گئے، ساتھ آپ کا دیرینہ دوست جناب محمد جعفر حسین قوال (مجاہد اعظم) بھی تھے، رات دونوں ایک بستی میں اترے، جو ایک دریا کے پار واقع تھی، رات گئی دونوں آرام فرمارہے تھے کہ اچانک دریا کے پار بکھری پڑی ہڈیوں سے آواز آرہی تھی کہ ''کون ہے جو ہم مظلوموں کی خبر لینے والا، کون ہے جو اس ظلم کے بدلہ لینے والا'' تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ بکھری پڑی ہڈیاں ان مسلمانوں کی ہیں، جنہیں ۱۹۴۲ء میں شہید کر دیا گیا تھا، غرض یہ آواز سن کر دونوں نے ترک تجارت کر کے اپنے علاقے میں واپس آنے کو مناسب سمجھا، بعد میں دونوں حضرات نور اللہ فارہ کے مدرسہ میں آئے، اور سارا ماجرا مولانا لقمان صاحب (آپ بھی ایک عظیم مرد مجاہد عالم دین اور خادم قوم تھے) کو سنایا، اوران سے پوچھا کہ مولانا اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ جہاد اسلامی کے میدان میں فورا اتر جانا چاہئے،

اگر آپ حضرات جہاد اسلامی کے لئے تیار ہیں تو اس جہادی قافلہ کی فہرست میں سب سے اول میرا نام بھی لکھ لیا جائے، اس واقعہ کے بعد جہاد کونسل کی تشکیل سے پہلے حضرت محمد جعفر حسین قوال صاحب نے اپنی شاعری اور قوالی کے ذریعے مسلمانوں کے نوجوانوں کو جہاد اسلامی کی طرف بلایا اور ہر محفل میں یہ شعر سناتے رہے کہ:

نوجوانو! خون بہانے کے لئے تیار ہو
گردن دشمن اڑانے کے لئے تیار ہو مجھے

مجھے یہ بات والد مرحوم ماسٹر صلاح الدین صاحب نے بتائی ہے، اللہ تعالی دونوں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے، آمین''۔

راقم سطور کا خیال بلکہ اندازہ ہے کہ صلاح الدین صاحب کا تعلق مرحوم محمد جعفر حسین قوال صاحب کے ساتھ جہاد کونسل کی تشکیل سے پہلے بھی بہت گہرا تھا، دلیل کے بطور مذکورہ واقعہ کے علاوہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ محمد جعفر حسین قوال صاحب تو علی چنگی بوسیدنگی تھے، آخر وجہ کیا تھی کہ ۲۰/اگست/۱۹۴۷ء میں جہاد کونسل کی تشکیل کے مشورہ کے لئے بستی دابری چنگ کو انتخاب کیا گیا تھا؟ دراصل بات یہ تھی کہ اس دوران جناب صلاح الدین صاحب بستی دابری چنگ کے اسکول میں ٹیچر تھے، تو محمد جعفر حسین صاحب نے اپنے ہم راز اور ہم آہنگ دوست کی رہائشی بستی کو ایک عظیم کام کے آغاز کے لئے منتخب کیا تھا، چنانچہ مذکورہ تاریخ کے اجلاس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی تھی:

(۱) جناب محمد جعفر حسین قوال مجاہد اعظم علی چنگی بوسیدنگی۔
(۲) جناب میجر جنرل عبدالشکور صاحب دابوی شہید اعظم۔
(۳) جناب محمد عباس سیندنگی بوسیدنگی۔
(۴) جناب سلطان احمد حائندہ فاروی منگڈوی۔
(۵) جناب صلاح الدین المعروف بہ دودومیاں باغگونوی منگڈوی۔
(۶) جناب میجر جنرل شفیق الرحمن دابوی۔

تاریخ اجلاس سے ظاہر ہے کہ یہ اجلاس اعلان آزادئ برما سے تقریباً پانچ مہینے پہلے ہوا تھا، بہرحال اس اجلاس میں حالات حاضرہ پر بڑی باریک بینی سے غور کیا گیا اور تمام مشارکین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سرزمین ارکان کے مظلوم مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ایک منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے، جو اس سرزمین کو ایک مستقل ریاست بنانے کی تدبیر کرے گی، جو منظم بھی ہو اور مسلح بھی، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مسلح جدوجہد کے لئے ارکان کے مسلم نوجوانوں کو منظم کیا جائے، اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جناب محمد جعفر حسین قوال اور عبدالشکور دابوی کو مقرر کیا گیا تھا۔

۲۸/مئی/۱۹۴۷ء میں جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب ہوئی تو صلاح الدین صاحب مجلس عاملہ کے ممبر منتخب ہوئے، یہ عاملہ نو اراکین پر مشتمل تھا، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدار فاردی (سرپرست اعلی)
(۲) جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب (صدر جہاد کونسل)
(۳) جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب حائندہ فاروی (نائب صدر جہاد کونسل)
(۴) جناب محمد عباس سیندنگی صاحب (جنرل سکریٹری)
(۵) جناب کرنل رشید احمد صاحب فوئمالوی (سکریٹری برائے امور دفاع)
(۶) جناب ماسٹر صلاح الدین (دودومیاں) صاحب باغگونوی (مشیر اعلی)
(۷) جناب مولانا رشید احمد صاحب (مشیر اعلی)
(۸) جناب نذیر احمد صاحب (مشیر اعلی)
(۹) جناب کرنل مستفیض الرحمن صاحب (مشیر اعلی)

۱۹/دسمبر/۱۹۴۹ء میں جہاد کونسل کا اور ایک اجلاس ہوا، جس میں جہاد کونسل کے تقریباً تمام اعلی اراکین نے شرکت کی، اس اجلاس میں جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب ہوئی، بس چار اراکین پر مشتمل ایک عاملہ کی تشکیل دی گئی تھی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) صدر جہاد کونسل: مولانا مفتی محمد لقمان صاحب۔
(۲) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔

(۳) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب۔

(۴) سکریٹری برائے رسد و مراسلات: جناب صلاح الدین دودو میاں صاحب۔

۱۹۵۰ء کے دوران برمی حکومت نے اگرچہ مجاہدین کی استیصال کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں، مگر ناکام ہوگئی تھی، تو برمی حکومت نے چار افراد پر مشتمل ''پیس مشن'' کے نام سے ایک وفد کی تشکیل دی جو مجاہدین سے گفتگو کرکے ارکان میں امن کی بحالی کی کوشش کرے گا، حکومت برما سے تشکیل کردہ وفد میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

(۱) جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی (پارلیمنٹری سکریٹری حکومت برما)

(۲) جناب مولانا عبدالغفار صاحب رنگیادنگی (وفاقی پارلیمنٹ ممبر حکومت برما)

(۳) جناب ابوالبشر صاحب فوئمالوی (وفاقی پارلیمنٹ ممبر حکومت برما)

(۴) جناب نور احمد صاحب علی تانجوی۔

جناب اڈووکٹ سلطان احمد بالوخالوی کی قیادت میں یہ وفد فقیرہ (ایک جگہ کا نام) پہنچا تو جہاد کونسل نے ماسٹر عمرہ میاں کی قیادت میں ایک وفد کی تشکیل دی، جس میں شامل افراد یہ تھے:

(۱) قائد وفد: مسٹر عمرہ میاں صاحب۔

(۲) جناب سلطان احمد صاحب حائندہ فاروی۔

(۳) جناب محمد عباس سیندنگی صاحب۔

(۴) جناب صلاح الدین دودو میاں صاحب۔(۱)

/ ۱۸ جولائی / ۱۹۵۰ء میں حضرت جعفر حسین قوال کو عہدۂ صدارت سے معزول کرکے مشرقی پاکستان علاج کے لئے بھیج دیا گیا تو یکم / اگست / ۱۹۵۰ء میں ایک ہنگامی اجلاس بلا کر ایک ہنگامی عاملہ کی تشکیل

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راقم السطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں''، ص: ۲۱۶۔۲۱۷۔

دی گئی تھی، جس میں مسٹر عمرہ میاں صاحب صدر اور محمد عباس نائب صدر مقرر ہوئے تھے، یہ عاملہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا، جس میں ہمارے ممدوح جناب صلاح الدین صاحب کونسلر یعنی مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے تھے۔

۱۱/اکتوبر/۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین صاحب شہید کردیئے گئے تو جنوری/۱۹۵۱ء میں جہاد کونسل کا ایک انتخاب عمل میں آیا، جس میں تین مجالس کی ترتیب ہوئی:

(۱) پہلا مجلس سرپرستگان۔

(۲) دوسرا ایوان بالا۔

(۳) جبکہ تیسرے کا نام ایوان زیرین دیا گیا تھا۔

اس انتخابات کے نتیجے میں صلاح الدین صاحب ایوان بالا یعنی مجلس عاملہ کے سکریٹری برائے امور تنظیم کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

جناب ممدوح ۱۹۵۱ء سے قائد کونسل محمد عباس کی معزولی یعنی ۱۷/مئی/۱۹۵۷ء تک بڑی تندہی اور اطمینان سے جہاد کونسل میں کام کرتے رہے، پھر ۱۹۵۷ء سے صالح احمد صاحب کی قیادت میں آپ نے اپنے تمام قومی وملی فریضے انجام دیئے، حتی کہ ۷/نومبر/۱۹۶۱ء کا وہ دن آیا کہ میجر جنرل صالح احمد اور میجر جنرل محمد شفیع صاحب برمی حکومت کے ہاتھوں پکڑے گئے اور برمی حکومت نے ''مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن'' کا جھانسہ دے کر مجاہدین کو ہتھیار ڈلوایا تھا۔

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک صلاح الدین دودو میاں صاحب لیموسری کے علاقے میں زیرزمین رہے، بعد میں موخر الذکر سن ۱۹۶۶ء کو مغربی پاکستان ہجرت کرکے کراچی میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، آپ نے کراچی میں مدت دراز تک میونسپلٹی میں نوکری کی اور اس نوکری سے ۱۹۷۹ء میں پنشن لی، اس کے بعد آپ نے اپنی رہائشگاہ کے قریب ایک مسجد کی خدمت شروع کی، بحیثیت مسجد سکریٹری آپ نے اللہ کے اس گھر کی بہت ساری خدمات انجام دیں، اللہ تعالی کے اس فرمان بردار بندے نے دین وملت کی بہت ساری خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۰۰۶ء میں انتقال فرمایا اور سرزمین کراچی میں مدفون ہیں۔

ماسٹر صاحب کی اولاد میں اللہ تعالی نے بڑی برکت دی، جن میں سے بعض نے دین وملت اور قوم

وطن کی خدمت بھی کی ہے، جن کے اجمالی حالات درج ذیل ہیں:

(۱) محمد قاسم: بچپن ہی میں اللہ تعالی کو پیارا ہو گیا۔

(۲) سراج المصطفی: اس نے اپنے والد کی طرح لمبی عمر پا کر کراچی میں انتقال کیا۔

(۳) شمس الانور: یہ لڑکا تین سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔

(۴) شمس الحق: جو اپنے والد کے ساتھ جہادی سرگرمی میں شامل ہوئے تھے، ۱۹۵۶ء میں اپنے والد کے ساتھ درۂ ڈینسو عبور کرنے کے دوران برمی ملٹری کی گولی سے شہید ہو گئے، اس شہید کے متعلق یہ روایت ملی ہے کہ شہادت کے زمانے میں وہ طالب علم تھے، مدرسہ ہاشمیہ کوکس بازار میں زیر تعلیم تھے، فرصت پر اپنے والد کی سرگرمی کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔

(۵) شمس الہدی: انہوں نے ابتدائی تعلیم شاہی فریر دیپ میں پائی، ۱۹۴۹ء میں مسلم ہائی اسکول پہاڑتلی چاٹگام سے ساتویں جماعت کی تعلیم مکمل کر کے اپنے والد کے ساتھ لیموسری کے علاقے میں تنظیمی سرگرمیوں کے ساتھ منسلک ہو گئے، انہوں نے ۱۹۶۳ء میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور کراچی میں سکونت پذیر ہو گئے، ۱۹۷۶ء میں حجاز مقدس کا سفر کیا اور حج بیت اللہ و زیارت مدنیہ سے مشرف ہوئے، ۱۹۸۲ء میں جہاد افغانستان میں باضابطہ طور پر شرکت کی، اس دوران پاکستان کے عظیم مرد مجاہد جنرل حمید گل، افغانستان کے سابق صدور برہان الدین ربانی، صبغۃ اللہ مجددی، استاد عبدرب رسول سیاف و گل بدن حکمت وغیرہ سے ملاقاتیں کیں، ۱۹۸۸ء میں جہاد افغانستان سے واپس آئے اور عرصۂ دراز تک مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ ارکان آباد ابراہیم حیدری میں بچوں کو پڑھاتے رہے، ۱۹۹۶ء میں وہ حجاز مقدس پہنچے، اور جدہ کیلو اربعہ عشر کے ایک دینی مدرسہ ''زہرۃ الحجاز'' معروف بہ مدرسہ فاروقیہ میں پڑھاتے رہے، راقم السطور کی ان سے ملاقات اسی ادارہ میں ہوئی، راقم ان کے بیانات اور خاندانی وقومی روایات سن کر بڑا محظوظ و مستفید ہوا، آج کل بھی کیلو اربعہ عشر جدہ میں مقیم ہیں، اللہ تعالی نے ان سے دین کی بہت ساری خدمات لیں اور آج کل بھی خدمات میں مشغول ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ان کی حیات میں برکت دے، اور ان کی زندگی اور ان کے سارے اعمال کو قبول فرمائے، آمین۔

(۶) واحدہ خاتون: ماسٹر دودو میاں صاحب کی اس صاحب زادی نے مجاہدین اسلام کی بہت خدمت کی تھی، جن میں اللہ قبول کرے تو راقم السطور بھی شامل ہے، واحدہ خاتون محترمی جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی کی اہلیہ ہیں، جناب ماسٹر شونا علی صاحب روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کے بانیوں میں سے ایک ہیں، جن کے حالات اس حقیر کاوش میں شامل ہیں۔

(۷) ماسٹر نور العالم: ڈاکٹری یعنی طباعت کے ہنرمند ہیں، آج کل مکہ المکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۸) حفصہ: یہ شوکت بہادر نامی آدمی کی اہلیہ ہے، پاکستان کے شہر کراچی میں مقیم ہے۔

(۹) حسینہ: مولوی محمد ہارون بن مولوی علی اکبر ہتالیہ فاروی کی اہلیہ محترمہ ہیں، کراچی میں مقیم ہے۔

(۱۰) شمس الضحی: اڈووکٹ ہیں، ان کی ولادت شاہی فریر دیپ میں ہوئی، چودہ سال کی عمر سن ۱۹۶۶ء میں والد گرامی کے ساتھ پاکستان پہنچے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم کراچی میں پائی، ساتویں کلاس تک کی تعلیم کے ایریا کراچی کے ہائی اسکول میں پا کر لیاقت کالج سے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں، وہ مدت دراز تک آدم جی فکٹری میں اسسٹنٹ لیبر افسر تھے، ان کی شادی ناظم آباد میں رہائش پذیر ماسٹر یسین کی صاحب زادی سے ہوئی، انہوں نے قوم کی خدمات بھی کیں اور وکالت کا پیشہ بھی جاری رکھا، اللہ تعالی ان کی زندگی میں برکت دے، آمین۔

ماسٹر نور الاسلام صاحب بانگونوی منگڈوی:

محترم جناب ماسٹر نور الاسلام صاحب بن تعظیم الدین بن واعظ الدین کی پیدائش جنوبی منگڈو کی بستی بانگو نہ میں ہوئی، آپ ڈاکٹر محمد یونس صاحب صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے حقیقی چچا ہیں، جنھوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم وملت کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

ماسٹر نور الاسلام صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں اپنے والد گرامی اور چچا ماسٹر امیر حمزہ وغیرہ سے پائی، علاقے میں ساتویں جماعت تک اردو اور برمیز کی تعلیم پا کر مجاہدین اسلام کے قافلہ میں شامل ہو گئے، آپ حضرت محمد جعفر حسین قوال کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، خود شاعر بھی تھے اور نغمہ سرا بھی، محمد جعفر حسین صاحب کے بہت سارے نغمے آپ کو زبانی یاد تھے، جہاں کہیں بھی جاتے آپ محمد جعفر حسین قوال صاحب کی یاد کرتے رہتے تھے، راقم السطور کی آپ سے پہلی ملاقات حارۃ البلدیہ مکہ مکرمہ میں ہوئی، ایک سے زیادہ ملاقاتوں میں آپ نے اپنی نجی زندگی، خاندانی حالات کے علاوہ مجاہدین اسلام کی سرگرمیوں کی بہت ساری داستانیں سنائیں، ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ:

> ''یوں تو ظاہر ہے کہ ہمارے ناسمت شناس لوگ راہ خدا میں قربان ہوجانے والے ہمارے مجاہدین اسلام کی بدنامی اور دشنام طرازی کرتے رہتے ہیں، لیکن انہیں کیا معلوم کہ ہمارے ان مجاہدین، غزاۃ اور شہداء کے لئے اللہ تعالی نے کیا کیا نعمتیں رکھی ہیں، اللہ تعالی ہمارے لوگوں کو سمجھ عطا کرے''۔

آپ بڑے ذہین اور حافظہ کے بڑے پختے نظر آئے، عمر کے آخری مرحلہ میں بھی آپ کے حافظہ پر بہت تعجب ہوا، آپ خوش آواز اور پرجوش ہونے کے علاوہ بڑے پرامید نظر آئے، ۱۹۶۰ء کے بعد موضع شقدار فارہ منگڈو میں آپ نے اپنی نجی تجارت شروع کی تھی، اسی دوران ہمارے قومی گلوکار مرحوم شبیر احمد المعروف بہ ''شبو'' صاحب نے آپ سے باضابطہ اردو کی تعلیم حاصل کی تھی، یوں آپ شبیر احمد صاحب کے استاد ہیں، ماسٹر صاحب اپنے شاگرد شبیر احمد صاحب کی شخصیت، اعلی صفات کے علاوہ مدھور ومدبھری آواز کے بڑے مداح تھے، جس طرح شبیر احمد صاحب آپ کے مداح

تھے اسی طرح ماسٹر صاحب بھی اپنے شاگرد کے بڑے خیر خواہ اور خیر اندیش تھے، ماسٹر صاحب عرصۂ دراز تک حارۃ البلدیہ مکہ المکرمہ میں مقیم اور عبادت الہی میں مگن تھے، جہاں آپ کا انتقال ہو گیا، خاکِ مقدس میں مدفون ہیں۔

ماسٹر صاحب نے ۱۹۱۷ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد شقدار فارہ ہائی اسکول میں تعلیم دی، گدوسرا جنوبی منگڈو کے اسکول میں بھی پڑھایا، عرصۂ دراز تک تعلیم دینے کے بعد وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور پاکستان کے معروف شہر کراچی پہنچے جہاں متعدد اسکولوں میں پڑھاتے رہے، کراچی میں چند سال گزارنے کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے، مکہ مکرمہ میں آپ بلدیہ شعبہ کے ساتھ منسلک رہے، بلدیہ کے ایک افسر کی حیثیت سے عرصۂ دراز تک خدمات انجام دیں۔

جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ماسٹر صاحب حضرت جعفر حسین قوال کے ساتھیوں میں سے ہیں، انہوں نے تحریک آزادی کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کی حتی المقدور کوشش کی تھی، مگر محمد جعفر حسین کی شہادت حسرت آیات نے آپ کے جذبات کو بڑی حد تک ٹھیس پہنچایا، جس کی کہانی آپ رو رو کر بیان کرتے تھے۔

پاکستان میں اقامت کے دوران آپ نے تحریک آزادی ارکان کے حوالے سے اٹھنے والی جماعتوں کا بھرپور تعاون کیا، روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے وابستہ رہے، ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور اس کے رہنماء محترم نور الاسلام صاحب کے بڑے مداح تھے، ماسٹر صاحب اے ار آئی ایف کے ابتدائی زمانے سے اس کا خاص ممبر رہے، اور دم آخر تک اس جماعت کی راگنی الاپتے رہے تھے۔

ماسٹر صاحب اردو میں لکھتے ہیں، مورخ بھی ہیں اور داستان سرا بھی، ارکان کی تاریخ کے حوالے سے چند نغمے بھی لکھے ہیں، جو میری نظر سے گزرے ہیں، سعودی عرب میں ۲۰۰۷ء میں ان سے چند مرتبہ ملاقات ہوئی، بڑے خوش طبع اور بلند اخلاق کے مالک انسان ہیں، تاریخ اسلام ان کا خاص اور من پسند موضوع ہے۔

مولانا نثار احمد صاحب بانگونوی منگڈوی مرحوم:

حضرت مولانا نثار احمد بن ابوبکر بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین کی پیدائش تقریباً ۱۹۱۱ء میں اپنی آبائی بستی بانگونہ منگڈو میں ہوئی، بچپن ہی میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا، ابتدائی اور متوسطہ کی دینی تعلیم اپنی بستی اور علاقے کے دیگر دینی درسگاہوں میں پاکر اعلی دینی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان جانے کی تمنا کی تو اپنے لائق چچے جناب ماسٹر امیر حمزہ اور ماسٹر صلاح الدین دودومیاں تعاون کے لئے آگے بڑھے اور اپنے چہیتے بھتیجے کو اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان روانہ کردیا تھا۔

آپ نے ہندوستان کے چند دیگر مدارس میں تعلیم پاکر بعد میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں سے سند فراغت حاصل کرکے وطن واپس آئے، آپ نے عرصۂ دراز تک مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ میں تعلیمی خدمات انجام دیں، بعد میں اس مادر علمی کے مدت دراز تک عہدۂ اہتمام بھی سنبھالا، غالباً ۱۹۸۴ء میں راقم السطور کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی، جہاں تک دیکھا کہ آپ بڑے پائے کے شریف، بلند اخلاق کے مالک عالم دین نظر آئے، آپ نے اپنی پوری عملی زندگی علم دین اور طالبان علوم نبوت کی خدمات انجام دے کر ۱۹۸۶ء میں انتقال فرمایا، اور اپنی آبائی بستی بانگونہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا نثار احمد صاحب کی اولاد میں ایک حافظ ومولوی صاحب بھی ہیں، جن سے ملاقات تو ہوئی تھی مگر اس کا نام بھول گیا، مولانا کے اس صاحب زادے نے مجھے گھر میں دعوت دی تو میں نے از راہِ محبت اس دعوت کو قبول کیا، وہاں مولانا نثار احمد صاحب سے گفتگو ہوئی، مولانا بڑے مستعد اور باصلاحیت عالم دین تھے، بات بڑی سمجھداری سے کرتے تھے، آپ کا ایک اور صاحب زادۂ گرامی جناب انجینئر عطاء الرحمن بھی ہیں، جنھوں نے وطن میں تعلیم پاکر اعلی تعلیم کے لئے ترکی کا سفر کیا اور وہاں کی ایک یونیورسیٹی سے جغرافیہ میں ماجسٹر (MA) کی ڈگری حاصل کی، وہ آج کل قومی وملی خدمات سے منسلک اور بڑے سرگرم ہیں، اللہ تعالی انہیں قبول فرمائے۔ آمین۔

الحاج محمد اقبال صاحب بانگونوی، منگڈوی:

الحاج محمد اقبال بن درزی محمد اسحاق صاحب ۱۹۵۰ء میں جنوبی منگڈو کی معروف بستی بانگونہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محمد اسحاق صاحب درزی ایک دین دار، خداترس اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، جو قوم وملت پر فدا ایک شریف آدمی تھے۔

محمد اقبال صاحب نے اپنی بستی کے مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم کے علاوہ دینیات کی کچھ بنیادی تعلیم پائی، پھر بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت کی تعلیم پاکر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ہائی اسکول فائنل (آج کل کی دسویں جماعت) کا امتحان پاس کیا تھا۔

منگڈو کے دوران تعلیم آپ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہے، کہتے ہیں کہ آپ مذکورہ تنظیم کے زیر سائے کام کرنے والی طلبہ تنظیم کے سرگرم کارکن تھے، آپ نے ۱۹۶۸ء کے دوران منگڈو ٹاؤن شپ کے مسلم طلبہ کو طلبہ تنظیم میں جمع کرنا شروع کیا تھا۔

۱۹۷۲ء میں روہنگیا یوتھ فرنٹ (RYF) کے مرکزی لیڈروں میں آپ بھی تھے، جس کے زیر سائے آپ نے مختلف قومی خدمات بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں، روہنگیا نوجوانوں اور جوانوں کے اندر آپ نے قومی وملی شعور واحساس کو جگایا، سوئے ہوؤں کو بیدار کیا اور بیدار ہونے والوں کو منزل کی راہ دکھائی تھی۔

۱۹۷۵ء میں ارکان بنگلادیش کے سرحدی علاقے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی ازسرنو تجدید ہوئی تو آپ نے بشمول اپنے ساتھیوں کے اس میں شامل ہوکر عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد جہادی فریضہ انجام دینا شروع کردیا، یہاں آپ نے اپنوں کے مابین اخوت اور بھائی چارگی اور قومی وملی فریضے ادا کرنے کی راہ پر قربانیاں دینے کے جذبے کو فروغ دیا، جس کی وجہ سے نہ صرف روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بلکہ بہت سے ممبروں کا کافی فائدہ بھی ہوا تھا، ماشاء اللہ آپ کافی ذہین اور فکر رسا کے مالک انسان ہیں، ملت وقوم کی راہ پر خود بھی قربان گئے اور دوسروں کو بھی قربانی اور جانفشانی کی طرف بلایا، آپ دل دینے اور دل لینے کے حوالے سے کافی مہارت رکھنے والا انسان ہیں۔

۱۹۸۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ دل برداشتہ ہو گئے تھے، بالآخر آپ نے اپنے ذاتی معاشی بحران کو کچھ سہارا دینے کے لئے سعودی عرب کی راہ لی، لیکن وہاں بھی آپ کو ملت وقوم کی فکر نے چین سے رہنے نہیں دیا، اور معاشی کام کو چھوڑ کر وہاں بھی قومی وملی راہوں پر دوڑتے رہے تھے۔

۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) قائم ہوئی تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے اور ۱۹۸۵ء میں اس تنظیم کی چاہت پر بنگلا دیش واپس آئے، اور اس تنظیم کے سرگرم میدانی رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۸۶ء کے دوران مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلی آر ایس او کے امیر تھے، اقبال صاحب اور آپ کے بعض ہم خیالوں نے امیر صاحب اور مجلس عاملہ کے بعض امور سے اختلاف کیا، اور آگے چل کر اس اختلاف نے باہمی رسہ کشی کی شکل اختیار کر لی، آخر کار بات کسی بھی طرح نہیں بنی تو آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۸۸ء کے دوران مولانا محمد حنیف راغبؔ صاحب فرندگی کی قیادت والی تنظیم ''اتحاد المجاہدین ارکان'' سامنے آئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے، یہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، اس دوران آپ کو جناب نور الاسلام صاحب کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔

اتحاد المجاہدین کی ناکامی اور مکمل تباہی کے بعد آپ نے ۱۹۹۰ء میں ارکان مجاہدین فرنٹ (AMF) نامی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، جس میں آپ کے چھوٹے بھائی محمد ایوب صاحب جنرل سکریٹری رہے تھے، اقبال صاحب نے اس کے صدر کی حیثیت سے پاکستان کا دورہ بھی کیا، لیکن بعد میں اس تنظیم کو بھی بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

۱۹۹۷ء میں اقبال صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ڈاکٹر محمد یونس گروپ میں دوبارہ شامل ہو گئے، جہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے آر ایس او کی جانب سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے لئے راہ ہموار کی تھی، جس کی وجہ سے مؤخر الذکر تاریخی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تھا۔

آخر کار ۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) بہتوں کی بہت ساری کوششوں کے نتیجے میں اعلان ہو گیا تو آپ اس کے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر کے علاوہ انتخابات کے نتیجے میں ہونے والی مجلس عاملہ کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔

مؤخر الذکر تنظیم میں بعد میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ اس کے صدر مسٹر نور الاسلام صاحب کے حامی رہے، آپ نے اپنوں کے مابین ہونے والے اختلافات کو مٹانے کی راہ پر بے حد کوششیں کیں، مجاہدین کو متحدہ پلیٹ فارم پر لانے کے لئے صدر محترم نور الاسلام صاحب اور راقم سطور کے ساتھ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) والے معسکر کا خطرناک دورہ کیا، اس حوالے سے یاد رہے کہ اس وقت صدر صاحب کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا رہا تھا کہ خدانہ کرے کہ ہم تینوں کی شہادت بھی ہو جائے، ہمارے ساتھ اقبال صاحب کی اس جانبازی اور جان سپاری کو کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا، لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا کہ بڑی کوشش اور جدو جہد کے باوجود ان بگڑے ہوئے مجاہدین کو اپنایا نہیں جا سکا، اور ہم تینوں کو اس دنگل سے افسوس کے ساتھ واپس آنا پڑا تھا۔

بہر حال ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے بگڑے ہوؤں کو اپنانے اور قوم کی امیدوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی راہ میں اقبال صاحب کی اس وقت کی کوششیں یاد رکھی جانے کی قابل ہیں، اس وقت قیادات کے مابین پائے جانے والے اختلافات اور مجاہدین کے درمیان ہونے والے افتراق کو مٹانے کے لئے اقبال صاحب نے بڑی قابل تعریف جدو جہد کی، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

۲۰۰۱ء کے بعد اقبال صاحب بڑے شکستہ خاطر ہو چکے تھے، حتی کہ عرصۂ دراز تک گم نامی کی زندگی اختیار کرتے ہوئے ڈھا کہ جا چھپے تھے، اس کے بعد راقم سطور نے بھی ۲۰۰۳ء میں سعودی عرب کی راہ لی، پھر بعد میں یہ بات سننے میں آئی کہ اقبال صاحب ولایات متحدہ امریکہ چلے گئے ہیں۔

۲۰۱۱ء کے بعد یہ بات سننے میں آئی کہ اقبال صاحب امریکہ میں پھر دوبارہ سرگرم عمل ہو چکے ہیں اور ڈاکٹر وقار الدین (ڈائرکٹر جنرل آف ارکان روہنگیا یونین) سے مل کر قومی کام

کررہے ہیں۔غالباً ۲۰۱۴ء میں ہوکہ راقم کے ساتھ اقبال صاحب کے چند مرتبہ ٹیلیفونک رابطے ہوئے تھے،آپ نے تمنا ظاہر کی تھی کہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی نیت سے سعودی عرب آئیں گے،لیکن بعد میں یہ بھی نہیں ہوسکا،دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی تمنا پوری کرے،آمین یارب العالمین۔

اقبال صاحب مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب کے قریبی ساتھیوں اور کسی قدر دوستوں میں شمار تھے، ۱۹۸۵ء کے بعد دونوں کے مابین بہت قریبی تعلقات ہوچکے تھے، یہ دوستی ۲۰۰۳ء تک بدستور بحال رہی تھی، اس کے بعد مولانا سعودی عرب کے اور اقبال صاحب امریکہ کے ہوگئے، اور جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آج کل ان دونوں کے مابین رابطہ بھی نہیں ہے۔

محترم اقبال صاحب کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب کی یہ ایک رائے بھی ہے کہ آپ قوم وملت کی خاطر اتنے فدا نہیں ہیں کہ جتنے بظاہر نظر آتے ہیں، مولانا کی نظر میں آپ کی وفاداری بقدر استواری تک محدود ہے، تاہم یہ مولانا کی رائے ہے، لیکن میری نظر میں اقبال صاحب کی قوم وملت کی خاطر قربانی اور جانفشانی کبھی بھی بھلائی جانے کی قابل نہیں ہے، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے۔آمین یارب العالمین۔

ماسٹر جعفر احمد صاحب بانگونوی، منگڈوی:

محترم ماسٹر جعفر احمد بن مولانا خلیل الرحمن بن نصرت علی بن واعظ الدین کی پیدائش بستی بانگونہ منگڈو میں ہوئی، آپ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے چچازاد بھائی ہیں، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب ایک جلیل القدر عالم دین تھے، جنھوں نے اپنی اولاد کو علم وہنر کی زیور سے آراستہ کیا اور وہ مرتے دم تک علم دین سے وابستہ رہے تھے۔

ماسٹر جعفر احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور ابتدائی سرکاری اسکول میں ہوئی، ساتھ ساتھ اپنے والد گرامی سے دینیات کی کچھ تعلیم بھی حاصل کی، ویسے ماسٹر صاحب برمیز اور انگریزی کے علاوہ قدرے قلیل اردو دان بھی ہیں، شاید والد گرامی کے علاوہ اردو زبان کی مہارت حاصل کرنے کے لئے علاقے کے دیگر اساتذہ سے بھی مستفید ہوئے ہوں گے، اردو کسی قدر روانی سے بولتے اور پڑھتے ہیں، شاید سمجھتے بھی ہوں گے، بہرحال میٹرک پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لئے رنگون گئے، رنگون یونیورسٹی سے بی ایس سی پھر ایم ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں، اور فراغت کے بعد وطن واپس لوٹ آئے تھے۔

وطن واپس آتے ہی سرکاری اسکول میں ٹیچر مقرر ہوئے، منگڈو کے چند سکولوں میں پڑھاتے رہے، بعد میں بوسیدنگ ٹاؤن شب ہائی اسکول میں منتقل ہوئے، جہاں چند سال پڑھاتے رہے تھے، راقم سطور جس زمانے میں بوسیدنگ والے مدرسہ عالیہ میں زیر تعلیم تھا اسی زمانے میں ماسٹر صاحب بوسیدنگ ہائی اسکول کے ٹیچر تھے، جہاں تک سنا اور اندازہ کیا کہ ماسٹر صاحب پر اسکول کے تلامذہ خوش تھے۔

ماسٹر صاحب عنفوان شباب سے دین اور دینیات سے دلچسپی لیتے رہے تھے، والد گرامی تو ظاہر ہیں کہ ایک جلیل القدر عالم دین تھے، گھر کا ماحول بھی دین سے جڑا ہوا تھا، تو آپ کے لئے دینیات سے دلچسپی لینا بہت ہی آسان تھا، غالباً فراغت تعلیم کے بعد آپ حضرت مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی لٹریچر سے متاثر ہوئے ہوں، لیکن بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ آپ ۱۹۸۲ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن میں شامل ہوئے تو مولانا مودودی رحمہ اللہ کی لٹریچر سے متعارف ہوئے

،آپ نے وطن میں جماعت اسلامی طرز کی دعوت شروع کی تھی، بعد میں ۱۹۸۴ء یا ۱۹۸۵ء کے دوران آپ نے وطن کو خیر باد کیا اور مذکورہ تنظیم میں شامل ہو گئے تھے۔

مولانا سیف الاسلام صاحب کے دور قیادت میں آپ نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو کر باضابطہ تحریک اور جہادی سرگرمی کا آغاز کیا، آپ مولانا سیف الاسلام صاحب کا قریبی ساتھی رہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ جڑے رہے تھے۔

آر ایس او ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت کے ابتدائی زمانے سے افراتفری اور خلفشار کی شکار ہو گئی تو آپ نے اپنے چچازاد بھائی ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دینے کے بجائے مولانا سیف الاسلام دھڑے کا ساتھ دینا مناسب سمجھا، پھر ۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو آپ روہنگیا نیشنل اسٹینڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر بنے، بعد میں مجلس عاملہ کے رکن بھی ہو گئے تھے۔

غالبا ۲۰۰۵ء کے بعد آپ سعودی عرب گئے، ویزے پر تھے، اس لئے آئے مہینے بنگلا دیش آتے جاتے رہے تھے، ماسٹر صاحب بعد میں سلفی گروپ سے وابستہ ہو گئے، آج کل بڑے کٹر سلفی کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں، تاہم تحریک جہاد کے حوالے سے آپ کی بڑی بڑی خدمات ہیں، من حیث المجموع آپ کی خدمات قابل تحسین بھی ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے، آمین۔

یہاں محترم ماسٹر جعفر احمد صاحب کے متعلق راقم سطور کا ایک اقتباس حاضر خدمت ہے کہ:

"محترم جناب ماسٹر جعفر احمد صاحب بانگونوی منگڈوی ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے قیام سے پہلے پروفیسر محمد زکریا والی آر ایس او میں شامل تھے، آپ اے آر این او کے قیام کے دوران اتحاد کی کوشش میں شریک حضرات کے ہاتھ بٹاتے رہے تھے، آپ تنظیم کی بنیاد کے دوران نیشنل اسٹینڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر چن لئے گئے، اے آر این او کے انتشار کے دوران پروفیسر محمد زکریا اور مولانا سیف الاسلام صاحب کے گروپ کے ساتھ

تنظیم سے نکل گئے، لیکن وہاں بھی مزید انتشار پھیلا تو جناب نور الاسلام صاحب کے گن گانے لگے، اکتوبر/۲۰۰۰ء میں جب تنظیم کا دوسرا کنونشن شروع ہوا تو آپ اس اجلاس میں مدعو ہوئے، بعد میں آپ کو تنظیم میں باضابطہ طور پر شامل کرتے ہوئے مجلس عاملہ کا رکن چن لیا گیا تھا۔

مجلس عاملہ کے رکن بننے کے دوران تنظیم کے صدر جناب نور الاسلام صاحب نے راقم سے ماسٹر صاحب کے متعلق مشورہ چاہا تو میں نے آپ کے حق میں مشورہ دیا، اور آپ کو دوبارہ تنظیم میں شامل کرنے کے لئے بھرپور تائید کی، یہ الگ بات ہے کہ میرا مشورہ بعد میں صحیح ثابت ہوا یا غلط؟ بہرحال میری آپ کے حق میں تائید صرف اور صرف قوم کی بہبودی اور فلاح کے پیش نظر تھی"۔

۲۰۰۳ء میں چیف آف اسٹاف روہنگیا نیشنل آرمی (RNA) جناب سلیم اللہ صاحب کی حراست کے دوران تنظیم پر حکومت بنگلا دیش کی نظر خراب ہو گئی تو ماسٹر جعفر احمد صاحب نے اپنے آپ کو کسی بھی طرح حکومت کی نظر بد سے بچا کر تنظیم کے بعض سیاسی اور عسکری امور میں خدمات انجام دیں، جن کی وجہ سے آپ نور الاسلام صاحب کے مزید قریب ہو چکے تھے، بعد میں آپ اپنی معاشی بدحالی کے پیش نظر ہو یا حکومت بنگلا دیش کے خوف سے سعودی عرب چلے گئے، جہاں آپ نے تنظیم کے حق میں بہت ساری خدمات انجام دیں، یوں تو ماسٹر صاحب ایک مخلص آدمی ہیں، لیکن تحریکی میدان میں آپ کسی قدر نامراد بھی ہو جاتے ہیں، جس کی چند وجوہات میں سے میرے ناقص خیال میں بعض یہ ہیں:

(۱) آپ کے مزاج میں بڑی شدت پائی جاتی ہے، ہر کس و ناکس سے بڑے غصیلے انداز میں باتیں کرتے ہیں، آپ کے مزاج میں اتنی شدت پائی جاتی ہے کہ وہ جبھی بات کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ کہیں ہنگامہ برپا ہو گیا ہو۔

(۲) نہ جانے کیوں کہ آپ مذہبی معاملات میں دخل دینے کے لئے اپنے آپ کو ہمیشہ تیار رکھتے ہیں، لگتا ہے کہ اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی آپ کے سامنے آئے تو آپ حضرت امام سے بھی مناظرہ

کرلیں گے، کیوں کہ آپ کی نظر میں حق صرف وہی ہے جو آپ سمجھتے ہیں، حق صرف وہ مسلک ہے جس پر آپ گامزن ہیں، جب کہ آپ کے پاس وہ لیاقت وصلاحیت سرے سے نہیں، جس کی بنیاد پر وہ اپنے خیالات پر اٹل رہ سکتے ہوں۔

(۳) ماسٹر صاحب نے ایک ایسا مسلک اپنالیا کہ جس پر ہمارے علماء اور قوم کے عام انسان نالاں اور برگشتہ ہیں، لیکن آپ نے عدم صلاحیت کے باوجود مسلک احناف کی تقلید سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس مسلک کے ہر کام کو سب وشتم کا نشانہ بھی بنایا تھا، جو ہمارے عوام اور اہل علم ونظر کے لئے دل شکنی کا باعث بن گیا ہے۔

(۴) ماسٹر صاحب نہ جانے کیوں کہ علمی اور مذہبی امور میں دخل انداز ہونے کے بڑے شوقین ہیں، لیکن مذہبی امور کے حوالے سے آپ کے اندر علمی صلاحیت گویا نہ ہونے کی برابر، مگر آپ اتنے خوش فہم ہیں کہ چھوٹے چھوٹے دینی رسائل جو آپ پڑھتے ہیں وہی آپ کے نزدیک معرکہ کی بحث ونظر کے لئے کافی ہیں، پھر اس پر غرور اور ضد مستزاد، پندار کا یہ عالم ہے کہ آپ کی نظر میں ارکان کے عام تو عام علمائے کرام بھی جہل مرکب کے شکار ہیں۔

(۵) ان چیزوں پر مستزاد یہ ہے کہ تنظیم کے بعض امور میں آپ سعودی عرب کے اراکین تنظیم جو مخلصین میں شمار ہیں، ان سے بھی الجھ گئے تھے، حتی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ خود تنظیم کے مخلص اراکین نے مجبور ہوکر مرکزی صدر تنظیم سے درخواست کی کہ آپ کو سعودی یونٹ سے ہٹا دیا جائے، یوں بعد میں ہوا بھی وہی جو سعودی یونٹ کے ارکین تنظیم نے چاہا تھا۔

تیسرا باب

ولادت باسعادت:

محترم ڈاکٹر محمد یونس بن ماسٹر علی احمد بن واعظ الدین بن سرفراز الدین بن زین العابدین بن محمد الیاس بن محمد کلی یاس بن کالا حاجی صاحب کی ولادت ۱۹۴۵ء میں جنوبی منگڈو کی مردم خیز بستی باغکونہ میں ہوئی، آپ کا خاندان ایک علمی اور فکری خاندان تھا اور اب بھی ہے، اس خاندان کے بعض افراد کے حالات اور خدمات کے حوالے سے اگرچہ مختصر طور پر کیوں نہ ہو اس کاوش میں بیان کیا گیا ہے، اس امید پر کہ ان بیانات سے ناظرین کرام کا کچھ فائدہ ہوگا۔

تعلیم اور فراغت تعلیم:

ڈاکٹر صاحب ابھی عمر کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہوئے تو مکتب نشینی کرائی گئی، گاؤں کے عام بچوں کی طرح گاؤں ہی کے مکتب میں آپ کو بھرتی کردیا گیا، جہاں آپ نے قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ کچھ ابتدائی دینیات کی تعلیم پائی، یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارے ملک میں جتنے بھی ابتدائی دینی مدارس ہیں، جنہیں مکتب کہا جاتا ہے، ان میں اسماعیل میرٹھی کی اردو ریڈرز پڑھائی جاتی ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ارکان کے مسلمان اردو اور اردو والوں سے بڑی محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں، اگرچہ ہم نسلی اعتبار سے بنگالی اور ملکی وعلاقائی اعتبار سے روہنگیا مسلمان ہیں، مگر ہم نے بنگلہ زبان وادب سے زیادہ اردو سے پیار کیا اور خاص طور پر دینی تعلیم کے اعتبار سے اردو زبان کو اپنا بنا رکھا ہے، ویسے ڈاکٹر صاحب بھی تو ہم میں سے ایک ہیں، چنانچہ آپ نے بھی عام مسلم بچوں

کی طرح مکتب میں اردو زبان وادب کی چند ریڈرز پڑھیں، ویسے اردو زبان کی کتابوں سے استفادہ کرنے کا کچھ سلیقہ پیدا ہوگیا، بعد میں یہ پڑھائی آپ کے لئے بڑی کام آئی، جس کا تذکرہ انشاء اللہ موقع ومحل پر آئے گا، اسی طرح اردو زبان میں لکھی گئی ابتدائی دینیات کی کتاب ''تعلیم الا سلام'' کے چند حصص (غالباً ان کے مولف حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ہیں) مکتب میں پڑھے، یاد رہے کہ ہمارے ارکان کے مکتبوں میں یہ جو دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، دینی اور دین کی معلومات کے حوالے سے بڑی مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہیں، یوں ڈاکٹر صاحب کے دینی معلومات کی ابتداء یہاں سے شروع ہوئی تھی، جو آگے چل کر علمی اور فکری اعتبار سے بڑی کارآمد ثابت ہوئی ہے۔

ارکان کے مسلمانوں کی ایک عام روایت یہ بھی ہے کہ گاؤں کے مکتب میں پڑھنے والے بعض بچوں کو مکتب کے ساتھ ساتھ سرکاری پرائمری اسکول میں بھی بھرتی کرایا جاتا ہے، یہ بچے مکتب سے دین کی تعلیم حاصل کرتے اور سرکاری اسکولوں سے عصری علوم، یوں ڈاکٹر صاحب کو بھی ایسا کرایا گیا تھا، ایک طرف صبح سویرے مکتب میں جایا کرتے اور دن چڑھے اسکول جاتے تھے، یوں دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں آپ نے پرائمری کا امتحان پاس کرلیا، پھر ابتدائی مرحلہ سے فراغت کے بعد آپ کو منگڈوٹاؤن شب ہائی اسکول میں داخلہ کرایا گیا، جہاں سے آپ نے ۱۹۶۱ء میں امتیازی شان کے ساتھ مٹرک کا امتحان پاس کرلیا، اس کے بعد آپ نے اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، رنگون پہنچتے ہی آپ نے رنگون یونیورسیٹی میں انسٹی ٹیوٹ آف میڈیسن کے شعبہ میں داخلہ لیا، ظاہر ہے کہ آپ بڑے ذہین وفطین طالب علم تھے اور پڑھائی بھی بڑی تندہی سے کرتے تھے، یوں اللہ تعالی نے آپ کو پڑھائی یعنی تعلیم کے حوالے سے بڑا کامیاب بنایا اور ۱۹۶۹ء میں آپ نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کرکے ڈاکٹری یعنی طبابت کی ڈگری حاصل کرلی تھی۔

قومی سیاست سے وابستگی:

منگڈوٹاؤن شب ہائی اسکول میں پڑھائی کے دوران اگرچہ آپ کی باقاعدہ کسی سیاسی حلقوں سے وابستگی کا ثبوت سردست نہیں ملا، مگر اتنا ثبوت ضرور ملا ہے کہ علاقے میں پائے جانے والے روہنگیا مسلمانوں کے بعض ان دانشوران جن کا تعلق ہمارے اس وقت کی بعض علانیہ اور زیرزمین کام کرنے والے اداروں اور منظمات سے تھا سے آپ نے اپنا رشتہ وناطہ استوار کرلیا تھا، زمانہ برما کے خطرناک ڈکٹیٹر نیون کا تھا، کیمونزم اور سوشلزم کا دور دورہ اور بول بالا تھا، برما کے دیگر علاقوں میں عموما اور سرزمین ارکان میں خصوصا کس کی مجال تھی کہ ظلم کے خلاف اف بھی کرتے، ڈاکٹر صاحب کو ابھی سیاست کی کچھ شد بد ہوئی، مگر ایک طرف پڑھائی کی چھاپ جب کہ دوسری طرف حالات کا تقاضا کہ آپ نے مناسب سمجھا کہ پہلے پڑھائی مکمل کرلیا جائے، اور پڑھائی کی تکمیل کئے بغیر کچھ بڑا کام کرنا چاہیں بھی تو نہ کر پائیں گے، یوں آپ نے اپنی قوم پر بیتنے والے حالات کے نتیجے میں پائے جانے والے مظالم واستبداد کے تیر سہتے ہوئے رنگون کی راہ لی اور وہاں جاکر پڑھائی کو آگے بڑھایا تھا۔

ابھی آپ نے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا ہی تھا کہ وہاں ایک ایسی طلبہ تنظیم سامنے آئی جو مسلم طلباء کی کامیابی اور کامرانی کے لئے کام کرتی تھی، جس کا نام رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشین (RAMSA) تھا، اس طلبہ تنظیم کے حوالے سے اتنی سی جانکاری ملی ہے کہ اگر یہ بظاہر ایک طلبہ تنظیم تھی مگر ملک کی مسلم سیاست سے وابستگی رکھتی تھی، ساتھ ہی ساتھ رنگون یونیورسیٹی کے علاوہ بھی ملک کے دیگر کالجوں اور یونیورسیٹیوں میں زیر تعلیم مسلم طلباء کو اسکالرشپ وغیرہ کا بندوبست کرتی تھی، اس حیثیت سے یہ ایک ضروری تنظیم تھی، جس نے وقت پر بہت اچھا اور کامیاب کام کیا تھا، اب ڈاکٹر صاحب بھی اس تنظیم میں شامل ہوگئے، اس تنظیم میں آپ کی شمولیت ماشاء اللہ بڑی بارآور نکلی، جہاں ایک طرف آپ کی کچھ قومی سیاست پر تربیت ہوئی تو دوسری طرف آپ کی شمولیت سے اس طلبہ تنظیم میں ایک قسم کی جان بھی آگئی تھی، آپ نے اس میں شامل ہوکر مسلم طلباء کی وہ خدمات انجام دیں جن کی توقع ایک طالب علم سے کی جاسکتی ہے، ڈاکٹر صاحب اس مسلم طلبہ

تنظیم کے بڑے فعال رکن اور کارکن تھے، آپ نے مسلم طلباء کی خدمات میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی (RIF) سے وابستگی:

۱۹٦٦ء کے دوران روہنگیا انڈ یپنڈنٹ فورسس (RIF) کے کارکن ملک کے چپے چپے میں پھیل چکے تھے، قوم کے علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد اس تنظیم میں شامل ہوگئی تھی، چنانچہ رنگون یونیورسیٹی میں جب اس تنظیم کی دعوت پہنچی تو جناب محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب بھی اس میں شامل ہو گئے، اس تنظیم میں شمولیت کے بعد آپ پر اگر چہ ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں مگر تربیتی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس تنظیم نے آپ کے اندر ایک قسم کی حقیقی احساس اور معنی خیز بیداری بھر دی تھی، جو آگے چل کر زیر زمین چلے جانے اور اپنے ملک وملت اور مصیبت زدہ قوم کی بہبودی کی راہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے راہ ہموار کر دی تھی۔

روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس (RIF) کی تاریخی پس منظر:

روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس کی سرگرمیاں اور کردار کو ہماری تاریخ تحریک آزدی میں سنہرے الفاظ میں لکھا گیا اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی لکھا جائے گا، اگر چہ اس دور میں ہمارے ممدوح جناب محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب زیر تعلیم تھے، لیکن تنظیم کے بڑے بڑوں کی رہنماءئی میں آپ نے اس زمانے میں بھی قومی خدمات کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، چنانچہ آپ کی سرگرمی اور کردار سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ مستقبل میں قوم کی قیادت اور رہنمائی کریں گے، بعد میں اس کا تحقق بھی ہوا، جس کی قدرے تفصیلات سامنے آئیں گی۔

۱۹٦۴ء کا سال تھا، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی یا نیون کی استبدادی حکومت اپنے ناپاک عزائم کی طرف قدم بڑھا رہی تھی، ہر طرف لوگ محو حیرت، سراسیما اور ششدر رتھے، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی، عام لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ پروگرام

آگے چل کر ملک میں کیسی تباہی اور بربادی مچانے والا ہے، ٹھیک اس وقت ارکان کے چند دانشوران اپنی ملت وقوم کے مسائل کے حل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، جنھوں نے اپنے دل ہی دل میں عزم کر لیا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں ملت وقوم کو بچانے کے لئے ہر ممکن جد وجہد ناگزیر ہے، یہ منگڈ و اور بوسیدنگ کے چند دانشوران تھے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئما لوی۔

(۲) محمد جعفر حبیب صاحب کجا فوی علی چنگی۔

(۳) محمد اکرام اللہ صاحب، صاحب بازاری۔

۱۹٦۵ء کا دن تھا کہ مذکورہ ان تینوں شخصیات نے ایک رسالہ لکھ کر ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی کو بلا وا بھیجا، جس میں آپ کو سردست بوسیدنگ پہنچنے کے لئے کہا گیا، ابھی شونا علی صاحب بوسیدنگ پہنچے تو بلانے والے تینوں افراد کو بوسیدنگ کے ریلوے اسٹیشن میں ماسٹر حبیب اللہ کے گھر میں تشریف فرما پائے، ابھی تینوں سے ملاقات ہوئی تو محمد جعفر حبیب نے کہا کہ علی چنگ کو بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کرنے چلیں!! چلتے چلتے راستے پر باتیں شروع ہوگئیں تو محمد جعفر حبیب نے جنرل نیون کی سرکردگی میں ملک بھر میں تباہی مچانے والی سوشلسٹ حکومت کے ممکنہ خطرات پر روشنی ڈالی اور آئے دن قوم وملت کے سر پر منڈلانے والی بھیانک مشکلات ومصائب سے ملک وقوم کو بچانے کی راہ ڈھونڈنے کی اپیل کی، آگے چل کر انہوں نے قوم وملت کے سر پر بجلی بن کر آنے والے حالات کا حل صرف موثر تنظیم کے روپ میں دیکھا اور پیش کیا، اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم اور ملک کے مسلم دانشوران ایک ہی جماعت یا ایک ہی تنظیم کے پرچم تلے جمع ہو کر کام کریں تو انشاء اللہ مثبت کام ہوگا، یہ سن کر جناب شونا علی صاحب نے منہ کھولا اور محمد جعفر حبیب سے اتفاق کیا، تو علی چنگ سے واپسی پر محمد جعفر حبیب نے کہا کہ ہم ابھی چاروں منگڈ و کو چلیں۔

ابھی تینوں شقد ارفارہ منگڈ و پہنچے اور ماسٹر سلطان کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب ابھی گھر میں نہیں ہیں، مگر آپ کا چھوٹا بھائی (بہادر میاں جو اس وقت پولیس میں کام کرتے تھے) نے بتایا کہ بھائی صاحب ابھی آئیں گے، آپ حضرات گھر بیٹھ سکتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر بعد جناب

ماسٹر سلطان احمد صاحب چند افراد کی معیت میں گھر آ پہنچے، ابھی دو چار کلمات ختم ہوئے تو ماسٹر صاحب نے بتایا کہ بیٹھنے کی جگہ تنگ ہے، میدان کو چلئے، یہ کہہ کر ما یونگ خالی منگڈو کے پل کے اس پار گئے اور میدان میں ایک آم کے درخت کے جھنڈ میں یہ سارے لوگ بیٹھ گئے تھے۔

اس تاریخی اجلاس میں دس حضرات نے شرکت کی، جسے ہم قوم کے سرکردہ لوگ کہہ سکتے ہیں، آج بھی قوم کے دانشور طبقہ ان لوگوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیوں کہ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اس پر پیچ اور پریشان کن حالات میں قوم وملت کا نام لیا تھا، جب کہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں انسان اپنا نام بھی بھول جاتا رہا تھا، تو ایسی مصیبت کے حالات میں اجتماعی فکر وعمل کے لئے نکلنا درحقیقت کوئی چھوٹا کام نہ تھا، ان لوگوں نے کم سے کم ذہنی طور پر اس قوم کو تباہی اور بربادی کے دھارے بہہ جانے سے بچا لیا، کیوں کہ قومیں دنیا میں اتفاقی حادثات سے تباہ نہیں ہوتیں، یہ اس وقت ہلاک ہوجاتی ہیں جب اس کے اندر سے اجتماعی احساسات کا خاتمہ ہوجائے، آج بھی اس قوم کے دانشوران اور علمائے کرام جو قومی مسائل کے حوالے سے فکر کر رہے ہیں، درحقیقت یہ ان لوگوں کے سلسلۂ فکر کی ایک روشن کڑی ہے، جنہوں نے ایسی مصیبت کے حالات میں اپنی قوم وملت کو نہیں بھولا، تو لیجئے ہم ان کے نام یہاں درج کر دیتے ہیں:

(۱) ماسٹر سلطان احمد صاحب شقدار فاروی منگڈوی۔

(۲) ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی، بوسیدنگی۔

(۳) محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگی۔

(۴) ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئمالوی بوسیدنگی۔

(۵) ماسٹر اکرام اللہ صاحب، صاحب بازاری۔

(۶) محمد خان بی ایس سی خایونگ خالوی۔

(۷) ماسٹر ابوالفیض جیلانی صاحب بن ابوالخیر منگڈوی۔

(۸) ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب، نوراللہ فاروی، منگڈوی۔

(۹) بیلومیاں صاحب خائندہ فاروی، منگڈوی۔

(۱۰) ماسٹر محمد امین بن ماسٹر محمد ہاشم صاحب شقدار فاروی، منگڈوی۔

اس اجلاس میں شریک ہونے والے تمام شرکاء نے جن دس دفعات پر اتفاق رائے کیا وہ یہ ہیں:

(۱) ہم کسی بھی حالت میں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی تعلیمات کو نہ بھولیں گے۔

(۲) ہم اللہ کی زمین میں اللہ کی حکومت کے قیام کے لئے جان، مال، زندگی قربان کریں گے۔

(۳) سرزمین ارکان میں ایک مقدس اسلامی تنظیم کا قیام ناگزیر ہے اسے ہم بنائیں گے۔

(۴) ملت وقوم کی خاطر ارباب بست وکشاد کا متحدہ پلٹ فارم ناگزیر ہے یہ ہم تیار کریں گے۔

(۵) کمیونزم اسلام کا حقیقی دشمن ہے ہم اسے ملک سے ختم کرنے کے لئے ہر امکانی جدوجہد کریں گے۔

(۶) ہم درپردہ اتحاد واتفاق کی تحریک چلائیں گے اور وقت آتے ہی زیرزمین چلے جائیں گے۔

(۷) ملت وقوم پر مر مٹنے والا کوئی بھی آدمی ہمارا دوست ہے ہم اس کا ہاتھ ضرور بٹائیں گے۔

(۸) رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے خفیہ سریقے سے دعوتی فکر وعمل کو جاری کرکے سیاسی کام کو فروغ دیں گے۔

(۹) ہم تنظیم کے صدر (GR) جناب سلطان احمد کو بناتے ہیں اور تحریک کو منزل کی طرف لے جانے کے لئے ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

(۱۰) ہم میں سے اگر ایک بھی باقی رہے گا تو وہ اس کام کو اپنی موت تک کرتا رہے گا اس بات پر ہم عہد وپیمان کرتے ہیں۔

پہلے والے اجلاس میں یہ بات طے پائی تھی کہ ایک سال کے اندر (RIF) میں ممبران بڑھائے نہ جائیں گے، ایک سال کے بعد ڈاکٹر نور احمد صاحب رنگون گئے تو وہاں محمد جعفر حبیب وغیرہ نے تجویز پیش کی کہ ریف میں وسیع پیمانے پر ممبران بڑھائے جائیں، (یاد رہے کہ اس وقت محمد جعفر حبیب رنگون میں زیر تعلیم تھے) اس تجویز کے مطابق اس سال دس سے بڑھا کر اکتیس ممبران بنائے گئے، لیکن ۱۹۶۷ء میں ملک بھر سے چھ ہزار ممبران چنے گئے، جن میں دانشوروں کے علاوہ خاصی تعداد میں علمائے کرام بھی تھے، جن کے مابین اتحاد واتفاق کا دھوم چلا، اور ہر کسی نے قومی وملی خدمات کے لئے اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں جناب محمد جعفر حبیب مرحوم کو پاکستان بھیجا گیا، انہوں نے دولھا زارا میں جناب فضل الکریم چوہدری سے ملاقات کی جو صدر محمد ایوب خان کے دوست تھے، چونکہ مولانا محمد سعید تو مبرووی سے جناب فضل الکریم صاحب کی بہت قریبی دوستی تھی، چنانچہ محمد جعفر حبیب نے مولانا کے واسطہ سے ان سے ملاقات کی، جناب فضل الکریم صاحب نے جناب محمد جعفر حبیب کو پاکستانی صدر ایوب خان سے ملاقات کرانے کی امید دلائی، اور کام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کی۔

اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں جناب حسین قاسم نور اللہ فاروی اور جناب ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر بھی پاکستان بھیجے گئے، تاکہ محمد جعفر حبیب کا تعاون کر سکیں، چونکہ اس سے پہلے بھی جناب سرفراز بن ماسٹر ولی احمد شجاع فاروی صاحب یہاں رہا کرتے تھے، چنانچہ ان چاروں نے مل کر یہاں قوم وملت کی بہت ساری خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۶ء میں محمد جعفر ثانی جنوبی منگڈو سے اور جناب عبدالجلیل صاحب کولونگی شمالی منگڈو سے مسلح شکل میں ظاہر ہوئے، چونکہ جناب مستفیض الرحمن صاحب (قاسمی پارٹی کے ایک سرکردہ لیڈر) بھی جعفر ثانی کے ساتھ تھے، آگے چل کر دونوں حکومت مخالف تنظیمیں طوفان بن کر اٹھیں، اب ریف اور جعفر ثانی کے درمیان رابطے ہونے لگے، آگے چل کر جعفر ثانی مرحوم نے ریف سے دو تین دانشور منگوائے تاکہ ان کی پارٹی میں بڑے بڑے عہدے سنبھال سکیں، چنانچہ ریف نے مسٹر شونا علی شہید (جسے نائن چنگ میں شہید کر دیا گیا) اور بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (ریف کے ممبر) کا بھتیجہ جناب یعقوب بن نور احمد (جو ابھی کنڈا میں مقیم ہیں) اور جناب محمد الیاس (BSC) خایونگ خالوی کو بھیج دیا، چنانچہ ان تینوں میں سے جعفر ثانی نے جناب شونا علی شہید کو نائب صدر اور محمد الیاس کو سکریٹری جنرل منتخب کیا، اور یاد رہے کہ جس وقت مسٹر شونا علی صاحب کو وہاں بھیجا جا رہا تھا اس وقت وہ ریف کے جدید ممبران میں سے تھے، جنہوں نے جعفر ثانی کی پارٹی میں بڑی بڑی خدمات انجام دیں، جس کی داستاں بڑی طولانی ہے، لیکن دشمن نے بالآخر آپ کو جام شہادت پلا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان تینوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ریف کے ممبران وہاں بھیجے گئے تھے، جن میں قابل ذکر

لوگ یہ ہیں:

(۱) جناب ابوطالب منار فاروی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب عبدالرحیم فوئمالوی، بوسیدنگی۔

(۳) جناب مصطفے نائن چنگی، منگڈوی۔

(۴) محمد اقبال باغگونوی، منگڈوی۔

پھر ۱۹۶۸ء میں جناب شبیر حسین صاحب (BA) جو رنگون میں رہا کرتے تھے بھی ارکان آئے ہوئے تھے، تو حالات کی نزاکت کو سمجھ کر وہ بھی جعفر ثانی کی پارٹی میں شامل ہو گئے، تاہم وہاں وہ بہت دیر نہ رہ سکے تھے، ۱۹۶۸ء میں ریف کے سرکردہ لیڈروں کو ملک چھوڑنا پڑا، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئمالوی۔

(۲) جناب اظہار میاں (ایم پی) تنگ بازاری۔

(۳) جناب عبداللطیف صاحب فوئمالوی۔

(۴) جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی، بوسیدنگی۔

(۵) جناب احمد حسین صاحب (BA) یونگ چنگی۔

(۶) جناب محمد سلطان صاحب (BED) فوئمالوی۔

(۷) جناب ڈاکٹر حافظ احمد صاحب، بوسیدنگی۔

بعد ازاں اوچوکھیا میں ریف کا ایک معسکر قائم گیا، جس میں ڈاکٹر نور احمد اور محمد جعفر حبیب بھی رہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب بنگلا دیش پاکستان سے علیحدہ ہوا تو بنگالی مکتی بھانی نے ان مجاہدین ارکان پر الزام لگایا کہ وہ پاکستانیوں کے ساتھ ساز باز کرتے تھے، تو ۱۹۷۲ء میں مکتی بھانی کے خوف سے ریف کے تمام لوگ پھر سے جعفر ثانی کی پارٹی میں چلے گئے، جن میں محمد جعفر حبیب مرحوم، جناب شبیر حسین بی اے، ماسٹر دلیل احمد، ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر، بی اے احمد حسین صاحب اور بی اے محمد شفیع صاحب قابل ذکر ہیں، ان لوگوں نے بوگری چنگ بوسیدنگ میں جناب جعفر ثانی سے ملاقات کی اور بنگلا دیش میں عام معافی تک وہاں رہے، بعد ازاں ۱۹۷۳ء میں

جعفر ثانی کو حکومت بنگلا دیش کی طرف سے دعوت ملی، جس میں ایک وفد کی شکل میں درج ذیل تین حضرات شامل تھے:

(۱) جناب جعفر ثانی صاحب راجار بیلی، راسیڈنگ۔

(۲) جناب شبیر حسین صاحب پوئما لوی، بوسیڈنگ۔

(۳) جناب رشید احمد صاحب شیل گھاٹوی، بوسیڈنی۔

لیکن راہ میں جعفر ثانی کی کارکردگی سے بنگلا دیشی حکام بدظن ہوگئے تو حکومت کے ایک اعلی عہدے دار نے شبیر حسین سے کچھ غیر ضروری باتیں کرتے ہوئے وفد کو مایوس واپس کر دیا، یاد رہے کہ اس درمیان میں ریف والوں نے او چوکھا یا میں روہنگیا انڈیپنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک مسلح پارٹی کا معسکر قائم کیا، جس میں محمد جعفر حبیب، ڈاکٹر نور احمد اور شبیر حسین رہا کرتے تھے، اس پارٹی کی قدرے شہرت بھی ہوئی تھی، لیکن اس تنظیم نے ۱۹۷۳ء میں (RPF) کا روپ دھارا جس کی تفصیلات بہت لمبی ہیں، بہر حال بنگلا دیشی حکومت کی اس دعوت کے بعد سے ریف کے اراکین جعفر ثانی کی جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

سرکاری ملازمت:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے ۱۹۶۹ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی، ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک برمی وزارت برائے امور صحت کے تحت برما اور ارکان کے مختلف مقامات میں ملازمت کی، جن کا اجمال یہ ہے:

(۱) تھا یک ین (برما) بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔

(۲) ڈویژن ہسپتال آف ارکان: بحیثیت اسسٹنٹ سول سرجن۔

(۳) کیوکتو (ارکان) بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔

ڈاکٹر صاحب کے قریبی دوستوں اور ہم جھولیوں کے بیان کے مطابق آپ نے بحیثیت ایک ڈاکٹر جہاں بھی کام کیا عام لوگوں اور مریضوں کے مطمح نظر بنے رہے تھے، اللہ تعالی نے جسمانی اعتبار سے آپ کو بڑی خوب صورت بنایا ہے، بڑی جاذب نظر شخصیت کے مالک ہیں، زبان میں شیرینی

بھری پڑی ہے، مریض آپ کو پاتے ہی اپنے اندر ایک سکون سا محسوس کرتا تھا، طبابت کے حوالے سے دوستوں اور جاننے والوں کے مطابق آپ ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے بڑی شہرت کے مالک بنے ہوئے تھے، نہ صرف روہنگیا مسلمان بلکہ وطن عزیز میں پائی جانے والی دیگر اقوام بھی آپ کو ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، ہر کجا عزت واحترام کا سماں چھایا ہوا تھا، آپ شہرت کی بلندی پر پہنچے ہوئے تھے، آپ سرزمین ارکان میں ایک نیر تاباں بن کر نہ صرف فضائے ارکان پر چمک رہے تھے بلکہ لوگوں کے دلوں میں آپ نے ایسی جگہ بنائی تھی جس میں اور ڈاکٹروں کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی، لوگ آپ پر مطمئن تھے، مگر آپ کے دل سکون وطمانیت سے خالی تھا، آپ لوگوں کے لئے ایک نقطۂ قرار تھے، مگر آپ کے دل ودماغ میں بے قراری کا طوفان بپا تھا کہ آہ! سرزمین ارکان کے مسلمان ظلم واستبداد کے بھنور میں پھنسے کیوں ہیں؟ آہ! ان کو مصیبت سے کون بچانے والا ہے؟ ایسے حالات میں ڈاکٹر صاحب ایک طرح کی ذہنی الجھن کے شکار تھے، اب کچھ کرنا ہے تو کس طرح اور کیسے کریں، مگر آپ بڑے پرامید تھے، اپنے وطن اور اپنی قوم وملت کے لئے ایسے حالات میں کچھ کرنا ضرور ہے، آپ نے اپنے بعض دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ کہتے ہیں ان دوستوں میں جناب پروفیسر محمد زکریا بن مولانا تراب الدین صاحب جو ایک روایت کے مطابق اس زمانے یعنی ۱۹۷۵ء کے اوائل میں ارکان کے دار الحکومت اکیاب میں تھے سرفہرست ہیں، چونکہ پروفیسر صاحب بھی روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس کے ممبر تھے، ان کا قیام منڈلے میں ہو یا رنگون، بوسیڈنگ میں ہو یا اکیاب وہ خفیہ طور پر قوم کے لئے کام کرنے والوں میں شامل تھے، اب ڈاکٹر صاحب کے لئے ان جیسی ہستی سے اپنے من کی باتیں چھپانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، یہ تھا واقعات کا ایک گوشہ، ادھر دوسری طرف روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس کے بعض اعلی لیڈروں نے ۱۹۷۲ء کے اواخر میں فیصلہ کیا کہ ریف کو اب زیر زمین جا کر مسلح جدوجہد کرنا ہے، تو انہوں نے ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل دیتے ہوئے ارکان بنگلا دیش کے سرحدی علاقے میں حضرت محمد جعفر حبیب کی قیادت میں مستقل مسلح تنظیم کا اعلان کر دیا تھا، جس کی تفصیلات راقم السطور کی تصنیف ''سرزمین

ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' دیکھی جا سکتی ہیں، البتہ اس کی کچھ جھلکیاں اس کاوش میں بھی نظر آئیں گی، چنانچہ فدائین محاذ کے قیام کے بعد اس میں شامل لیڈروں نے یہ کوشش کی کہ اس جماعت میں قوم کے اعلی دانشوران اور علماء کو شامل کر لیا جائے، کہتے ہیں کہ محاذ کی یہ دعوت ۱۹۷۴ء کے دوران ہمارے محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان جیسوں کے یہاں بھی پہنچی ہوئی تھی، تو آپ نے بڑی سوچ بچار اور اپنوں سے مشورہ کر کے فیصلہ کر لیا کہ وزارت صحت کی یہ با عزت ملازمت، عیش و آرام کی زندگی کو صرف اور صرف اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لئے چھوڑ دینا چاہئے، یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کے دلوں کی حقیقت صرف اور صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے، کس کے دل میں کتنے اخلاص اور کتنی للّٰہیت ہے وہ عالم السرائر کے علاوہ اور کون جانے، لیکن انسان کے ظاہری حالات و معاملات اور علانیہ کردار و عمل سے دیکھنے والا یہ ضرور اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ آدمی اللہ تعالی کے لئے جس قسم کی قربانیاں دے رہا ہے اور جتنی جانفشانیاں کر رہا ہے ان کا کتنا وزن ہے، ڈاکٹر صاحب اور آپ جیسی ہستیوں کے حوالے سے بعض ناسمت شناس اور موٹی عقل والے لوگ کہہ دوڑتے ہیں کہ ان میں اخلاص و للّٰہیت کی کمی ہے، ممکن ہے کہ ان میں بعض افراد برمی حکومت کے گماشتے بھی ہوں، یوں بھی ہماری قوم میں ہر زمانے میں ہر کجا ایسے گماشتوں کی کمی نہیں ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب جیسے انسانوں کے اخلاص و للّٰہیت میں شک کریں بھی تو کیسے کریں، جو انسان اپنی عیش و آرام اور عزت و سرفرازی کی زندگی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے راہ خدا میں نکل پڑا، زندگی کو داؤ پر لگایا، بدنامی اور دشنام طرازی کے تیر سہے، قربانیوں پر قربانیاں دے کر در در کی ٹھوکریں کھائیں، آج ہم اپنے ان محسن کے خلاف میدان میں اترتے نہیں تھکتے، جس نے بڑی بڑی قربانیاں دیں، ہم اس پر لعنت و ملامت کی آگ برسا رہے ہیں، اگر مستقل میں بھی ہماری حالت ایسی رہی تو اللہ کے کوئی مخلص بندہ آئندہ میدان عمل و کردار میں اترتے وقت ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مرتبہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا، بعض لوگوں کے جو حالات ہمارے سامنے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لئے آسمان سے فرشتے بھی اتر آئیں گے تو وہ ان کو بھی نہیں چھوڑیں گے، تو ان حالات میں ہماری قیادت کے لئے قائد لائیں تو کہاں سے لائیں، الامان والحفیظ۔

شادی و خانہ آبادی:

محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے دو شادیاں کیں، آپ کی پہلی اہلیہ لطیفہ بنت جناب عبد الجبار چوہدری نور اللہ فاروی تھی، جناب چوہدری صاحب مرحوم عبد الغفور چوہدری کے چھوٹا بھائی تھے، بڑے سخی اور علماء دوست انسان تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں بہتوں علماء اور طالبان علوم نبوت کی خدمات کیں، چونکہ زمیندار تھے اور سخاوت پسند بھی، چنانچہ مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ میں زیر تعلیم چند طالبان علوم نبوت ان کے گھر میں دو وقت کے کھانا کھاتے تھے، علاوہ ازیں وہ ان کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے، چوہدری صاحب مدرسۂ مذکورہ کے بڑے خادم تھے، ہر وقت علمائے اسلام کی صحبت میں رہا کرتے تھے، ان کی عالی ظرفی، سخاوت اور علماء دوستی کے حوالے سے میرے قابل قدر سینئر دوست مولانا مفیض الرحمن بن مولانا عبد الخالق صاحب نلبنوی کا بیان ہے کہ:

> ''جناب عبد الجبار چوہدری صاحب مرحوم عبد الغفور چوہدری نور اللہ فاروی کے چھوٹا بھائی تھے، آپ ہمارے علاقے میں سب سے بڑے زمیندار آدمی تھے، ہمارے زمانے میں منگڈو شہر کے جنوب و شمال میں دو زمیندار خاندان تھے، ایک کا تعلق نور اللہ فارہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق خایونگ خالی (شمالی منگڈو) سے ہے، جنوبی منگڈو والے زمیندار خاندان نور اللہ فارہ سے متعلق ہے، جس کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے، جب کہ خایونگ خالوی زمیندار گھرانہ بھی ہمارے علاقہ میں بڑے مشہور ہے، ہمارے زمانے میں اس خاندان کے تین بھائی بڑے مشہور ہیں، شمس العالم چوہدری، عبد السلام چوہدری اور زہیر میاں چوہدری، یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ ان دونوں زمیندار گھرانوں سے جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی نسبت ہو گئی تھی، کیوں کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی پہلی اہلیہ لطیفہ عبد الجبار چوہدری نور اللہ فاروی کی صاحب زادی جبکہ ان کی دوسری اہلیہ محسنہ بنت جناب زہیر میاں چوہدری خایونگ خالوی ہیں، جناب عبد الجبار چوہدری صاحب مرحوم بڑے سخی، عالی ظرف، علماء دوست اور طالبان علی نبوت

کے خیر خواہ انسان تھے، ان کے گھر میں چند طلباء دو وقت کے کھانا کھاتے کے مدرسہ اشرف العلوم میں پڑھا کرتے تھے، موصوف ان کی مالی امداد میں کرتے تھے، نادار طلباء کے مالی تعاون میں بڑی فراخدلی سے کام لیتے تھے، مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ کے بڑے خداموں میں آپ شمار تھے، بڑے علماء دوست انسان تھے، حضرت مولانا مستفیض الرحمن صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے، آپ ان کا پاس لحاظ رکھتے تھے، ان کی کسی بات کو ٹالتے نہیں تھے، علاوہ ازیں علمائے دین سے بڑے فیاضانہ سلوک کرتے تھے، جہاں تک میں نے سنا کہ چوہدری صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کو دوران تعلیم بڑی مالی مدد کی تھی، آور آخر میں اپنی لاڈلی صاحب زادی لطیفہ کو ان کے نکاح میں دے دیا تھا، اللہ تعالی چوہدری عبد الجبار صاحب کی تمام خطائیں معاف فرمائے اور جنت الخلد میں جگہ عطا کرے، آمین''۔

لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی پہلی شادی ان کے لئے راس نہ آئی، جہاں تک آپ کے خاندان کے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سے لطیفہ کی رفاقت چند سال سے آگے نہ بڑھ سکی، ان دونوں میاں بیوی کے درمیان ان رفاقت کے سالوں میں ہمیشہ چپقلس رہی تھی، جہاں تک اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے فطری اور طبیعی میلان جدا تھے، ہر چند کہ خاندان والوں نے کوشش کی کہ ان دونوں کے درمیان مفاہمت ہو جائے، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والی بات ہوگئی تھی، بالآخر ان دونوں کے درمیان جدائی کا حادثہ پیش آ گیا تھا، اللہ تعالی دونوں کی حیات میں برکت عطا فرمائے۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی دوسری شادی محترمہ محسنہ بنت زہیر میاں چوہدری خایونگ خالوی سے ہوئی، چوہدری صاحب منگڈو کے معروف زمیندار، صاحب ثروت جناب شمس العالم چوہدری اور عبد السلام چوہدری کے چھوٹا بھائی تھے، یوں تو ان چوہدریوں کا وطنی تعلق خایونگ خالی سے

ہے، لیکن ان تینوں بھائیوں کے عالی شان بنگلے منگڈو شہر میں تھے، اور تینوں عملاً شہر میں رہائش پذیر تھے، شمس العالم اور عبد السلام صاحبان اپنے آبائی گاؤں سے اتنا تعلق نہیں رکھتے تھے جتنے ان کے چھوٹا بھائی زہیر میاں چوہدر صاحب رکھتے تھے، یوں تو تینوں بھائیوں کی تجارت اور دکانیں منگڈو شہر میں تھیں، لیکن زہیر میاں چوہدری صاحب گاؤں کی زمینداری کی دیکھ بھال سے بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔

جہاں تک پتہ چلا کہ نور اللہ فارہ والے زمیندار خاندان کی طرح خایونگ خالی والے زمیندار خاندان بھی سخاوت اور فراخدلی کے اعتبار سے علاقہ میں مشہور تھا، البتہ موخر الذکر خاندان اپنی سخاوت اور فراخدلی کا مظاہرہ علانیہ نہیں کرتا تھا، مولانا مفیض الرحمن صاحب نلبنوی کے بیان کے مطابق اس خاندان نے اپنی سخاوت وفیاضی کو چھپے چھپائے کرنے کو پسند کرتا تھا، خاص طور پر ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے سسر جناب زہیر میاں چوہدری صاحب اپنے فیاضانہ کردار کو چھپے چھپائے رکھنا گویا اپنی ذاتی فریضہ سمجھتے تھے۔

بہر حال ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی یہ دوسری شادی ان کی خوشگوار زندگی کے لئے بڑی راس آئی، محسنہ بیگم سے شادی کے بعد آپ کی زندگی کے ڈھنگ ہی بدل گئے، پہلی اہلیہ سے آپ نبھا نہیں سکے تو دوسری والی شادی کے بعد آپ کی زندگی میں باغ و بہاری آ گئی، غرض آپ کی یہ دوسری اہلیہ آج تک کے لئے آخری شادی کے بطور ہر اعتبار سے کامیاب رہی، ان دونوں میاں بیوی کے درمیان ہر ایک اعتبار سے موافقت اور ہم آہنگی پائی گئی ہے، میرے اندازے کے ساتھ آپ کے قریبی لوگوں کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی کامیابیوں کا سہرا ایک گونہ محسنہ بیگم کے تعاون کا سر جا لگتا ہے۔

محترمہ محسنہ بیگم اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے گھرانے کی آپس کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے، عرصۂ دراز تک ان دونوں گھرانوں کے درمیان آنے جانے کا سلسلہ برابر قائم تھا، خدا معلوم آج کل کی کیا حالت ہے، دکھ سکھ اور خوشی وغمی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، چلتے چلتے یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ محترمہ محسنہ بیگم صاحبہ راقم کی اہلیہ اور شریک حیات کوثر جہاں صاحبہ کو اپنی بیٹیوں جیسی محبت کرتی ہیں، اور میرے چھوٹے سے گھرانے کو محبت اور پیار دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی

ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت دے، اور ان دونوں گھرانوں کے درمیان پائے جانے والے تعلقات، لگاوٹ اور چاہت میں مزید برگ وبار آئے۔

محترمہ محسنہ بیگم نے ڈاکٹر صاحب کی اس طول طویل عملی زندگی میں ہر اعتبار سے تعاون کیا، آپ کا ساتھ دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، زمیندار خاندان کی لاڈلی صاحب زادی ہیں، مگر انہوں نے اپنے لائق شوہر کی اس پر کٹھن زندگی اور طویل صبر آزما حیات میں ایک منٹ کے لئے بھی ذہنی، فکری، جسمانی غرض کسی بھی اعتبار سے ساتھ نہیں چھوڑا، زندگی کی کتنی بڑی بڑی مشکلات اور مصائب تھیں، مگر انہوں نے اف تک کبھی نہیں کہا، بلکہ اپنے لائق شوہر کا درد وغم، پریشانی اور مشکلات کے حالات میں سہارا دیا، اس حوالے سے محترمہ کا ایک ٹیلیفونک بیان کا خلاصہ شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ:

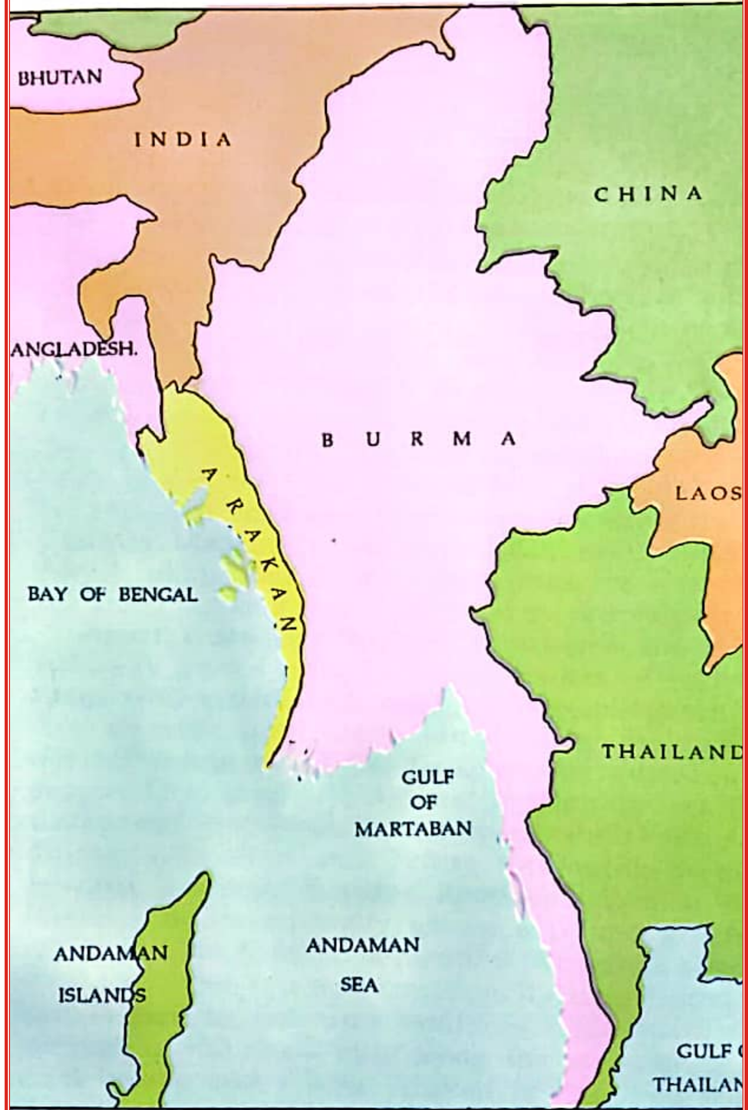
''میرے بھانجہ مولانا طاہر ندوی صاحب (۱) حقیقت یہی ہے کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک عظیم انسان پایا، یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہی ہوں کہ آپ میرے شوہر ہیں، اور روہنگیا مسلمانوں کے جانے مانے اور شہرت یافتہ لیڈر و قائد ہیں، بلکہ یہ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ ان مذکورہ تمام چیزوں کے ساتھ ہی ساتھ آپ ایک سچے مسلمان ہیں، ان کی زندگی سچائی، اخلاص، قربانیوں اور دردمندی سے عبارت ہے، ملک وقوم کے حوالے سے اس طویل جدوجہد، مسلسل اور صبر آزما زندگی میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان ثابت کیا ہے، اس طویل جدوجہد میں کتنی مشکلات آئیں، کتنے طوفان سروں سے گزر گئے، مگر ان کے پائے استقلال میں کبھی اور کسی بھی حالت میں لرزش نہیں آئی،

(۱) محترمہ راقم سطور کو کسی بھی ٹیلیفونک رابطے میں اس طرح سے مخاطب کرتی تھیں، ایسے پیار بھرے انداز میں مخاطب ہوتیں کہ لگتا تھا وہ راقم کی اپنی حقیقی خالہ ہیں، چونکہ راقم کی اہلیہ کو وہ بھانجی کہہ کر پکارتی ہیں، اس نسبت سے گویا راقم کو اپنا حقیقی بھانجہ مانتی تھیں، زیر نظر یہ ٹیلیفونک رابطہ ۹ /۱۱ / ۲۰۱۳ء کا ہے، جس میں خاص طور پر ڈاکٹر صاحب کی تحریکی زندگی اور اس کے بعض پہلو پر خاصی روشنی ڈالی گئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک عظیم انسان پایا، یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہی ہوں کہ آپ میرے شوہر ہیں، اور روہنگیا مسلمانوں کے جانے مانے اور شہرت یافتہ لیڈر و قائد ہیں، بلکہ یہ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ ان مذکورہ تمام چیزوں کے ساتھ ہی ساتھ آپ ایک سچے مسلمان ہیں، ان کی زندگی سچائی، اخلاص، قربانیوں اور دردمندی سے عبارت ہے، ملک وقوم کے حوالے سے اس طویل جدوجہد، مسلسل اور صبر آزما زندگی میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان ثابت کیا ہے، اس طویل جدوجہد میں کتنی مشکلات آئیں، کتنے طوفان سروں سے گزر گئے، مگر ان کے پائے استقلال میں کبھی اور کسی بھی حالت میں لرزش نہیں آئی،
اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں ملت وقوم کی راہوں میں قربانیاں دینے کی توفیق دی ہے، اس راہ میں بہت ساری پریشانیاں اور مصیبتیں آئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر حال اور ہر مواقع میں صبر کرنے کی توفیق بخشی ہے، عزت و آبرو کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس نے بہر حال ہماری عزت بچائی، قربانیاں ہم نے دیں، مگر صبر کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا، لوگ ہمارے خلاف بہت کچھ کہتے پھرتے ہیں، سازش اور پروپیگنڈے کرتے ہیں، مگر ہم ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں، بہت سارے الزامات ہمارے خلاف دیئے گئے، اور ممکن ہے کہ مزید دیئے جائیں گے، لیکن ہم لوگوں کی دشنام طرازی سے نہیں ڈرتے، ہم اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کا سپرد کرتے ہیں، یقیناً ہمیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے، جس سے کوئی مفر نہیں، لوگ جو بھی کہیں مگر اس راہ میں ہزاروں مصائب اور مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں ہی سرخرو فرمایا ہے، انشاء اللہ آخرت میں بھی ہم سرخرو ہوں گے، اس لئے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے کیا ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی جتنی زندگی باقی رہی اس راہ خدا میں ماضی کی طرح قربانیوں پر قربانیاں دیتے رہیں گے، یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی

راہ میں قربانی دینے والوں کو وہ کبھی بھی بے آبرو نہیں کرتا ہے، ہم دنیا میں بھی سرخرو ہیں اور خدا کرے تو آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے‘‘۔

AP NO. 1



Arakan and its Neighbours

چوتھا باب

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شمولیت:

۱۹۷۲ء کے دوران سرزمین ارکان میں ہماری قومی سطح پر دو تنظیمیں تھیں اور وہ دونوں زیر زمین کام کر رہی تھیں، ان میں سے ایک روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) جب کہ دوسری روہنگیا انڈیپینڈنٹ فورسس (RIF)، ان میں سے اول الذکر کی قیادت جناب جعفر ثانی مرحوم کر رہے تھے جب کہ دوسری کی رہنمائی جناب سلطان احمد شقدار فاروی کر رہے تھے، موخر الذکر یہ تنظیم اگرچہ غیر مسلح تھی، مگر اس کے اہم لیڈران اور کارکنان نہ صرف روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی جو مسلح تھی سے تعاون کر رہے تھے بلکہ ریف کے بعض اہم قائدین جن میں جناب محمد جعفر حبیب علی چنگی، شبیر حسین فوئما لوی، جناب ابوالفیاض نافیتا رڈیلی اور ماسٹر شونا علی زادی فرانگی شہید سرفہرست ہیں باضابطہ طور پر روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں شامل ہو کے جہادی پروگرام چلا رہے تھے۔

۱۹۷۳ء کی ابتداء میں برمی فوجی حکومت نے مجاہدین پر سخت سے سخت دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، مجاہدین کے خلاف آپریشن پر آپریشن نے نہ صرف مجاہدین بلکہ ارکان کے نہتے مسلم عوام کی نیند حرام کر دی تھی، ایک طرف روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی برمی فوجی آپریشن کے سخت ترین دباؤ کی شکار تو دوسری طرف اندرونی خلفشاری اور بعض کمانڈروں کی سرکشی جیسی بیماری کی شکار، دشمن کے دباؤ سے زیادہ باہمی رسہ کشی اور خلفشاری نے اسے گھن کی طرح کھا چکا تھا، یہ تنظیم بحیثیت ایک جہادی اور گوریلا تنظیم کے افرادی قوت اور اسلحہ جات سے مالا مال تھی، اگر اس وقت داخلی خلفشاری اور باہمی رقابت و رسہ کشی نہ ہوئی ہوتی تو دشمن کے دباؤ سے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

۱۹۷۲ء میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کا ایک وفد بنگلا دیش کا دورہ کر چکا تھا، جس میں مولانا محمد کبیر، رشید احمد (باموںگ) اور جناب عبدالحق شامل تھے، اس وقت سے بنگلا دیشی فوجی حکام نے کہا کہ بار آور گفتگو کے لئے تنظیم کی اعلی قیادت کی حاضری ضروری ہوگی۔

یہ پیغام پاتے ہی جناب جعفر ثانی ۱۹۷۳ء میں بذات خود ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش پہنچے، جس کی کچھ تفصیلات راقم السطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں بیان کی جا چکی ہیں، سردست اتنی سی بات عرض ہے کہ اس وفد سے کوئی نتیجہ خیز گفتگو نہ ہو سکی، بلکہ بنگلا دیش کے متعلقہ حکام نے قائد وفد جناب جعفر ثانی کی گفتار و کردار پر ناراضگی کے اظہار کرتے ہوئے طرح طرح کا بہانہ تراش لیا، البتہ اس وفد میں شامل جناب شبیر حسین فوئما لوی سے علیحدگی میں کچھ گفتگو کی، جس میں کہا گیا کہ:

''امید ہے کہ تمہاری جماعت میں دانشور لوگ بھی ہوں گے، ارکان میں انقلاب کرنا ہے تو ان جیسے علم ودانش سے پاک صاف قائد سے کچھ بھی نہیں ہوگا، اگر دانشوروں کی ایک جماعت نے ان کی قیادت سے علیحدہ ہو کر ایک تنظیم قائم کی تو حکومت بنگلا دیش اس کی مدد کرے گی، اور ہر ایک میدان میں تعاون کرتی رہے گی''۔

نہ جانے بنگلا دیشی متعلقہ حکام کے مذکورہ وعدہ کس بنیاد پر تھا، اور اس کا مقصد کیا تھا، چنانچہ اس وفد کی واپسی پر جعفر ثانی تو جنگل چلے گئے مگر شبیر حسین نے جنگل جانے سے انکار کر دیا، انہیں یقین تھا کہ بنگلا دیشی حکام کے وعدہ میں جان تھی، انہوں نے محمد جعفر حبیب وغیرہ سے رابطہ کیا، اور انہیں یقین دلایا کہ مذکورہ وعدہ ایک حقیقت پر مبنی وعدہ ہے، اس لئے دانشوروں کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی سے علیحدگی اختیار کر کے اور ایک تنظیم کی بنیاد رکھنی چاہئے، چنانچہ محمد جعفر حبیب وغیرہ نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۷۳ء میں چاک ڈالا کے مقام پر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی بنیاد ڈالی گئی، یاد رہے کہ آر پی ایف دراصل ریف کی بدلی ہوئی شکل تھی، جسے بعد میں باضابطہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ آر پی ایف ریف کی جگہ قائم کی گئی ہے، اور اس تاسیسی دن سے ریف کو کالعدم قرار دیا گیا تھا۔

پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ ۱۹۷۳ء میں آر پی ایف کی بنیاد ڈالی گئی تھی، ۱۲/اکتوبر کا دن تھا کہ ریف کے بعض اعلی لیڈروں نے فیصلہ کر لیا کہ اب سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے بچاؤ کے لئے مسلح پروگرام کی ضرورت ہے، جس میں متعلم افراد کی قیادت اور رہنمائی ہو، نہ کہ ان پڑھ اور گھنواروں کا راج، چنانچہ چاک ڈالا کے مقام پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی، جنہیں اس وقت ممبر تاسیسی اور پھر مجلس عاملہ کے ممبر قرار دیا گیا تھا:

(۱) جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی: صدر۔
(۲) جناب شبیر حسین صاحب فوئما لوی: جنرل سکریٹری۔
(۳) جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی: مشیر اعلی۔
(۴) جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی: مشیر اعلی۔
(۵) جناب ابوالفیاض صاحب (BA) نافیتا رڈیلی: مشیر اعلی۔
(۶) جناب محمد حسین صاحب فیتو رفاروی: مشیر اعلی۔
(۷) جناب مولانا محمد کبیر خواندنگی: مشیر اعلی۔

ان مذکورہ حضرات کے علاوہ مسٹر عبدالغنی، مسٹر عبدالصمد اور مسٹر عبدالرحیم کے نام بھی ملتے ہیں، اگر چہ یہ تینوں حضرات مجلس عاملہ میں شامل نہ تھے، مگر اس مجلس تاسیسی میں ان کی بھی شرکت تھی۔

ادھر آر پی ایف وجود پر آ گئی تو ادھر آر این ایل پی کے اندر سیاسی رسہ کشیاں اور علیحدگی کی بیماریاں حد سے بڑھ گئی تھیں، پارٹی برائے نام تھی، ہر فرد اپنے آپ کو منصب قیادت کی بلند کرسی پر دیکھنا چاہ رہا تھا، ٹھیک ان پر پیچ حالات میں آر این ایل پی کے بعض اعلی کمانڈروں کی طرف سے آر پی ایف کے یہاں دعوت آئی تھی، جس میں کہا گیا کہ کیوں نہ ہم سب مل کر کام کریں، آر پی ایف کے قائدین کو منظور ہے تو ہم سب ایک مقررہ وقت پر کسی اجلاس میں شرکت کر سکتے ہیں۔

دعوت ملی تو آر پی ایف کے چوٹی کے ممبروں میں اختلافات شروع ہو گئے، تقریبا صرف شونا علی صاحب کے علاوہ تمام ممبران اجلاس میں شرکت کرنے کے حق میں تھے، شونا علی صاحب شرکت کرنے کو نہ صرف بے فائدہ سمجھتے بلکہ پارٹی اور جان کے لئے خطرہ بھی سمجھتے تھے، ویسے انہوں نے

یہ کہہ کر شرکت کرنے سے معذرت کی کہ اجلاس میں شرکت کرنا دانستہ طور پر موت کو آواز دینے کا مترادف ہے، لیکن ان کے برعکس محمد جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار کا کہنا تھا کہ اگر موت بھی آجائے تو بھی ہم ضرور اجلاس میں شرکت کریں گے، پھر شونا علی صاحب نے کہا کہ اگر تم اجلاس میں شرکت کروگے تو آج سے مجھے پارٹی سے علیحدہ سمجھو، اب شونا علی صاحب نے دیکھا کہ وہ لوگ اجلاس میں ضرور شرکت کرنے والے ہیں تو انہوں نے پارٹی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اب میں جارہا ہوں، یہ کہہ کر چل پڑے تو کسی نے ان کو نہیں روکا، اس کے بعد شونا علی صاحب نے آر پی ایف سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی۔

بالآخر محمد جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار اجلاس میں شریک ہوئے تو وہاں انہیں بڑے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، درحقیقت آر این ایل پی والوں کے دل صاف نہ تھے، انہوں نے اجلاس میں آر پی ایف والوں کو صرف دھوکہ دہی کے لئے بلایا تھا، اجلاس میں پریشان کن گفتگو سے آر پی ایف والوں نے جلد بھانپ لیا کہ موت کا سایہ ان کے سر پر منڈلا رہا ہے، اور وہ موت کی اندھیری وادی میں داخل ہو چکے ہیں تو انہوں نے بہانے تراشے، اور کہا کہ جلسہ آج ملتوی کیا جائے، کل انشاء اللہ اس جگہ پر پھر جلسہ شروع ہوگا، ویسے آر پی ایف کے لیڈروں نے جان بچائی تھی۔

بعد میں آر این ایل پی چند ٹکروں میں تقسیم ہوگئی، جس کی قدرے تفصیلات پچھلی سطور میں گذر چکی ہیں، لیکن یہاں جو بات آر پی ایف کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ آر این ایل پی کے جتنے اسلحے بنگلا دیشی حکومت کے ہاتھ چلے گئے تھے، اس واقعہ میں بعض آر پی ایف والوں کے ہاتھ ضرور ہیں، دلیل یہ ہے کہ پہلے تو آر این ایل پی کے ساتھ بنگلا دیشی فوجی حکام کا رابطہ آر پی ایف کے ایک مشہور ممبر جناب سجاد حسین رواسوگری کی ثالثی کی وجہ سے ہوا، انہوں نے اس کار خیر کے لئے اپنے کو قربان کر دیا اور وہ کامیاب بھی ہوئے، کیوں کہ میجر عبد الرزاق اور آر این ایل پی والوں کے درمیان ثالثی کا فریضہ جناب رواسوگری صاحب نے انجام دیا تھا، دوسری بات جو مولانا محمد کبیر نے بتائی ہے کہ:

''پہلی دفعہ جمع کرانے والوں کی بات چھوڑو میرے پاس آر این ایل پی کے جتنے اسلحے تھے وہ صرف اور صرف آر پی ایف کے چوٹی کے لیڈروں کے کردار کے نتیجے میں بنگلا دیشی حکومت کے ہاتھ چلے گئے، درحقیقت بات یہی تھی کہ آر این ایل پی چند دھڑوں میں منقسم ہوجانے کے بعد آر پی ایف کے لیڈروں نے جان توڑ کوشش کی کہ کسی بھی قیمت میں تمام اسلحے ان کے ہاتھ آئیں، لیکن سر دست ان کی تمام جدوجہد تقریبا ناکام ہوگئیں، ابھی ادھر ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تو انہوں نے نام نہاد حکمت عملی کے تحت چال چلی کہ اس معاملہ میں بنگلا دیشی فوجی حکام کو ثالث بنالیا جائے، تو انہوں نے میجر عبد الرزاق کے ساتھ رابطہ کیا اور کہا کہ کسی بھی حیلے اور بہانے سے ان پرانے ارکانِ مسلم چھاپہ ماروں سے ہتھیار چھین لئے جائیں، پھر سجاد صاحب کی ثالثی میں عبد الرزاق کا رابطہ آر این ایل پی والوں سے ہوا، اور بات طے کرلی گئی کہ سر دست سارے اسلحے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس جمع کردیئے جائیں اور وقت آنے پر سارے ہتھیار واپس کردیئے جائیں گے، فوجی حکام نے آر پی ایف کے لیڈروں کو یہ سمجھایا بلکہ جھانسہ دیا کہ ان اوباشوں سے ہتھیار چھین لینے میں ہماری مدد کریں، اور جب سارے ہتھیار پر ہمارا قبضہ ہوجائے گا تو سارے اسلحے تمہارے حوالے کئے جائیں گے، شاید آر پی ایف کے قائدین خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے ہوں گے، کہ جب آر این ایل پی بالکل ختم ہوجائے گی تو قومی خدمات کے میدان میں صرف ایک ہی تنظیم اور وہ بھی بنگلا دیشی حکومت کی پشت پناہی میں آر پی ایف ہی رہ جائے گی، یوں آر این ایل پی تو ختم ہوگئی مگر وقت نے ثابت کردیا کہ آر پی ایف کے قائدین خوش فہمی مبتلا تھے، اور زمانہ نے ان کی ساری خوش فہمی کو غلط فہمی میں تبدیل کردیا، صرف یہ نہیں بلکہ آر این ایل پی کے سارے ہتھیار پر قبضہ ہوجانے کے بعد بنگلا دیشی حکومت نے آر پی ایف کو

> بھی نہیں چھوڑا، ان کے پاس جتنے اسلحے تھے وہ بھی ڈھونڈ نکالے، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کی جان پر مصیبت کا طوفان نازل ہوا، یاد رہے کہ محمد جعفر حبیب نے میرے ہتھیار آر پی ایف کے نام پر جمع کرانا چاہا مگر وہ نہ ہوسکا، اور میں جانتا تھا کہ وہ ہتھیار پھر ارکانی مسلمانوں کے ہاتھ کبھی بھی نہیں آئیں گے، لیکن میں جمع کرنے پر مجبور تھا، آر پی ایف کے قائدین نے ایسی چال چلی کہ میں ہتھیار جمع کردینے پر مجبور ہوگیا تھا"۔

بالآخر کم سے کم ایک سال تک ارکان کا جنگل تقریبا خاموش ہوگیا تھا، اور محمد جعفر حسین قوال کا سنہرا جہادی سلسلہ صرف ابوالہاشم اور لقمان حکیم کے سر جالگا، کیوں کہ ان کے پاس آر این ایل پی کے چند ہتھیار تھے، مگر ان دونوں نے کہیں گمنامی کی زندگی اختیار کرلی تھی، یوں وہ ہتھیار بعد میں آر پی ایف کے کام آئے تھے۔

بعدازاں محمد جعفر حبیب اور ان کے رفقائے کار زخم سے چور ہوکر دنگل سے جان سنبھالے کسی طرح نکل آئے، خود محمد جعفر حبیب نے چاٹگام میں آکر دم واپسیں کی حالت میں ہوٹل انٹرنیشنل میں مینجری کے عہدے پر نوکری اختیار کرلی، یوں ۱۹۷۴ء کے ابتدائی دنوں سے لے کر ۱۹۷۵ء کے ابتدائی ایام تک آر پی ایف لاشۂ بے جان بن کر رہ گئی تھی، ان کے علاوہ محترم جناب شبیر حسین صاحب آوارہ بادلوں کی طرح کسی منزل بے نشان کی تلاش میں سرگرداں تھے، پھر بھی اس دم واپسیں کی حالت میں جناب محمد جعفر حبیب نے آر پی ایف کے نام کو اپنے سینے میں تھام رکھا، اور اسی زمانے میں بھی آر پی ایف کی ایک بے جان مجلس عاملہ تھی۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید واحیاء کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹۷۵ء میں روہنگیا قومی انقلاب کے میدان میں ایک فرد بھی بیانگ دہل نعرۂ اللہ اکبر بلند کرنے والا نہ تھا، محمد جعفر حبیب خود طوفان کرب وبلا کے شکار چاٹگام میں دم واپسیں لے رہے تھے، ٹھیک اسی وقت جمعیت علماء کے فیصلے سے مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری کوار بیلی، مولانا حافظ محمد حبیب اللہ سمبنوی، مولانا زکریا محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فاروی اور ماسٹر عبدالغفار صاحب

نکھوروی چاٹگام تشریف لائے (۱) اور محترم جناب مولانا شفیق احمد صاحب تنگبازاری (MM.BA.LLB) کے گھر میں رکھتے ہوئے انہوں نے چاٹگام کی گلی کوچے میں پھنسے ہوئے سابق مردان کارزار کے علاوہ ان روہنگیا بڑے بڑوں کے ساتھ اجلاس کئے، جن کے دلوں میں ان نازک حالات میں بھی مستقبل کی امیدیں باقی تھیں، لیکن چند اجلاس کے بعد کسی بھی مثبت نتیجہ کے بغیر وہ حضرات واپس وطن جارہے تھے، دفعتا بس اسٹیشن پر الحاج ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی اور ان کے بعض رفقائے سفر کے ساتھ ملاقات ہوگئی، الحاج ابوالکلام صاحب ان کی آمد، اجلاس اور اس کے بعد نامرادی کی ساری داستان سے واقف تھے، انہوں نے ان حضرات سے اور ایک بار کوشش کر دیکھنے کی عرض کرتے ہوئے کہا کہ ایک بار ہم سب مل کر کوشش کر کے دیکھیں گے، خدا کرے تو مثبت نتیجہ ضرور نکلے گا، ویسے ان حضرات نے اپنا سفر واپسی کو ملتوی کردیا، اور جناب محمد عثمان جوہر کے گھر (جو نالہ فارہ میں تھا) میں دوبارہ جلسہ کرایا گیا، جس میں قابل ذکر یہ حضرات تشریف فرما تھے:

(۱) حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری، کوار بیلی، منگڈوی۔

(۲) جناب حافظ حبیب اللہ صاحب سمبنوی، منگڈوی۔

(۳) جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی، منگڈوی۔

(۴) جناب الحاج محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی، منگڈوی۔

(۵) جناب الحاج محمد زہیر صاحب خایونگ خالوی، منگڈوی

(۶) جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی، بوسیدنگی۔

(۷) جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگی۔

(۸) جناب محمد عثمان جوہر صاحب جیمنگ خالوی، منگڈوی۔

(۹) مولانا محمد زکریا صاحب محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ، منگڈوی۔

یہ اجلاس ۱۸ / مارچ / ۱۹۷۵ء سے شروع ہوکر بائیس مارچ تک جاری رہا، جس میں بہت سارے موضوعات پر گفتگو ہوئی، لیکن ساری کی ساری باتیں کسی عنقاء کی تلاش بن کر رہ گئیں، ساری باتیں

صرف اور صرف ایک قائد تحریک کی تلاش اور اس کے انتخاب پر تھیں، ہر چند کوشش کی گئی لیکن تمام حاضرین کو کسی ایک آدمی پر متفق نہ کیا جاسکا، اب اجلاس ختم ہونے جارہا تھا، ٹھیک اسی وقت جناب محمد جعفر حبیب مرحوم نے ایک تجویز پیش کی کہ قائد تحریک کے انتخاب کا مسئلہ علمائے ارکان میں سے چند نامور بزرگوں کا حوالہ کیا جائے، چنانچہ آپ کی خوب صورت تجویز پر تمام لوگ متفق ہوگئے، تو علمائے ارکان میں چند ارباب بست وکشاد کی تلاش شروع ہوگئی، اور متفقہ ووٹ پانچ نامور شخصیتوں کے حق میں پڑا، اس کے بعد پروگرام ایسا بنایا گیا کہ:

> ۲۸ / مارچ / ۱۹۷۵ء میں نور اللہ فارہ کی درس گاہ اور ۳۱ / مارچ / ۱۹۷۵ء میں دارالسنہ نہلا کے اجلاس ہونے والے تھے، ان میں نور اللہ فارہ کا جلسہ پہلے ہونے والا تھا، ان پانچوں بزرگوں کو کسی بھی قیمت پر وہیں جمع کیا جائے گا، جہاں وہ اس مسئلہ کا فیصلہ کریں گے، اس کے بعد ان میں سے ایک بزرگ دارالسنہ کے اجلاس میں شرکت کریں گے، جہاں ایک وفد چاٹگام سے پہنچے گا، جو فیصلہ سن کر واپس چاٹگام آئے گا"۔

پروگرام کے مطابق پانچوں بزرگان دین نور اللہ فارہ پہنچے، اور جناب محمد جعفر حبیب پر پانچوں متفق ہوگئے، ان دنوں سرحد پار کرنا بہت کٹھن کام ہوگیا تو ان میں سے ایک بزرگ بھی وقت پر نہلا نہ پہنچ سکے، ادھر چاٹگام سے ایک وفد (جس میں محمد جعفر حبیب اور الحاج ابوالکلام سمیت چند افراد شامل تھے) ٹھیک وقت پر نہلا پہنچا، مگر مایوس واپس ہونا پڑا، البتہ محمد جعفر حبیب پھر بھی ٹیکناف میں رہ کر منتظر وفد تھے، مگر آپ ناکام ہوگئے، تاہم چند دن کے بعد حضرت پیر مظفر احمد مینگزوی صاحب ٹیکناف تشریف لائے اور سجاد حسین رواسوگری کو اپنا ایک پرچہ حوالہ کرکے واپس تشریف لے چلے گئے، جس میں درج تھا کہ:

> "جناب محمد جعفر حبیب اور ان کے رفقائے کار روہنگیا تحریک آزادی کے متعلق جو کچھ کررہے ہیں اس کا ہم نے جائزہ لیا اور اطمینان ہوا، ہم انہیں آئندہ بھی کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں"۔

اس خط میں مولانا اسعد اللہ صاحب شقد ار فاروی کے علاوہ ایک اور عالم دین کا دستخط بھی موجود تھا، اس کے بعد مجلس عاملہ کی تشکیل دی گئی، جس کے ممبران درج ذیل ہیں:

(۱) صدر : جناب محمد جعفر حبیب علی چنگی۔
(۲) جنرل سکریٹری: جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی۔
(۳) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب نوالاسلام صاحب شیل خالوی۔
(۴) مشیر اعلی: جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب بانگونوی۔
(۵) مشیر اعلی: جناب مولانا محمد کبیر صاحب خوانگی۔
(۶) مشیر اعلی: جناب پرفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری۔
(۷) مشیر اعلی: جناب انعام اللہ صاحب کیلاڈنگی۔

بعد ازاں ایک بڑی جماعت کے ساتھ جناب محمد جعفر حبیب صاحب سرحد چلے گئے، اور موضع دھر مرسرا میں ایک معسکر قائم کیا گیا، ادھر آر پی ایف کی تجدید کی خبر وطن پہنچی تو قومی تحریک چاہنے والوں کی ایک بڑی جماعت سرحد چلی آئی، جن میں دو طبقے کے لوگ تھے:

(الف) رنگون یونیورسیٹی کے فارغین کی ایک جماعت جن میں درج ذیل حضرات نمایاں تھے:

(۱) جناب حبیب الرحمن صاحب (MA) سائندہ فاروی، منگڈوی۔
(۲) جناب رشید احمد صاحب (کراٹے) گونہ فاروی، منگڈوی۔
(۳) جناب عبدالرشید صاحب شجاع فاروی، منگڈوی۔
(۴) جناب عبدالصمد صاحب بوسیدنگی۔

(ب) شمالی ارکان میں روہنگیا قوم کے مفاد میں کام کرنے والی طلبہ تنظیم (ROHINGYA YOUTH FRONT) کے اراکین اور ممبران جس میں کم سے کم ایک سو طلبہ تھے، ان دونوں طبقے کی شرکت نے تنظیم کی افرادی قوت کو مضبوط بنایا، اب تنظیم میں قدرے جان آچکی تھی۔

ادھر افرادی قوت کا حال ایسا تھا، ادھر جناب لقمان حکیم اور ابوالہاشم نے آر این ایل پی کے جو چند ہتھیاران کے پاس تھے آر پی ایف کا حوالہ کردیا، کہا جاتا ہے کہ ان اسلحے کے علاوہ اس ابتدائی مرحلہ میں جناب صالح احمد صاحب مرحوم نے چند اسلحے آر پی ایف کے لئے فراہم کئے، اس کے

بعد تنظیم نے ممبروں کو گوریلا جہاد کی تربیت دینے کا فیصلہ کیا، اور جناب شبیر حسین صاحب نے اس ذمہ داری کا بیڑا اٹھایا تو تربیتی پروگرام ۲/نومبر/ ۱۹۷۵ء میں شروع ہوا، روہنگیا برادری کے ایک صاحب ثروت نے سات ہزار ٹاکے مالیت کی وردیاں فراہم کیں، اس طرح تربیتی پروگرام مکمل ہوگیا تھا۔

اس کے بعد رمضان المبارک آیا تو مولانا شفیق احمد، الحاج ابوالکلام، الحاج فضل احمد نے مشورہ کیا کہ اب رمضان المبارک کا مہینہ پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ آیا ہے، ادھر معسکر میں مجاہدین خاک وخون میں تڑپ رہے ہیں، کیوں نہ ان مجاہدین کے لئے مال جمع کیا جائے؟ بس تمام لوگوں نے ایک متفقہ فیصلہ کیا کہ ہماری برادری کے مہاجر تاجروں کا قریبی مدت میں اجلاس بلایا جائے گا، جس میں ضروری گفتگو کے بعد چندہ فراہمی ہوگی، یوں چند دن کے بعد ایک اجلاس بلایا گیا جس میں چاٹگام میں ہجرت کی زندگی گذارنے والے تقریباً تمام تاجروں نے شرکت کی، چندہ جمع کرایا گیا تو بڑی آسانی سے ۹۷؍ہزار ٹاکے ہاتھ آئے، کہا جاتا ہے کہ اس اجلاس میں ایک روہنگیا خاتون نے ایک بڑی رقم چندے میں دی تھی، جسے بہت سراہا گیا اور آج بھی ہمارے حلقے میں اس نیک صفت خاتون کا تذکرہ ہوتا ہے۔

اس خوب صورت کامیابی کے بعد بڑے بڑوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہماری برادری کی ایک کمیٹی بنائی جائے! بس انہوں نے ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے نام سے ایک کمیٹی بنائی۔

۱۹۷۷ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی مجلس عاملہ کے علاوہ اڈوائزری کمیٹی یا سپریم کونسل کے نام سے ایک مجلس تشکیل گئی، جس میں ذیل کے حضرات ممبران تھے:

(۱) مولانا شفیق احمد (MM.BA.MA.LLB) تنگ بازاری، بوسیدنگی۔

(۲) الحاج ابوالکلام، خونیہ فاروی، منگڈوی۔

(۳) الحاج صالح احمد صاحب فقیروی/ نائکان سروی۔

(۴) الحاج زہیر احمد، خایونگ خالوی، منگڈوی۔

(۵) ماسٹر عبدالغفار، نکھوروی، منگڈوی۔

۱۹۷۸ء میں ارکان سے ایک بھاری تعداد میں روہنگیا مہاجرین بنگلادیش آئے ہوئے تھے، سرزمین ارکان کی تاریخ میں یہ ہجرت دوسری ہجرتوں کے مقابلے میں بڑی بڑی خصوصیات کی حامل ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں روہنگیا مسلمانوں پر چلنے والے مظالم کی شہرت ہوئی، عالم اسلام سمیت دنیا کے انصاف پسند ممالک برمی حکومت کے خلاف چلا اٹھے، جس سے برمی ڈکٹیٹر جنرل نیون اور اس کی حکومت کی بڑی بدنامی اور مذمت ہوئی، ہر طرف سے روہنگیا مسلمانوں کے حق میں آواز بلند ہوئی، اور عالم اسلام سمیت دنیا کے تمام ملکوں نے برمی حکام پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تھا۔

لیکن ستم یہ ہے کہ قوم کے ان نازک حالات میں روہنگیا مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی طرف سے کسی قسم کا قابل قدر ردعمل نہ ہوسکا، تنظیم تقریباً خاموش تھی، روہنگیا مسلمانوں کے حالات پلٹے تو تھے لیکن تنظیم کی طرف سے کسی قسم کی اجتماعی کوشش نہ ہوسکی تھی، روہنگیا مسلمان حالات کے شکار تھے، لیکن وہ اپنی مصیبت کی کربناک داستان کو اپنی زبان سے سنانے میں معذور تھے۔

تجدید واحیاء کے زمانے سے لے کر ستمبر/ ۱۹۷۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ ترقی کی طرف گامزن تھی مگر ستمبر کو سنٹرل کمیٹی کے ممبروں میں محمد جعفر حبیب کے خلاف نکتہ چینیاں شروع ہوچکیں، بالآخر ستمبر/ ۱۹۷۶ء کے آواخر میں جناب محترم نورالاسلام صاحب، ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر زکریا، مولانا محمد کبیر، جناب انعام اللہ کیلادنگی، جناب شبیر حسین فوئمالوی نے محمد جعفر حبیب کو منصب صدارت سے ہٹانے کی کوشش کی، مگر کوشش بالآخر ناکام ہوگئی، پھر ستمبر/ ۱۹۷۷ء میں اختلافات کا خلیج وسیع تر ہوگیا، اور مجلس عاملہ کے تقریباً تمام ممبروں نے اڈوائزری کمیٹی جس میں مولانا شفیق احمد، الحاج ابو الکلام، الحاج صالح احمد، الحاج محمود الحسن تھے کو محاذ کے تمام اختیارات سونپ دیئے، اور سنٹرل کمیٹی کے ممبروں نے وعدہ کیا کہ سپریم کونسل (سرپرست کمیٹی) جو بھی فیصلہ کرے گی اسے بلا چوں چرا قبول کیا جائے گا، اب سرپرست کمیٹی نے فیصلہ یہ کیا کہ جناب محمد جعفر حبیب منصب صدارت پر بحال رہیں گے، اور ان کے نائب جناب نورالاسلام ہوں گے، یہ دونوں حضرات باقی مجلس عاملہ کے ممبروں کو منتخب کریں گے، جناب نورالاسلام صاحب نے یہ فیصلہ ابتداء میں تسلیم کرلیا تھا لیکن بعد

میں جناب مولانا محمد کبیر، اشرف العالم، پروفیسر محمد زکریا، ڈاکٹر محمد یونس اور انعام اللہ صاحبان کی مخالفت پر دوسرے روز اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

بعد ازاں جناب محمد جعفر حبیب کے مخالفین نے محاذ کے جوانوں کو ورغلانا شروع کیا، یوں جوانوں میں سے جناب حبیب الرحمن اور رشید احمد صاحباں نے نور الاسلام صاحب سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ وہ لوگ جناب محمد جعفر حبیب کو منصب قیادت سے معزول کر دیں گے، لیکن آئندہ ہونے والے صدر کا سوال اٹھایا گیا تو نور الاسلام صاحب کے ہم نواؤں نے ان کا نام پیش کیا، بات مشہور ہوگئی تو مولانا محمد کبیر نالاں اور خفا ہو گئے، بعد میں حبیب الرحمن اور رشید احمد نے جناب محمد جعفر حبیب کو تقریباً معزول کر دیا تھا، محمد جعفر حبیب صاحب معسکر سے نکل کر صالح احمد چیرمین صاحب کے گھر گئے اور حبیب الرحمن نے جب نور الاسلام کو منصب قیادت پر جلوہ آفروز ہونے کی دعوت دی تو مولانا محمد کبیر صاحب نے نور الاسلام کی صدارت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، یوں سنٹرل کمیٹی کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں، بالآخر مجاہدین نے محمد جعفر حبیب کو پھر سے منصب صدارت پر جلوہ فرما ہونے پر مجبور کر کے واپس لایا، البتہ ایک بات یہ طے ہوئی کہ جناب محمد جعفر حبیب تین مہینے کے اندر دستور العمل تیار کریں گے، جس کے مطابق الکشن ہوگا اور ان تین مہینے کی مدت مارچ/ ۱۹۷۸ء سے لے کر مئی/ ۱۹۷۸ء تک طے پائی، اسی دوران سرزمین ارکان پر وہ بلائے ناگہانی کا جسے دنیا ناگامن آپریشن سے جانتی ہے نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ناگامن آپریشن کے ردعمل میں روہنگیا عوام کے علاوہ بعض جماعتیں بشمول ارکان ہسٹریکل سوسائٹی حرکت میں آگئی، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ روہنگیا فدائین محاذ دشمن کے خلاف میدان کارزار میں اتر جائے، اب محمد جعفر حبیب نے سنٹرل کمیٹی کا ایک اجلاس بلایا، جس میں مجاہدین کے فرنٹ لائن کمانڈر جناب مولانا محمد کبیر نے بروقت میدان کارزار میں اترنے سے انکار کر دیا، ان کا کہنا تھا کہ ابھی اتنی استعداد پیدا نہ ہو سکی کہ جس کے بل بوتے پر میدان کارزار میں اترا جا سکے، پھر بھی تنظیم کی سنٹرل کمیٹی کی رائے سے دو دستے میدان کارزار میں اتار دیئے گئے، لیکن چند دن کے بعد دونوں دستے نامراد واپس لوٹ آئے، یوں مولانا محمد کبیر کا دعویٰ سچ نکلا۔

اس درمیان مولانا محمد کبیر اور انعام اللہ نے روہنگیا فدائین محاذ سے نکل کر اور ایک تنظیم روہنگیا لبریشن فرنٹ (RLF) قائم کی، انہوں نے بعد میں جمعیۃ العلماء کے رہنماء حضرت مولانا عبد القدوس مظاہری سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور دونوں حضرات خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے پاس گئے، حضرت مولانا کو روہنگیا فدائین محاذ کے خلاف بھڑکانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

ادھر فرنٹ سے دونوں دستے واپس آئے اور مہاجرین کے مفاد میں روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے کوئی کامیاب اور مثبت کام انجام نہ دے سکنے کی وجہ سے محاذ کے اندر پھر سے اختلافات شروع ہو گئے، اب محمد جعفر حبیب نے روہنگیا مسلمانوں کے چار معمر بزرگوں کے ہاتھ محاذ کے تمام اختیارات سونپ دیئے اور ان چاروں بزرگوں پر مشتمل از سر نو ایک سرپرست کمیٹی بنا دی گئی، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) اڈووکٹ جناب مولانا شفیق احمد صاحب ٹنگ بازاری۔

(۲) جناب بیرسٹر سلطان احمد صاحب بالوخالوی سابق برمی پارلیمنٹ سکریٹری۔

(۳) جناب مظفر احمد صاحب (DEO) سابق ممبر آف ریاست ارکان کونسل۔

(۴) جناب ماسٹر عبد الغفار صاحب نکھوروی۔

لیکن افسوس ہے کہ مذکورہ ان حضرات اپنی ذمہ داری کام کی طبیعت کے مطابق ادا نہ کر سکے، یوں محمد جعفر حبیب کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔

اس درمیان ڈاکٹر محمد یونس نے سنٹرل کمیٹی کے ممبروں میں سے حبیب الرحمن، رشید احمد، عبد الرحمن وغیرہ کو اپنا لیا، جنہوں نے محمد جعفر حبیب کو استعفی دینے پر مجبور کر دیا تھا، باوجودیکہ ڈاکٹر صاحب کے ہم خیالوں نے اگلے ہونے والے منصب صدارت کے لئے ڈاکٹر صاحب کا نام پیش کیا لیکن ان کی تمام کوششیں اب بھی ناکام ہوگئیں، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا محمد کبیر، سید عالم، سید لطیف کو بنگلادیشی حکومت نے حراست میں لے لیا تھا، اور جناب امام حسین داروغہ امریکہ سے سعودیہ عرب ہو کر بنگلادیش تشریف لائے ہوئے تھے، امام حسین صاحب شقدار فاروی بڑے درد مند انسان تھے، وہ ۱۹۷۸ء میں روہنگیا ہجرت کے دوران بنگلادیش آئے، انہوں نے ایک موقع

پر اپنے احباب سے کہا کہ:

''ہم نے دنیا میں دولت، نام بہت کمایا مگر ان تمام چیزوں سے میرے دل کی تسکین نہ ہوسکی، ہم آخری اپنی عمر میں یہ چاہتے ہیں کہ اپنی ملت وقوم کے کام آئیں، خدا جانے کہ اس نے ہماری تقدیر میں کونسی چیز رکھی ہے، خدا کرے کہ ہم ملت وقوم کے کام آسکیں''۔

غرض امام حسین اپنی عمر کی آخری منزل میں امریکہ کے عیش وآرام کو چھوڑ کر بڑے جذبات لئے بنگلادیش آئے ہوئے تھے، یہاں ان کی تشریف آوری نے آر پی ایف کے بعض اعلی ممبروں کے دل موہ لئے، ان کی آمد پر آر پی ایف میں ایک آواز اٹھی کہ محاذ کے منصب قیادت امام حسین کا حوالہ کردیا جائے، محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اوران کے ہم نوا حضرات امام حسین کو چاہتے تھے، لیکن محمد جعفر حبیب کو چاہنے والے کسی بھی قیمت پر ان پر راضی نہ ہو پائے، انہوں نے نہ صرف امام حسین کی ذات کو مسترد کیا بلکہ ان پر ملامت کا ایک پہاڑ گرانے کی ناکام کوشش کی، تاہم محمد جعفر حبیب بڑی سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک لفظ بھی ادھر ادھر کے بولنے سے باز رہے، بہرحال اختلافات کے وسیع خلیج دیکھتے ہوئے سرزمین ارکان کے چند بڑے بڑوں نے محمد جعفر حبیب کو یہی مشورہ دیا کہ وہ منصب قیادت جناب امام حسین کا حوالہ کردیں، اس حوالے سے جناب عبدالغفار صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''میں نے خود جناب محمد جعفر حبیب کو مشورہ دیا کہ آج تک دنیا روہنگیا مسلمانوں کے حالات زار اور مصیبت وآزمائش کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ سے واقف ہوچکی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وقت اور حالات کے پیش نظر آپ کو کچھ دن آرام کرنا چاہئے، آپ سے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ امام حسین کو قیادت کا لگام حوالہ کردیں، موصوف کو میرا یہ مشورہ پسند آیا، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ امام حسین کے پاس لے گیا اوران سے کہا کہ آپ میرے بھی ایک مربی ہیں، قوم کو آپ پر اعتماد ہے، اب میری خواہش یہی

ہے کہ آپ روہنگیا فدائین محاذ کا لگام ہاتھ لیں اور مجھے آرام کرنے کی اجازت دیں، امام حسین نے جواب میں جھٹ سے کہہ دیا کہ میں تو صرف (RPF) کو تعاون کرنے آیا اور صدارت ولیڈرشپ ہاتھ لینے نہیں آیا ہوں، اس کے جواب میں محمد جعفر حبیب نے کہا کہ یہاں آپ کے نام کی خرید وفروخت ہورہی ہے، جب کہ آپ منصب قیادت سے معذرت کررہے ہیں، جواب میں امام صاحب نے کہا کہ وہ لوگ خیالات کا گھوڑا دوڑا رہے ہیں، بالآخر وہ قیادت اپنے ہاتھ لینے کو راضی نہ ہوئے اور خود محنت ومشقت کرکے چند دن کے اندر روہنگیا فدائین محاذ کے ایک دستور العمل کا مسودہ تیار کرکے چلے گئے''۔

امام حسین صاحب شقدارفاروی نہ صرف زمام قیادت ہاتھ لینے سے معذرت کی بلکہ رات ودن کو داؤ پر لگا کر بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے محاذ کے ایک دستور العمل کا مسودہ بھی تیار کردیا، اور محمد جعفر حبیب کو کانگرس بلانے کا مشورہ دیا، اور وعدہ کیا کہ فدائین محاذ سے چند حضرات کو عالم اسلام کے دورہ پر لے جائیں گے، بشرطیکہ اس کا فیصلہ محاذ کے کانگرس کو دینا ہوگا، یوں دستور کے مطابق ۲۷ / آگست ۱۹۷۸ء میں معسکر میں کانگرس کا اجلاس منعقد کرایا گیا، جس میں فدائین محاذ کے ایک روایت کے مطابق ۱۸ / ممبروں نے حاضری کی رسم ادا کی، اس میں ہرایک کام کا جائزہ لیا گیا اور دستور العمل تھوڑے اضافہ وترمیم کے بعد پاس کرلیا گیا، ۲۹ / آگست کو پھر سے صدارت کے منصب کے لئے رائے شماری کی گئی اور اکثریت کی رائے سے جناب محمد جعفر حبیب اگلے تین سال کے لئے صدر بنائے گئے، صدر نے سنٹرل کمیٹی کے ممبران کے نام پیش کئے تو کانگرس نے اسے منظور کرلیا۔

اس کے بعد محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اوران کے ہم نوا آر پی ایف سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے، بعدازاں محترم نورالاسلام اور ڈاکٹر صاحب نے AMO کے نام سے ایک دعوتی تنظیم قائم کی، بعد میں اس تنظیم نے ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا، جس کی تفصیلات سامنے آرہی ہیں۔

آر پی ایف باوجود یکہ ان چند بڑے بڑوں کے بچھڑ جانے کے بعد افرادی اعتبار سے کمزور ہوگئی تھی، مگر چند ساتھیوں اور نوجوانوں کی جدوجہد اور قائد تحریک جناب محمد جعفر حبیب کی انتھک سعی کے نتیجے میں منزل کی طرف رواں دواں تھی، انہوں نے پارٹی کی ترقی اور کامیابی کے لئے رات اور دن کو ایک کردیا، تاہم جناب شبیر حسین اس دوران پارٹی سے دور رہے، لیکن قائد حبیب نے انہیں بھی بعد میں بلا کر قریب کرلیا تھا۔

علاوہ ازیں ۱۹۷۶ء میں پارٹی کے ساتھ عالم اسلام کے ایک انقلابی ملک سے رابطہ ہوا، جس نے ایک طرف پارٹی کے جوانوں میں جوش وولولہ بھرا تو دوسری طرف تربیتی اعتبار سے پارٹی میں جان سی آگئی، مگر بعد میں بعض افراد کے غلط اقدامات اور ناروا کردار کی وجہ سے اس ملک سے بعض وابستہ توقع اور روشن امید بھی بر نہ آسکی، ویسے یہ موقع بھی ایک مظلوم اور معصوم قوم کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۹۸۵ء میں جناب شبیر حسین اور ان کے ہم نواؤں نے قائد حبیب کے خلاف نبرد آزمائی شروع کردی، آخر کار انہیں معزول کردیا گیا، پھر ۱۹۸۵ء میں شبیر حسین نے قیادت کا لگام تھاما، بعد میں آر ایس او کا نورالاسلام دھڑا اور آر پی ایف نے ایک معاہدہ کے تحت متحد ہو کر ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی بنیاد رکھی، جس میں شبیر حسین صاحب صدر اور نورالاسلام صاحب نائب صدر کے عہدے سنبھالے تھے۔

معزولی کے بعد محمد جعفر حبیب اپنے چند ساتھیوں سمیت چند سال بڑی کس مپرسی کے عالم میں آوارہ بادلوں کی طرح پھرتے رہے، بعد میں انہوں نے آر پی ایف کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش تیز کردی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا کہ ۶/ نومبر/ ۱۹۸۷ء میں قائد حبیب نے اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت لی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد جعفر حبیب کے انتقال کے بعد آر پی ایف کو مولانا شفیق احمد، یونس احمد، دلیل احمد اور سجاد حسین اور ان کے چند ساتھیوں نے صرف نام کی حد تک زندہ رکھنے کی کوشش کی، اسی سلسلے میں وہ اپنے کام میں کسی قدر کامیاب بھی ہوئے، یہ حضرات اسے دوبارہ جاندار بنانے کی نہ صرف خواہش مند تھے، بلکہ اس سلسلے میں انہوں نے قدرے کوشش بھی کی تھی، اب مناسب ہے کہ آر پی ایف کے

مطالبات کے دفعات پر روشنی ڈالی جائے جو درج ذیل ہیں:

(۱) بنیادی حقوق اور انسان کی فطری آزادی کی بحالی۔

(۲) پر امن اجتماع کے اختیار کے علاوہ مذہب، ضمیر، تہذیب وثقافت کی آزادی۔

(۳) جان اور مال کے تحفظ کی ضمانت۔

(۴) ملک کی حدود کے اندر چلنے پھرنے کی مکمل آزادی، اور بودوباش پر نافذ کردہ پابندیوں کی تنسیخ۔

(۵) ظالمانہ گرفتاری کے شکار ہوجانے سے بے خوفی، عدل وانصاف کے نام سے فریب دہی کا ازالہ، جائداد کی ضبطی اور اقرباء کو بیہودہ پریشان کرنے سے نجات۔

(۶) شخصی، خانگی اور خاندانی زندگی کا احترام، خط وکتابت اور مراسلات میں بے جا مداخلت سے گریز۔

(۷) مذہب، زبان، نسل، سیاسی یا غیر سیاسی نظریہ، قومی یا سماجی اصلیت، کسی اقلیت سے میل جول، جائداد، ولادت یا کسی اور حیثیت کی آزادی اور حقوق سے مستفید ہونے پر لگائی گئی پابندی سے مکمل رہائی۔

(۸) تمام معاملات میں عدل ومساوات، فطری اور قدرتی مصائب اور مشکلات اور ہنگامی حالات میں جب جان اور مال خطرے میں ہوں تو حکومت کی طرف سے ملنے والے تعاون اور امداد کی تقسیم میں مساوات۔

(۹) اظہار رائے اور فکر ونظر کی آزادی، خصوصا اطلاعات اور فکری لین دین میں ملکی حدود کا قید نہ ہو، اور نہ ہی ان معاملات میں حکام کی مداخلت ہو۔

(۱۰) قومی اور نسلی امتیازات جیسے غلط نظرئے کا مکمل قلع قمع، نسلی تفوق کو فروغ دینے والے طریق کار کا انسداد، عوام میں نسلی منافرت پیدا ہونے والے قول وعمل کی روک تھام، نسلی امتیازات کو ہوا دینے والی قوتوں پر مکمل پابندی۔

(۱۱) بدھ قوم پرست، رجعت پسند، انتہا پسند جماعت کی ایسی قولی اور عملی کاروائیوں کا انسداد، جن کے ذریعے نسلی تفوق، تفرقہ، منافرت، قتل عام اور دیگر خلاف انسانیت اعمال کے رواج پانے کا امکان ہو۔

(۱۲) عزت اور نیک نامی کی بقاء، غیر جانب دار اور آزاد عدلیہ کے ذریعے حقوق کی حفاظت۔

(۱۳) حق رائے دہی اور انتخابات میں آزادانہ حصہ لینے کا اختیار۔

(۱۴) ملک کے اندر اور باہر قوانین نافذ کرنے والے سرکاری ملازموں اور عام بدھ مذہب والے برمی شہریوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف متعصّبانہ، خود غرضانہ، معاندانہ، وحشیانہ، گمراہ کن اور بے بنیاد پروپیگنڈے نہ ہونے کی ضمانت۔

(۱۵) بنیادی انسانی حقوق اور آزادی کے خلاف سازش نہ ہو پانے کا موثر اقدام اور انتظام، اگر کوئی مظلوم اس قسم کے مظالم کا شکار ہو تو اس کو مناسب اور معقول معاوضہ دینے کا قانونی بندوبست۔

(۱۶) مسلمان خواتین کو بزور بازو نہ لے جانے اور ان کی عصمت دری اور ناموس سے ہولی نہ کھیلنے اور ان کو قتل نہ کرنے کی ضمانت۔

(۱۷) ہر شہری کے لئے بلا امتیاز مذہب وملت برابر تعلیم حاصل کر پانے کا استحقاق۔

(۱۸) مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں، دیوانی ہو یا دفاعی بلا تفریق وترجیح مناسب حصہ۔

(۱۹) مساوی طور پر عمل کے مواقع، پسند کی ملازمت اختیار کرنے پر پابندی سے گریز، مناسب وموافق اجرت یا معاوضہ پانے کا حق، یونین اور جمعیت میں شرکت کی آزادی، جبری محنت لینے سے مکمل اجتناب۔

(۲۰) سیاسی، معاشی، معاشرتی تحفظ۔

(۲۱) مساوی طور پر قوانین کی حفاظت۔

(۲۲) اجتماعی اور ثقافتی امور میں تعاون کی ترقی، مختلف فرقوں میں مفاہمت اور ان کے درمیان مکمل سمجھوتہ۔

یاد رہے کہ حق خود ارادیت ار پی ایف کا نصب العین تھا، جسے ار پی ایف کے منشور میں دیکھا جا سکتا ہے۔

چلتے چلتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا بھی کچھ تذکرہ کر

دیا جائے کہ:

آگست/ ۱۹۷۵ء میں ار پی ایف بڑی پریشانی کی شکار تھی، تمام ممبران مستقبل کے سوال پر رنجیدہ خاطر تھے، فنڈ میں ایک کوڑی بھی جمع نہ تھی، وطن مقدس کے مسلمانوں کی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے ابھی سینکڑوں طلبہ فرنٹ کے پرچم تلے جمع ہو چکے تھے، معسکر میں عسکری تربیت چل رہی تھی، مجاہدین دانے دانے کے محتاج تھے، ایسا خطرناک اور تشویشناک وقت آن پہنچا کہ درختوں کے پتوں اور آبشارے کے پانی سے اللہ کے ان مجاہد بندوں کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

باوجودیکہ مجاہدین کے ان تشویشناک حالات سے قوم واقف تھی مگر اندرون وطن سے کسی تعاون کے پہنچنے کی گنجائش بالکل نہ تھی، ٹھیک ایسے حالات میں چاٹگام شہر میں آبسنے والے چند دل جلے روہنگیا مسلمان میدان تعاون میں کود پڑے، جو ستمبر/ ۱۹۷۵ء میں اسلام کالونی چاٹگام میں سر جوڑ کر بیٹھے تھے، اجلاس کی صدارت حضرت مولانا شفیق احمد صاحب کر رہے تھے، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ ۲۰/ ستمبر/ ۱۹۷۵ء میں ایک عام قومی اجلاس بلایا جائے گا، جس میں قوم کے دل جلے اہل خیر حضرات کو مدعو کیا جائے گا، اور روہنگیا مجاہدین کے لئے چندے لئے جائیں گے، بہر حال اجلاس ہوا، جس میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی اور ذیل کے ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کی گئی تھی:

(۱) صدر: حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب۔

(۲) نائب صدر: الحاج فضل احمد صاحب۔

(۳) سکریٹری جنرل: محمد الیاس صاحب۔

(۴) اگزیگوٹب: ماسٹر وجیہ اللہ صاحب (بعد میں رکن بنائے گئے تھے)

(۵) خازن: الحاج ایم اے کلام صاحب۔

(۶) رکن: صالح احمد صاحب۔

(۷) رکن: عبد الرشید صاحب۔

(۸) رکن: محمد یونس صاحب۔

(۹) رکن: عثمان جوہر صاحب۔

(۱۰) رکن: الحاج زہیر احمد صاحب۔

(۱۱) رکن: محمود الحسن بن الحاج ابوالخیر خونیہ فاروی۔

فیصلے کے مطابق ۲۸ / ستمبر/ ۱۹۷۵ء میں اجلاس بلایا گیا، چندے وصول کئے گئے، جس میں ۹۷۰۰۰ ستانوے ہزار تا کے فراہم ہوئے، مجاہدین کے لئے یہ پیسے من وسلوی سے کم نہ تھے، جس سے وہ بڑے خوش ہوئے، اور اسے اللہ کی طرف سے امداد واعانت تصور کیا گیا، ہر کجا اس کار خیر کی مدح سرائی ہوئی تھی۔

لیکن افسوس ہے کہ ستمبر/ ۱۹۷۶ء کی دوسری دہائی میں فرنٹ اور ہسٹریکل سوسائٹی کے مابین اختلافات کا آغاز ہوا، یہ وہ اختلافات تھے جس نے ماضی میں روہنگیا قوم کو تباہی اور بربادی کی اندھیری وادی میں غرق کر دیا ہو، جس نے وطن مقدس کے دین ومذہب، آزادی اور حریت، محبت وایثار کے سایۂ رحمت کو فرقہ پرستی اور خود پرستی کی لعنت سے بدل دیا ہو، یعنی ابھی ذرا حالات نے انگڑائیاں لیں تو تفرقہ نے اپنی مختلف شکلوں میں اس بدلتے ہوئے مثبت حالات پر حملہ کر دیا تھا۔

ان دونوں تنظیموں کے مابین اختلاف کی وجہ صرف یہی بتائی جاتی ہے کہ ہسٹریکل سوسائٹی کے بعض لیڈروں کی خواہش تھی کہ ار پی ایف جس طرح اقتصادی اور معاشی میدان میں سوسائٹی کی طفیلی ہے اسی طرح سیاسی میدان میں بھی طفیلی بن کر رہے، اس سلسلے میں ایک روز سوسائٹی کے اگزیکوٹیب سکریٹری جنرل مسٹر وجیہ اللہ صاحب نے ار پی ایف کے سکریٹری برائے امور خارجہ جناب نورالاسلام صاحب کو بلا کر کہا کہ ار پی ایف کو ہماری خواہش پر چلنی ہوگی، چلے گی تو ٹھیک ہے ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔ جواب میں محترم نورالاسلام صاحب نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل میرے پاس نہیں ہے، تاہم میں یہ بات آر پی ایف کی مجلس عاملہ تک پہنچاؤں گا، امید ہے کہ بہت قریبی مدت میں جواب مل جائے گا، بات فرنٹ میں پہنچی تو ایک تحریری جواب کے ساتھ محترم نورالاسلام صاحب کو بھیجا گیا، جس میں کہا گیا کہ:

آر پی ایف ایک آزاد تنظیم ہے وہ کسی فرد یا کسی تنظیم کی حاشیہ برداری کی سزا برداشت نہیں

کر سکتی، جواب سنتے ہی مسٹر وجیہ اللہ صاحب آگ بگولہ ہو گئے، انہوں نے آر پی ایف کے چوٹی کے لیڈروں پر لعنت کی آگ برسائی، اور کہا کہ ان جیسوں سے کچھ بھی نہیں بنے گا اور۔۔۔۔۔۔۔

اس واقعہ کے بعد آر پی ایف اور سوسائٹی کے درمیان کے تعلقات تقریبا منقطع ہو گئے، اور سوسائٹی تو اس کے بعد نیم جان ہوگئی، لیکن آر پی ایف روز ترقی کی طرف گامزن تھی۔

اسی سال ماسٹر عبدالغفار اور شبیر حسین صاحبان آر پی ایف کے نمائندہ بن کر ایک وفد کی شکل میں سعودی عرب پہنچے، اسی سفر کے دوران ان کا رابطہ ''رابطہ عالم اسلامی'' سے ہوا، رابطہ نے آر پی ایف کے لئے اسی ہزار تاکے کی ایک امدادی چیک فراہم کی تھی۔

سوسائٹی کا نصب العین اور پروگرام:

(۱) ارکان، چاٹگام، بنگلادیش اور برما اور تمام دنیا کی تاریخی معلومات اور دستاویزات کے حصول اور اس کی ترقی کی کوشش کرنا سیمنا اور مجالس محاضرات کا انعقاد کرنا اور اس میں بڑے بڑے علما اور دانشوروں کو مدعو کرنا۔

(۳) ارکان، چاٹگام، بنگلادیش اور برما کی تاریخ پر مشتمل صحف ومجلّات کا نکالنا۔

(۴) پات شالوں اور دانش کدوں کا قائم کرنا اور اسے باضابطہ چالو رکھنا۔

(۵) امت مسلمہ کی وطنی محبت اور آزادی کے احترام کی حمایت کرتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام میں ہاتھ بٹانا۔

(۶) بوڑھوں، بیکسوں، غریبوں، یتیموں کو تعاون کرنا۔

(۷) طب، انجینیرنگ، صنعت وحرفت اور اعلی تعلیم کے حصول کے لئے کوشاں طلبہ کو اسکالرشپ دینا۔

(۸) غریبوں کی شادی بیاہ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ حالات کے شکار ہو جانے والے ناداروں کو ضروری امداد فراہم کرنا۔

(۹) تفریحی موقعوں میں کھیلوں اور سیر وسیاحت کے انتظامات کرنا۔

(۱۰) کارکنوں اور ممبروں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا۔

(۱۱) مذکورہ بالا کسی بھی پروگرام پر قدم رکھنے یا ارکان، چاٹگام، بنگلادیش اور برما اور بھارت کی

تاریخی معلومات کے دراسہ اور تحقیقی کام کے لئے کسی بھی فرد یا کمپنی اور انجمن سے مالی یا کسی دوسرے طریقے کا تعاون قبول کرنا۔

(۱۲) مذکورہ بالا کسی بھی پروگرام پر اترنے کے لئے زمینوں، گھروں، کرایا تبادلہ پر دکانوں کا حاصل کرنا اور اسے پھر کرایہ پر دینا۔

(۱۳) سوسائٹی کی تطویر و ترقی کے لئے ترقیاتی پروگرام کرنا۔

(۱۴) رأس المال کا جمع کرنا، پھر اسے نفع آور تجارت میں لگانا۔

(۱۵) ایک ہی نصب العین پر بنی بنائی انجمنوں کو تعاون کرنا اور ہنگامی حالات میں اسے امداد کرنا۔

(۱۶) ممبروں کے چندے، بغیر مادی مقاصد کے تعاون اور خیرات و ہدایا وغیرہ وصول کر کے اسے تجارت کے طریقہ سے بڑھا کر سوسائٹی کے پروگراموں میں لگانا۔

(۱۷) سوسائٹی غیر ملکی کسی اہل خیر یا انجمن کے تعاون قبول کرتے وقت اس مسئلہ کے حوالے سے ۱۹۷۸ء میں بنگلا دیشی حکومت نے جو قوانین نافذ کئے اس کی مکمل رعایت رکھے گی۔

روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی:

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید نو یعنی ۱۹۷۵ء کی درمیانی مدت سے لے کر ستمبر ۱۹۷۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ ہر اعتبار سے ترقی کی طرف گامزن تھی، اعلی قیادت سے لے کر عام ممبران تک ہر ایک نے اپنے مقاصد اور نصب العین کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی، اس وقت جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب اپنی تنظیم و قوم کی منزل کی تلاش میں بالکل یک سو تھے، ظاہر ہے کہ آدمی بڑے غضب کے ذہین ہیں، انہوں نے اپنے تعمیری ذہن کے ساتھ وقت اور حالات کے جائزے کے ساتھ ساتھ تنظیم کی اعلی قیادت، مجاہدین اور کارکنوں کو بڑے قریب سے مطالعہ کیا، اور طویل غور و فکر کے بعد آپ کا ذہن رسا اس نتیجہ پر پہنچا کہ:

(۱) جس نصب العین اور جن مقاصد کے حصول کے لئے روہنگیا فدائین محاذ جد وجہد کر رہی ہے، خود ان مقاصد اور نصب العین پر از سر نو جائزہ لے کر اس میں اضافے و ترمیم کی ضرورت ہے۔

(۲) اس تنظیم کے عام اراکین اور مجاہدین کے علی الرغم خصوصی طور پر اعلی قیادت اور رہنماؤں کے مابین ذہنی و فکر، انقلابی و سیاسی غرض ہر ایک اعتبار سے ہم آہنگی کا فقدان ہے، خود اعلی قائدین میں کوئی ماؤزی تنگ اور لینن و اسٹالن کے رنگ میں رنگنا چاہتا تو کوئی فیڈل کاسٹرو اور شی گوے برا کی زندگیوں اور تحرکات سے خوشہ چینی کے متمنی ہے، یہ اور ان جیسوں کے مابین چند ایسے بھی تھے جو جدیدیت کے تقریبا تمام تقاضوں سے صرف نظر روہنگیا قوم کی سیاست و انقلاب کو دقیانوسیت کی پگڈنڈیوں سے گزار کر کوہ قاف کی اندھیاری میں پہنچانا چاہتے تھے، تو ظاہر ہے کہ سارے کے سارے مسلمان ہیں اور بنیادی طور پر ان کے ایمان، اخلاص، للّٰہیت، ایثار و قربانی و جانگدازی اور جان شکنی غرض کسی میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہ تھی اور نہ اب بھی ہے، لیکن افکار و خیالات کے حوالے سے ان کے درمیان ہم آہنگی نہیں تھی، کسی کے رخ فکر مشرق کی طرف گامزن تھے تو کسی کے مغرب کی طرف رواں دواں، الا ماشاء اللہ ان کی اکثریت کے افکار و نظریات، سوچنے سمجھنے کا انداز بنیادی جوہر میں حجازی الاصل نہیں تھا، جو ایک مسلمانوں کی جماعت اور وہ بھی ایک مسلم مظلوم قوم کو ظالم کفار کے ظلم و جبر سے بچانے کی خواہاں جماعت کے لئے ناگزیر تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

(۳) ظاہر ہے کہ ایک انقلابی جماعت کے اعلی لیڈروں اور رہنماؤں میں نام و نمود سے دور، مثبت جوش و ولولہ کے تہ بتہ بے جا جذباتیات سے پرہیز اور حقیقت پسندی پر مبنی قوت ارادہ و فیصلہ ہونا بہت ضروری ہے، اس حوالے سے جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار کا اندازہ ہو سکا، آپ نے اس جماعت کے اعلی لیڈروں میں یہ اور ان جیسی چیزوں کا بڑا فقدان دیکھا تھا، جب کہ ان چیزوں کی کمی کے علی الرغم اعلی قائدین میں ایک سے زیادہ ایسے لوگ بھی تھے کہ جن کا مقصد یہ تھا کہ کام کچھ ہو یا نہ ہو لیکن انہیں اپنے کو ہر ایک میدان میں نمایاں ہی رہنا ہے۔

(۴) ڈاکٹر صاحب کے بعض بیانات سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ آپ نے تنظیم کے بعض عام اراکین تو اراکین بلکہ بعض اعلی قائدین کو اسلامی اخلاقیات سے کوسوں دور دیکھا، مسلمان اخلاق سیکھیں تو قرآن و سنت، تعامل صحابہ اور سلف و صالحین کے اعمال و کردار سے سیکھیں

گے، جہاں تک معلوم ہوا کہ اخلاقیات بحیثیت ایک ضروری فن کے، یہاں اس حوالے سے تعلیم وترتیب کا بڑا اور بہت بڑا فقدان تھا۔

(۵) علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تنظیم کی اعلی قیادت میں ذہن رسا اور بروقت قوت فیصلہ کی بڑی حد تک کمی تھی، جس کی وجہ سے کام کو آگے بڑھانے میں وہ مشکلات محسوس کر رہے تھے، پھر یاد رہے کہ موصوف کی اس سوچ کی وجہ سے آپ کو اس وقت پھر بعد میں بھی اور تو اور بعض اپنوں کے تیر بھی سہنے پڑے تھے، آپ پر الزام تھا کہ آپ نے تنظیم کی اعلی قیادت پر نہ بھروسہ رکھ سکا اور نہ اعتماد، بلکہ انہیں سست وغفلت شعار کہہ کر اپنے آپ کو کمزور بنالیا تھا۔

ستمبر/ ۱۹۷۶ء کے اواخر میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے عاملہ کے اراکین میں اختلافات رونما ہو گئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جناب نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، جناب انعام اللہ اور مسٹر شبیر حسین کی رائے یہی تھی کی محمد جعفر حبیب منصب صدارت سے مستعفی ہو جائے، لیکن محمد جعفر حبیب تو مستعفی نہیں ہوئے مگر اختلافات کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، پھر بھی کام چلتا ہی رہا، ستمبر/ ۱۹۷۷ء میں مجلس عاملہ کے تمام ممبروں نے اپنے اختیارات سپریم کونسل کا حوالہ کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ کونسل جو فیصلہ کرے گا اس پر سرتسلیم خم کیا جائے گا۔ چنانچہ کونسل نے بڑے غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا کہ محمد جعفر حبیب عہدۂ صدارت پر بحال رہیں گے جب کہ ان کے نائب نور الاسلام صاحب ہوں گے، مگر بعد میں عاملہ کی اکثریت نے اس فیصلہ کو مسترد کیا تو بات بننے کی جگہ اور بھی بگڑ گئی تھی۔

بعد میں مجاہدین کی بعض اعلی قیادت جن میں جناب حبیب الرحمن اور رشید احمد صاحب (کراٹے) پیش پیش تھے نے محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے نور الاسلام صاحب کو عہدۂ صدارت پر جلوہ فرما کرنا چاہا تو اس پر مولانا محمد کبیر صاحب خفا ہو گئے، یوں قائد حبیب کے خلاف تمام کی گئی کوششیں رائگان ہو گئی تھیں، تاہم مجاہدین کی اعلی قیادت نے قائد حبیب سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اگلے تین مہینے کے اندر اندر دستور العمل تیار کریں گے، جس کے مطابق انتخابات ہوں گے، اور تین مہینے کی مدت مارچ/ ۱۹۷۸ء سے مئی/ ۱۹۷۸ء تک ہوگی، لیکن افسوس ہے کہ اس درمیانی مدت میں سرزمین

اراکان اور وہاں کے مسلمانوں پر وہ مصیبت بلکہ ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت وہ بلائے ناگہانی لائی گئی جسے دنیا ''ناگامن آپریشن'' کے نام سے جانتی ہے، جس کے نتیجے میں تین لاکھ سے زائد اراکان کے روہنگیا مسلمان بنگلادیش پہنچ گئے تھے۔

یوں تو روہنگیا مسلمانوں کی وطن سے ہجرتیں بہتوں مرتبہ ہوئیں اور اب بھی ہو رہی ہیں، لیکن ان ہجرتوں میں ۱۹۷۸ء اور ۱۹۹۱ء کی دونوں ہجرتیں بعض اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اول الذکر ہجرت میں جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ تین لاکھ سے زائد اراکان کے روہنگیا مسلمان ہجرت کر کے بنگلادیش کے علاقۂ چاٹگام میں پناہ لئے ہوئے تھے، اس ہجرت کے دوران دینا نے شاید پہلی مرتبہ اراکانی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی طرف اپنی نظریں مرکوز کی تھیں، عالم اسلام سمیت دنیا کے بیشتر انسانیت اور امن پسند ممالک برمی فوجی ظالم حکومت کے خلاف اپنے اپنے ردعمل کا اظہار کیا، برمی ڈکٹیٹر جنرل نیون اور اس کی ناروا حکومت واقتدار کے خلاف تقریبا روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے حوالے سے آواز اٹھی، عالم اسلام بشمول دنیا کے بیشتر امن وانصاف پسند ممالک نے برمی فوجی حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ اراکان کے نہتے اور آشتی وسلامتی پسند روہنگیا مسلمانوں پر ظلم ڈھانا بند کردے۔

ایسے نازک حالات میں روہنگیا مسلمانوں کی واحد متحرک نمائندہ تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) (اس تنظیم کے دعوی کے مطابق، ورنہ اس وقت بھی چند اور تنظیمیں موجود تھیں، جیسی جمعیت علمائے اسلام اراکان وغیرہ) کی طرف سے برمی حکومت اور اس کے مظالم کے خلاف کوئی بھی قابل توجہ ونا قابل فراموش ردعمل نہ ہو سکا، جس کی وجہ سے حساس روہنگیا مسلمانوں میں عموما اور روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے بعض باشعور اراکین بشمول بعض حامی گروپوں جیسی اراکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کے اندر خصوصا روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اعلی قیادادت پر شک اور شبہات کے اظہار کا آغاز ہو چکا تھا، ایسے حالات میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے بعض اراکین کا مطالبہ تھا کہ روہنگیا فدائین محاذ برمی درندوں کے خلاف فوجی کاروائیوں کا آغاز کرتے ہوئے میدان کارزار میں اتر جائے، چنانچہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر قائد حبیب نے

مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا، طویل غور وفکر کے بعد مجاہدین کے دو قافلے میدان میں اتارنے کا فیصلہ کیا، البتہ اس فیصلے کے خلاف فرنٹ لائن کمانڈر مولانا محمد کبیر صاحب خواندگی نے شدت کے ساتھ مخالفت کی، ان کا کہنا تھا کہ:

’’روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں ابھی تک ایسی قوت واستعداد نہیں ہے جس کی بنیاد پر اگرچہ گوریلا انداز کی سہی فوجی کاروائیاں کی جاسکیں، ایسے حالات میں خواہ مخواہ مجاہدین کو میدان عمل وتطبیق میں اتار دینا خودکشی کا مترادف ہوگا‘‘۔

بہر حال کثرت کے فیصلے کے مطابق دو قافلے یکے بعد دیگرے میدان میں اتارے جاچکے تھے لیکن مولانا محمد کبیر کا دعوی آخر کار سچ نکلا، اور چند دن جاتے نہ جاتے دونوں قافلے کسی بھی قابل ذکر کاروائی کئے بغیر میدان سے واپس آگئے تھے۔

۱۹۷۸ء کے برمی بدنام زمانہ آپریشن ’’ناگامن آپریشن‘‘ کے دوران اور اس کے بعد کے حالات روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لئے بہت اہمیت کے حامل ہیں، ایک طرف مہاجرین کی پریشانیوں پر پریشانیاں جب کہ دوسری طرف اندرون وطن میں مسلمانوں کی غیر یقینی حالت، ہر کجا ایک ہوکا عالم چھایا ہوا تھا، ایک طرف جیسا کہ عرض کی گئی ہے کہ مجاہدین کے دونوں قافلوں کی نامراد واپسی جب کہ دوسری طرف مہاجرین میں قومی سطح پر کوئی قابل قدر عدم خدمات (اگرچہ مجاہدین کے چند جوانوں اور لیڈروں نے جن میں خود ڈاکٹر محمد یونس صاحب بھی شامل تھے نے کچھ خدمات انجام دی تھیں، لیکن وہ ایک تنظیم کے لئے گویا نہ ہونے کی برابر تھیں) نے خود تنظیم کے اراکین میں شک وشبہات سے بڑھ کر عدم اعتماد کی فضاء قائم کردی تھی، ایسے حالات میں بڑے بڑوں میں مولانا محمد کبیر اور انعام اللہ صاحبان نے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے علیحدہ ہو کے ایک علیحدہ تنظیم کی بنیاد ڈال دی، جس کا نام ’’روہنگیا لبریشن فرنٹ (RLF) رکھا گیا تھا، اب قائد حبیب نے اس عدم اعتماد کی فضاء کو دیکھ کر بحیثیت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے صدر اپنے تمام اختیارات روہنگیا مسلمانوں کے چار سن رسیدہ اور قابل اعتماد بزرگوں کے ہاتھ سونپ دیئے تھے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب۔

(۲) جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی سابق برمی پارلیمنٹری سکریٹری۔

(۳) جناب مظفر احمد صاحب (DO) سابق ممبر ریاست ارکان کونسل۔

(۴) جناب الحاج ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

ایسے حالات میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب ذہنی اور فکری اعتبار سے بڑی کشمکش کے شکار تھے، اس وقت آپ کی آنکھیں جہاد وقتال کے حوالے سے اتنی کھلی نہ تھیں جتنی ظاہر ہے کہ بعد کے طویل تجربات سے کھل گئی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر سیاست وقیادت کی باہمی رسہ کشی کے داؤ پیچ میں الجھے بغیر ہر حال میں جہاد وقتال کے طرف دار ثابت ہوئے ہیں، اور ہمارے قومی وملی مسائل کا حل بعض ضروری سیاسی جدوجہد کے بشمول جہاد وقتال کے ذریعے دیکھتے رہتے ہیں، یعنی آپ ہمارے ایسے حالات میں جہاد وقتال کی طرف زیادہ سے زیادہ رجحان رکھتے ہیں۔

بہر حال بات یہ ہے کہ ابھی آپ کے اس دنگل میں آئے ہوئے دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں گزرے، کہنے میں تو ایک عام آدمی کے لئے معرکے کے اس کوچے میں الجھے ہوئے مسائل کی تمام گہرائیوں اور گیرائیوں سے گو کہ ذہنی وفکری طور پر سہی واقفیت کے لئے ایک طویل وقت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب جیسے ذہین وفطین انسان کے لئے پیچیدہ سے پیچیدہ ترین مسائل کے تہ میں اترنا کوئی مشکل کام نہیں تھا، آپ اس دو ڈھائی سال کی مدت میں دنگل میں پائے جانے والے مسائل کی پیچیدگیوں اور باریکیوں سے واقفیت کے علی الرغم جذباتیات سے پرہیز اور حقیقت پسندی پر مبنی اپنے کردار ادا کرنا چاہتے تھے، جہاں تک آپ کے اس وقت کے حالات معلوم ہوگئے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے آپ اعلی قیادت سے بعض اہم اختلافات رکھنے کے باوجود باہمی اختلافات کو افتراق وانتشار کی دہلیز تک پہنچانے کے سخت مخالف تھے، البتہ الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لئے بعض اہم تغییر وتبدیلی کی ضرورت کو ضرور ناگزیر سمجھتے تھے۔

ویسے بھی جتنا معلوم ہوا کہ اس وقت جو در پیش مسائل کے حل کی ضرورت محسوس کئے جارہے تھے،

وہ سارے کے سارے اپنوں کے مابین اعتماد کی بحالی کے ساتھ آپس میں گفتگو کے ذریعے ضرور حل کئے جاسکتے تھے، مگر ایسا نہ ہوسکا، اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ان بڑے بڑوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کا خلیج بڑھتا ہی چلا گیا تھا، جس کا بڑا فائدہ ہمارے مشترکہ دشمن کو ہوا، اور نقصان ایک ایسے ملک اور ایسی قوم کا ہوا جو ایک طویل مدت سے مسلسل نقصانوں پر نقصان اور خسارے پر خسارے کرتی چلی آرہی تھی۔

شروع میں ڈاکٹر صاحب اختلافات کو گفت وشنید کے ذریعے حل کرنے کے قائل تھے، آپ کا یقین تھا کہ یہ سب اپنوں کے مابین پائی جانے والی مشکلات ہیں، جنہیں ضرور حل کیا جاسکتا ہے، آپ کی چاہت ہرگز یہ نہ تھی کہ یہ اختلافات اپنی حدوں اور سرحدوں کو پلانگ کر انتشار وافتراق کے حدود میں داخل ہوجائیں، مگر ایسا نہ ہوسکا، وقت کے ساتھ ساتھ آئے دن نت نئے مسائل ومشکلات کے بھوت نے لوگوں کو نگل لیا، اس وقت کے واقعہ جہاں تک سننے میں آیا کہ ان بزرگوں کے مابین پائی جانے والی عدم مفاہمت کو توڑنے والا کوئی بھی نہیں تھا، ایک ایسی تنظیم جو صرف اور صرف ملک وقوم کی بہبودی وفلاح کی خاطر میدان کارزار میں اتری تھی، اس کے عالی مقام مرکزی رہنماؤں و قائدین اندر ہی اندر میں دو مختلف دھڑوں میں بٹ گئے تھے، ہر ایک دھڑے کے افراد دوسرے دھڑے کے لوگوں کو اپنے معارض ومخالف سمجھ رہے تھے، جیسے کہ قائد حبیب کے مخالفین جن میں خود ڈاکٹر صاحب بھی بعد میں شامل ہوچکے تھے، انہوں نے قائد کے خلاف پیدا شدہ یا پیدا کئے گئے اعتراضات میں سے اس اعتراض کو خوب اچھالا کہ:

''ان کی دانست میں قائد حبیب ایسے چند حضرات سے خاصے پیوست ہوچکے ہیں جو ان کو معاملہ کی گہرائیوں تک پہنچنے نہیں دیتے ہیں، یہ حضرات اپنی آراء دمشوروں کے ذریعے قائد کو راہ راست سے ہٹاتے بھی ہیں اور معاملہ کی گہرائیوں تک پہنچنے بھی نہیں دیتے ہیں، معارضین کے خیال میں قائد حبیب ان کے اپنوں کی آراء اور مشوروں کی اتنی قدر کرتے ہیں کہ کسی فیصلے کے خلاف ان حضرات معارضین کے مشورے سامنے آئے تو قائد لیت ولعل جیسی کمزوری کے شکار ہوجاتے ہیں''۔

الغرض اسی دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے قائدین، اراکین، محبین اور متعاونین میں تنظیم اور قائد تنظیم کے حوالے سے بنیادی طور پر تین قسم کے خیالات پائے جاتے تھے، جنہیں آراء بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

(۱) وہ حضرات جنہوں نے قائد محمد جعفر حبیب کی (نہ صرف فدائین محاذ کے دوران بلکہ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کے زمانے میں) حمایت کی تھی، ان میں جناب صالح احمد صاحب (چیرمین وسابق قائد جہاد کونسل) جناب محمد یونس، جناب ماسٹر دلیل احمد رنگیا دنگی، جناب سجاد حسین روا سوگری وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کے خیالات اس باب میں اتنے معلوم ہوسکے کہ ان کا کہنا تھا کہ:

''جو حضرات جناب قائد حبیب کی مخالفت کررہے ہیں، وہ اس میدان میں ابھی تک ناتجربہ کار ہیں، یعنی ان کی مخالفت میں اور کچھ ہو یا نہ ہو مگر ان کی ناتجربہ کاری کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں، گو کہ ان کی اکثریت تعلیم کے اسلحے سے لیس ہیں، اس میدان میں تعلیم وثقافت کے ساتھ ساتھ جن تجربات کی ضرورت ہے وہ ابھی تک انہیں حاصل نہیں ہیں، جب کہ قائد حبیب اس میدان کی نس نس سے واقف ہوچکے ہیں، وہ منجھے ہوئے لیڈر اور قائد ہیں، ان کے مقابلے میں تا حال روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں ایسے قائد نظر نہیں آتے جو محاذ کی قیادت کرکے اس کے ذریعے ملک وقوم کے درپیش مسائل حل کرسکتے ہوں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی بھی قیمت میں جناب قائد حبیب منصب صدارت وریاست سے نہ مستعفی ہوجائے، اور نہ انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کیا جائے''۔

چنانچہ اس گروپ میں میرے علم کی حد تک مجاہدین کے تقریبا تمام جوانان ونوجوانان شامل تھے، مجاہدین قائد حبیب ہی کی قیادت چاہتے اوران کی قیادت کو وقت کی ضرورت سمجھتے تھے، ان جوانوں میں محمد علی دھودائنگی، حبیب الرحمن سائندہ فاروی وغیرہ شامل تھے۔

(۲) وہ حضرات جنہوں نے قائد حبیب کی مخالفت کی تھی، ان کے خیال میں قائد نہ صرف ایک

قدامت پرست لیڈر رہیں بلکہ انہیں انقلاب کے میدان میں چلنے والی جدت کی ہوا تک نہیں لگی ہے، ان کے مطابق قائد کے تمام تر خیالات وآراء قدامت پرستی پر مبنی ہیں، اب وقت کی ضرورت ہے کہ ایک ایسا قائد ورہنما سامنے آئے جو وقت اور ماحول کی فضاء کو سمجھ سکے اور ملت وقوم کے درپیش مسائل کی تحلیل وتجزیہ کر کے ان سے نتائج اخذ کر سکے، جو ملت وقوم کی بہبودی اور فلاح کے حوالے سے کام کے قائد ہو، علاوہ ازیں اس گروپ کے بعض افراد نے یہاں تک خیالات ظاہر کئے کہ قائد حبیب کے ماضی کے کردار جو بھی ہوں لیکن اس وقت وہ کام کے آدمی نہیں رہے ہیں، انہوں نے قائد پر الزام لگایا کہ وہ بڑے سست، کاہل اور نکمے ہیں، جو وقت کے مطابق جدیدیت کے علم وفکر سے واقف نہیں ہیں، اس لئے اب ان کے مطابق ضرورت اس بات کی ہے کہ قائد حبیب فوراً منصب صدارت سے مستعفی ہو جائیں اور قیادت کی باگ ڈور ایسے ایک لیڈر کا حوالہ کر دیا جائے جو علم وہنر اور فکر وفن کے اسلحے سے لیس ہونے کے ساتھ اس کی افکار وکردار قدامت وجدت کے سنگم ہوں، اس گروپ میں پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، شبیر حسین، اڈووکٹ نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس شامل تھے، چنانچہ اس کشمکش کے دوران اسی گروپ کے چند حضرات نے مجاہدین کے ایک سے زیادہ اعلی قیادت کو اپنا بھی لیا تھا، مگر ان کی تمام تر کوششوں کو بعد کے حالات نے ناکام بنا دیا تھا۔

(۳) تیسرے گروپ میں قوم کے چند معمر حضرات شامل تھے، جن کی رائے یہ تھی کہ سردست پیدا ہونے والے حالات کے پیش نظر قائد حبیب علانیہ منصب صدارت سے مستعفی ہو کے ان کے تمام اختیارات قوم کے چند معمر اور تجربہ کار بزرگوں کے حوالے کر دئیے جائیں، ویسے جہاں تک معلوم ہو سکا کہ مجاہدین اور قائد کے بعض حامیوں کے احتجاج کے باوجود قائد کو اس موخر الذکر حضرات کی رائے یا مشورہ ایک گونہ پسند بھی آیا تھا، لیکن معارضین کی اکثریت کو یہ مشورہ اس لئے پسند نہ آیا کہ جن حضرات کو قائد اپنے اختیارات سونپنا چاہتے تھے، ان پر بھی معارضین کا پورا اعتماد نہیں تھا، پھر بھی قائد حبیب نے اپنوں کے مشورے سے مجاہدین کے احتیاج کے باوجود عہدہ صدارت سے مکمل مستعفی ہوئے بغیر اپنے تمام اختیارات چار سن رسیدہ بزرگوں کا حوالہ کر دئے تھے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اختیارات سونپے جانے کے باوجود بعد کے حالات کی وجہ سے ان بزرگوں کی کوششیں بھی کام

نہ آسکیں، یوں اختلافات آگے چل کر افتراق وانتشار کی وادیٔ پرخار تک پہنچ گئے تھے۔

ابھی محاذ میں اختلافات اور باہمی کشمکش عروج پر تھی کہ روہنگیا برادری کی ایک نامور شخصیت جناب امام حسین داروغہ صاحب امریکہ سے سعودی عرب ہوتے ہوئے بنگلادیش آئے، جہاں تک معلوم ہوا کہ آپ کو روہنگیا مسلمانوں کے اندوہناک حالات نے کشاں کشاں یہاں لایا تھا، موصوف بڑے دردمند انسان تھے، بڑے جذبات اور تڑپ لئے یہاں آئے ہوئے تھے، چنانچہ ان کی تشریف آوری پر روہنگیا فدائین محاذ کے بعض اعلی اراکین نے آواز اٹھائی کہ محاذ کی قیادت کی باگ ڈور ان کا حوالہ کر دیا جائے، نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب بشمول ان کے ہمنوا جناب امام حسین صاحب کی وقت پر تشریف آوری کو محاذ اور قوم کے لئے نعمت عظمی سمجھ رہے تھے، مگر محمد جعفر حبیب کو چاہنے والے مخالفین کے اس مطالبہ کو ایک ناروا مطالبہ قرار دے رہا تھا، مگر اختلافات کی وجہ سے بگڑتے حالات کو دیکھ کر قائد حبیب کو چند دل جلے حضرات نے مشورہ دیا کہ آپ منصب صدارت سے مستعفی ہو کر زمام قیادت امام حسین صاحب کا حوالہ کر دیں۔

امام حسین صاحب نے دستور العمل کا ایک مسودہ تیار کر کے واپسی کی راہ لی اور قائد حبیب کو مشورہ دیا کہ دستور کے مطابق آپ چند دن کے اندر کانگرس کا اجلاس بلالیں، چنانچہ قائد نے ۲۷/اگست/۱۹۷۸ء میں معسکر میں کانگرس کا اجلاس بلایا، جس میں اٹھارہ ممبروں نے حاضری دی، اور دستور بھی تھوڑے اضافے وترمیم کے بعد پاس کر لیا گیا، پر ۲۹/اگست/۱۹۷۸ء کو انتخابات کے نتیجے میں محمد جعفر حبیب اگلے تین سال کے لئے عہدۂ صدارت پر بحال ہو گئے، صدر نے مجلس عاملہ کے ممبران کے نام پیش کئے تو کانگرس نے انہیں منظور کر لیا تھا۔

کانگرس کے اس اجلاس کے بعد جناب نور الاسلام اور ہمارے ممدوح جناب ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم خیال روہنگیا فدائین محاذ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے، اور انہوں نے چند دن جاتے نہ جاتے ایک علیحدہ تنظیم بنام ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کا اعلان کر دیا، بعد میں اس تنظیم نے ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا، جس کی تفصیلات ایک علیحدہ عنوان کے تحت ہیں۔

ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMD)

آگست/۱۹۷۸ء کے بعد سے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اعلی اراکین کے مابین ایک گونہ خلفشاریاں شروع ہوگئی تھیں، محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس پروفیسر محمد زکریا اور جناب حبیب الرحمن صاحب جیسے لوگ تنظیم سے بچھڑ گئے تھے، پھر بھی روہنگیا فدائین محاذ کے اعلی اراکین کا دعوی تھا کہ ان کے بچھڑ جانے سے تنظیم کا اتنا نقصان نہیں ہوگا جتنا عام لوگ سمجھ رہے ہیں، چنانچہ قائد حبیب کی انتھک محنت اور مسلسل جد وجہد اور مجاہد جوانوں کی وفاداری اور سعی و کوشش سے روہنگیا فدائین محاذ اب بھی منزل کی طرف رواں دواں تھی، ان لوگوں نے تنظیم کی ترقی کے لئے بڑی جانفشانیاں اور قربانیاں کیں اور اس حوالہ سے رات دن کو ایک کردیا تھا، اس سلسلے میں ایک بات یاد رہے کہ آگست/۱۹۷۸ء کے بعد اگرچہ جناب شبیر حسین (BA) فوئما لوی چند دن تنظیم سے علیحدہ ہو گئے تھے، لیکن محمد جعفر حبیب نے اپنی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں پھر سے قریب کرلیا تھا، اسی طرح جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ اگرچہ جناب حبیب الرحمن صاحب بھی تنظیم سے بچھڑنے والوں کے ساتھ بچھڑ گئے تھے مگر قائد حبیب ان کو بھی اپنے قریب بلانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ کی بعض کامیابیوں کے سلسلے میں ایک بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ۱۹۷۶ء میں فدائین محاذ عالم اسلام کے ایک معروف انقلابی ملک اور وہاں کے ارباب بست وکشاد سے قربت حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکی تھی، اس انقلابی ملک نے بامعنی اعانت کی تھی، اگرچہ فدائین محاذ میں خلفشاریوں کی بیماری لگ چکی تھی مگر اس ملک کے ساتھ جو کام وابستہ تھا، چلتا ہی رہا تھا، البتہ خلفشاری کی وجہ سے کام کی رفتار میں کچھ کمی آگئی تھی، بعد میں معارضین کے بچھڑ جانے کے باوجود شبیر حسین اور حبیب الرحمن وغیرہ کی واپسی کے بعد اس کی رفتار میں تیزی آگئی تھی، جس کی تفصیلات کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے۔

ادھر جناب نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم نوا اور ان سے ہم آہنگ حضرات بھی ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے نہ تھے، انہوں نے فدائین محاذ سے بچھڑنے کے چند دن بعد ارکان مسلم

آرگنائزیشن (AMO) نامی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، تو ظاہر ہے کہ ارکان مسلم آرگنائزیشن کے اعلان کے ساتھ اب قوم کا متحدہ محاذ دو دھڑوں میں منقسم ہو چکا تھا، دونوں دھڑے منزل کی طرف گامزن تھے، دونوں نے قوم کے باشعور افراد کو اپنے اپنے ہم نوا بنانے اور اپنانے کے لئے رات دن کو ایک کردیا تھا، اس حوالے سے آر پی ایف والوں کی طرح اے ایم او والے بھی کامیاب تھے، ویسے اے ایم او والوں نے بنگلا دیش کے علاوہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور پاکستان میں رہائش پذیر برادری کے بعض باشعور افراد کو اپنا ہم نوا بنالیا، جس سے اس نئی تنظیم والوں کے حوصلے بلند ہوئے، اور سچ تو یہ ہے کہ ان مذکورہ ملکوں میں رہائش پذیر بعض باشعور لوگوں کے یہاں اے ایم او والوں کی پذیرائی کی وجہ سے اس نئی تنظیم میں ایک گونہ جان بھی آگئی تھی، یاد رہے کہ وہاں والوں کو اپنانے کے سلسلے میں محترم نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس نے مختلف دورے بھی کئے، دونوں تنظیمیں اپنے آپ کو قوم کی واحد نمائندہ ہونے کا دعوی اور مظاہرہ کررہی تھیں، دونوں نے منزل کی طرف اپنا علیحدہ راستہ بنانا شروع کردیا تھا، اگرچہ اے ایم او کے زمانے میں ان دونوں حضرات نے اپنے آپ کو برتر اور اپنے مخالف کو فروتر دکھانے کی کوشش میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی، مگر میدان میں ان دونوں تنظیموں کے مابین کوئی قابل ذکر افراتفری کی بات معلوم نہیں ہوسکی۔

ارکان مسلم آرگنائزیشن کے سائے تلے ڈاکٹر محمد یونس اور نورالاسلام نے تنظیم کو ہر ایک اعتبار سے آگے بڑھانے کی مسلسل کوشش کی، اس حوالے سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی بنگلا دیش کے اہل حل وعقد سے رابطہ استوار کرلیا تھا، اور جماعت نے بھی ان دونوں کی نہ صرف حمایت کی بلکہ مادی ومعنوی ہر اعتبار سے اس مظلوم قوم کی تنظیم کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا تھا، اگرچہ بعد کے حالات نے ظاہر کیا کہ جماعت کے تعاون وحمایت نے ہماری اندرونی سیاست کے علاوہ ہمارے حالات کو کچھ نقصان بھی پہنچایا مگر اس تعاون واکرام کو ہمارے اسلامی انقلاب و سیاست کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس سے نہ صرف اے ایم والوں کا فائدہ ہوا بلکہ آگے چل کر ہماری برادری کے بعض اسلام پسند باشعور افراد کو اسلامی سیاسیات وانقلاب سے نہ صرف

روشناس کرایا بلکہ فریضۂ اقامت دین کے حوالے سے ان کے کردار و عمل میں ایک انقلاب سا آ گیا تھا، جماعت اسلامی سے اس تنظیم کی وابستگی کی وجہ سے اگرچہ اے ایم او کے کچھ اعلی قیادت کے مابین اختلاف بھی پیدا ہوا، مگر ارکان مسلم آرگنائزیشن نے جب روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا تو اس موخر الذکر تنظیم میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے جو بنیادی اعانت ملی وہ جماعت اسلامی کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے ملی تھی، بہر حال راقم الحروف کے نزدیک ڈاکٹر محمد یونس اور نور الاسلام بشمول ان کے ہم آہنگ افراد نے مل کر روہنگیا قوم کی اس نومولود تنظیم کے ذریعے قوم کے بعض افراد کو اسلامی سیاست وقیادت سے جو روشناس کرایا وہ من حیث المجموع ان لوگوں کے قوم پر بھاری احسان کا عین مترادف ہے۔

روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل:

پچھلی سطور میں جس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ اے ایم او کے اعلان کے بعد ہماری قومی سطح پر متحرک دو تنظیمیں آ چکی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ جو مسلح تھی وہ اللہ تعالی کی تائید ونصرت سے منزل کی طرف رواں دواں تھی، اختلافات کے دوران بھی اس نے ہماری سیاست وانقلاب کے حوالے سے بہت سی کامیابیاں حاصل کیں، مخصوص طور پر قوم کے بہت سارے نو جوانوں کو مسلح جدو جہد کے لئے زیور تربیت سے آراستہ کیا، عالم اسلام کے ایک انقلابی ملک کے تعاون سے ہمارے بہتوں جوان ونو جوانوں گوریلا تربیت سے ہمکنار کیا، اسی طرح اے ایم او اگرچہ مسلح نہ ہوسکی تھی مگر اس نے بھی اپنے مجاہد جوانوں اور نو جوانوں کو تعلیم وتربیت سے آراستہ پھر مسلح کرنے کے لئے کوشش میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی، اے ایم او کا اعلان ہوا ابھی تین ساڑھے تین سال سے زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس نے تنظیم کے نام کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا، یوں محترم نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحبان اور ان کے ہم آہنگ دوستوں اور اراکین کے متفقہ فیصلہ سے اے ایم او کی جگہ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہو گیا تھا۔

روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن میں جناب محترم نور الاسلام صاحب پہلے موسس صدر منتخب

ہوئے، جب کہ اس تاسیسی مجلس عاملہ میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب نائب صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے، ان دونوں رہنماؤں کے علاوہ اس نئی تنظیم کے اولین موسسین میں پروفیسر محمد ذکریا، اظہار میاں ایم پی، جناب سعید الرحمن راموی یا فاروی بھی شامل تھے، علاوہ ازیں اس وقت سعودی عرب میں مقیم مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلی اور جناب محمد اقبال باغگونوی بھی ایک روایت کے مطابق پیش پیش تھے، یاد رہے کہ آر ایس او کی تشکیل کے بعد مولانا سیف الاسلام اور محمد اقبال صاحبان کو مرکز میں بلا لیا گیا، یوں ان دونوں حضرات نے بھی اس تنظیم میں اس وقت نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

ارکان مسلم آرگنائزیشن کے زمانے میں قوم کے بعض دل جلے حضرات نے بڑی کوشش کی کہ روہنگیا فدائین محاذ سے بچھڑے ہوئے افراد کو پھر واپس بلا کر قومی تحریک کو ایک متحدہ پلیٹ فارم میں لایا جائے، مگر ان کی کوشش کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا، اب روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کی تشکیل عمل میں آئی تو ان دل جلے حضرات سمیت قوم کے حالات پر سوچنے والوں کو یقین ہو گیا کہ ان دونوں گروپوں کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کرنے کی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی، البتہ اب کی بار کوشش یہ ہوئی کہ یہ دونوں گروپ اگرچہ علیحدہ علیحدہ پروگرام میں سرگرداں ہیں، مگر دونوں کو آپس میں متحارب ہونے سے بچا لیا جائے، بصورت دیگرے قوم کے ان تعلیم یافتہ حضرات کے منور چہرے پر بھی ہمارے پچھلے بزرگوں کی طرح اختلاف پھر افتراق اور رسہ کشی جیسی بدنامی کا ٹیکہ لگ جائے گا، اور ایسی ایک قوم جس کی امیدیں ان حضرات سے وابستہ تھیں مایوسی اور ناامیدی کے بھنور میں پھنس جائے گی، مگر افسوس ہے کہ آگے چل کر قوم نے از سر نو یہ دیکھا کہ میدان عمل میں ان حضرات کی کارکردگی ان کے پچھلوں کی کارکردگی سے کوئی مختلف نہ تھی، الا یہ کہ ان کے پچھلوں کے دامن میں جہالت اور ناخواندگی کا دھبہ تھا تو ان حضرات کے دامن تعلیم وثقافت جیسے خوب صورت الزام سے مزین، اب قوم روئے تو کن پر روئے؟۔

بہر حال قومی سطح پر اب دو تنظیمیں باضابطہ طور پر وجود میں آ چکی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین وغیرہ کی قیادت میں ایک طرح کی بحرانی حالت سے دوچار ہونے کے باوجود

کام کو آگے بڑھا رہی تھی تو دوسری طرف روہنگیا سائیڈیریٹی آرگنائزیشن بھی جناب نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کی رہنمائی میں اپنے مقاصد کی طرف قدم بڑھا رہی تھی، موخر الذکر تنظیم بھی بڑی تگ ودو کے بعد چند اسلحے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تو روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے دو مسلح گروپ ایک دوسرے کے مخالف سامنے آگئے، دونوں ایک دوسرے کے معاند ومتحارب ہو کے رسہ کشی کے دوڑ میں لگ گئے تھے، ہر ایک نے اپنے کو برتر اور اپنے مخالف کو فروتر ثابت کرنے کی کوشش شروع کردی تھی، روہنگیا فدائین محاذ (RPF) والوں نے راگ ایسی چھیڑی کہ روہنگیا سائیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا مطلب روہنگیا اسمگلنگ آرگنائزیشن ہے، اس راگ کی وجہ سے ہمارے انقلاب وسیاست کے بعض ماحول میں شور وواویلا بھی ہوگیا تھا۔

لیکن ایسے موقع پر بھی محترم ڈاکٹر محمد یونس بڑے بردوبار ثابت ہوئے، آپ کا نقطۂ نظر اپنے ساتھیوں میں سے بعض حضرات کا بالکل خلاف تھا، وہ اپنے اس نومولود تنظیم کے خیالات، آراء اور تمام کردار وعمل کو اسلامی تصورات وخیالات سے مزین ومنور دیکھنا چاہتے تھے، آپ کا ایک نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہم نے اگرچہ بعض معقول وجوہات کی بنیاد پر روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدہ تنظیم قائم کرلی ہے مگر ان اپنے ہی بھائیوں کی دشنام طرازی اور بدنامی ہمیں ہرگز پسند نہیں، میدان عمل میں ان کو بھی اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کام کرنے کا حق ہے، ہمیں ان کی راہوں میں سنگ گراں گرانے کے بجائے اگر ہو سکے تو ان کا تعاون کرنا چاہئے، کیوں کہ حقیقت میں دونوں کے مقاصد اور منزل ایک ہی ہے، اگرچہ بعض امور میں اختلافات اور طریقۂ کار میں فرق بھی کیوں نہ ہو، اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے ایک ساتھی کا بیان ملاحظہ ہو کہ:

''ہر چند کہ ڈاکٹر صاحب روہنگیا فدائین محاذ کے بعض حضرات کی سیاسی اور بعض نجی زندگی پر اسلامی اخلاقیات کے تناظر میں اندیشے بھی رکھتے تھے، مگر ان کی ان کمزوریوں کو برسر عام اچھالنے کے سخت مخالف تھے، تاہم بعض خاص مجلس میں ان لوگوں کی ایسی کمزوریوں کا جن کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ جیسی اپنے وقت میں قوم کی واحد نمائندہ تنظیم کا نقصان (ڈاکٹر صاحب کے خیال میں) ہوا

اور آئندہ بھی ہونے کا امکان یا اندیشہ تھا، بڑے خوبصورت الفاظ وپیرائے میں اشارہ کرتے تھے، آپ غیبت جیسی بلا کے سخت مخالف تھے اور اب بھی شدید متنفر ہیں، آپ کی کوئی بھی تنقید ایسی نہ تھی اور اب بھی نہیں ہے جسے تنقید برائے تنقید کہا جاسکے، آپ کی تنقید برائے اصلاح یا برائے تربیت ہوتی ہے، انداز تنقید بھی اصولاً بڑا نرالا ہوتا ہے، آپ کی تنقید میں سننے والے غیبت جیسی برائی کا شوشہ نکال نہیں سکتے ہیں''۔

بہر حال روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) روہنگیا فدائین محاذ کی مساوی نہ ہو تو بھی مسلح ضرور ہو چکی تھی، ڈاکٹر محمد یونس اور نورالاسلام وغیرہ کے علاوہ مولانا سیف الاسلام صاحب کی انتھک کوشش نے اس تنظیم کو جماعت اسلامی بنگلا دیش اور بعد میں جماعت اسلامی پاکستان والوں سے قریبی رشتہ استوار کرنے میں کامیاب کردیا تھا، محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں اس نومولود تنظیم نے رہ رہ کر اپنے اسلامی تربیتی پروگرام کے ذریعے اپنے لوگوں کو اسلام کے سیاسی اور انقلابی خیالات سے بھی آشنا کر رہا تھا۔ ایسے حالات میں قوم کے اہل نظر نے ایک بار پھر سے دیکھا کہ خلفشاری، اختلافات اور پھر افتراق کی بنیاد پر ابھرنے والی یہ تنظیم پھر اختلافات اور باہمی رسہ کشی کے دلدل میں پھنس گئی ہے، ۱۹۸۲ء کا زمانہ تھا کہ جناب نور الاسلام بشمول ان کے ہم خیال حضرات ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے بعض خیالات وحالات پر نالاں اور برگشتہ ہو گئے تھے، اس حوالے سے کی گئی تمام باتوں سے صرف نظر یہاں ایک بات بڑی قابل ذکر ہے کہ نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ:

''سرزمین بنگلا دیش میں جماعت اسلامی کے علاوہ بھی دائیں اور بائیں بازو کی چند اور بڑی سیاسی تنظیمیں یہاں قوم کی نمائندگی کر رہی ہیں، نظریاتی تناظر میں دیکھا جائے تو بائیں بازو کی تقریباً ساری کی ساری تنظیمیں جماعت اسلامی کی مخالف ہیں، اب روہنگیا جیسی ایک کمزور، مجبور اور معذور قوم اور اس کی ایک جماعت نے جماعت اسلامی سے رشتہ قائم کرلیا تو بنگلا دیش کی تمام مخالف

تنظیمیں روہنگیا مخالفت پر اتر آئیں گی، جسے تحمل کرنا ہماری بس کی بات نہیں ہے
،اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بنگلا دیش کی تمام بڑی جماعتوں سے
دوستانہ تعلقات پیدا کرسکیں یا نہ سکیں لیکن ہمارے خلاف ان کی مخالفت کا سرو
سامان خود ہمیں پیدا کرنے سے ضرور بچنا چاہئے‘‘۔

بعد کے حالات اور واقعات سے یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ اس وقت محترم نور الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے جو خدشہ یا اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ بالکل صحیح نکلا، بنگلا دیشں کی بائیں بازو کی جماعتوں جن میں بنگلا دیش عوامی لیگ سرفہرست ہے نے اس کی مخالف تنظیم جماعت اسلامی کے ہر کردار وسرگرمیوں کو جو اس تنظیم کی مخالف ہوسکتی ہیں روہنگیا مسلمانوں اوران کی جماعت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے ساتھ جوڑنا شروع کردیا۔

ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی بنگلا دیش عوامی لیگ کی نظر میں ایک دشمن قوم ووطن ہے، ان کی ہر دینی و ملی، قومی ووطنی سرگرمیاں بھلا ملک وقوم کے لئے کتنی ہی مفید کیوں نہ ہوں، عوامی لیگ انہیں قبول کرنا تو کجا برداشت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، عوامی لیگ کی یہ جماعت اسلامی دشمنی نے فلسطین میں یہودیوں کی اسلام دشمنی کو بھی سرنگوں کردیا ہے، غرض بائیں بازو کی تنظیموں کی اس جماعت اسلامی دشمنی کی لپیٹ میں ارکان کے یہ نہتے مسلمان بھی آ گئے تھے، یہ سلسلہ جو اس وقت شروع ہوا تھا وقت کے ساتھ آگے بڑھتا ہی رہا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ علاقۂ چاٹگام تو کجا، ڈھاکہ، پریسال، کلنا سلہٹ غرض بنگلا دیش کے کسی بھی علاقے میں جماعت اسلامی یا دیگر کسی بھی اسلامی جماعتوں سے ملحق کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آیا تو اسے اسلام دشمنوں نے کھینچ تان کر روہنگیا مسلمانوں سے جوڑنا شروع کردیا، اوران بائیں بازوؤں کالے پالک اور ہم نوا میڈیا والوں نے اس سلسلے میں بڑا ہی کمال کردیا تھا کہ بنگلا دیش کے کسی بھی علاقے میں کوئی چوری، ڈکیتی، رہزنی، اغوا یا اس قسم کی اورکوئی ناروا حرکات رونما ہو جاتیں تو خواہ مخواہ معاملے کو آگے بڑھا کر سارا الزام روہنگیا بے زبان مجبور ومظلوموں کے سر پر دے مارا، یوں وقت کی رفتار کے ساتھ یہاں کے وہ عوام جن کے دل ہر وقت ان مظلوم ومعصوم روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت پر رویا کرتے تھے، وہ بڑے مخمصے میں پڑ

گئے، ان کی اکثریت یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ آیا یہ روہنگیا ظالم ہیں یا مظلوم؟۔

اس الزام تراشی کے حوالے سے چلتے چلتے اور ایک بات بتاتا جاؤں کہ ۱۹۷۸ء پھر ۱۹۹۱ء کے علاوہ بھی رہ رہ کر روہنگیا مسلمانوں کے ترک وطن کی وجہ سے یہاں بنگلا دیش میں جو حالات پیدا ہوئے، ان کے دیگر گوشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف معاشرتی نقطۂ نظر سے جو بات کہنی ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ بنگلا دیش ایک غریب ملک ہے، یہاں کے عوام کی اکثریت معاشی اعتبار سے مفلوک الحال ہے، انہوں نے یہی سوچا کہ روہنگیا مسلمانوں کی اس بڑی تعداد میں بنگلا دیش آمد اوران کا یہاں قیام معاشی نقطۂ نظر سے ان کے لئے ایک بڑی مصیبت ہے، جب کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ بنگلا دیش کے مسلمان ارکان کے مسلمانوں کو بنگالی الاصل سمجھتے تھے، یوں ایک تو مسلمان پھر بنگالی ہونے کے ناطے یہاں کے مسلمان ارکانی مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہونے کو اپنا دینی اور قومی فریضہ سمجھا کرتے تھے، ۱۹۷۱ء کے بعد بنگالیوں کے اندر قومی جذبات کی رو چلی تو انہوں نے دیکھا کہ ارکان کے مسلمان بنگالیت کی شناخت سے پچھڑ کر ایک علیحدہ قومیت ’’روہنگیا‘‘ ہونے کے مدعی ہیں، اور تو اور ارکانی مسلمانوں کی اکثریت کو بنگالیت سے ایک قسم کی چھیڑ بھی ہے، میڈیا والوں نے اس بات کو خوب اچھالا اور بنگلا دیش کے مسلمانوں کی اکثریت کے سامنے ارکانی مسلمانوں کے چہرے کو ایسا بھدا بنا کر پیش کیا کہ گویا یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جس کے دور دور کا تعلق بھی بنگلا دیشی مسلمانوں سے نہیں ہے، ارکان کے مسلمان جنگلی ہیں، وحشی ہیں، تہذیب وثقافت سے عاری ہیں، حتی کہ ان مظلوم مسلمانوں کے خلاف ایسی ہوائیں چلیں یا چلائی گئیں کہ روہنگیا مسلمانوں کا ترک وطن اور بنگلا دیش میں ان کی پناہ گزینی بنگالیوں کے لئے ایک ایسی بلا ہے جو ٹالنے سے نہیں ٹلی جاتی ہے، ویسے بھی ظاہر ہے کہ مجبور انسانوں سے بعض ایسی ایسی کمزوریاں بھی ظاہر ہوتی ہیں جو حقیقت میں اصلی وجوہری نہیں بلکہ وقتی ہوا کرتی ہیں، پھر یاد رہے کہ جس طرح پچھلی سطور میں گزارش کی گئی ہے کہ میڈیا والوں نے ان مظلوم ومعصوم مسلمانوں کی ایک سوچے سمجھے پلان کے مطابق کرید کرید کر ایسی ایسی کمزوریاں نکالیں، جن کے دور دور کا واسطہ بھی ارکانی مسلمانوں سے نہیں، دراصل یہ ایک خطرناک سازش تھی، جو اسلامیان ارکان وبنگلا

دیش کے خلاف چلائی گئی تھی، یوں آج کل نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنگلا دیش میں لفظ ''روہنگیا'' ایک قسم کی گالی بن گیا ہے، خدا جانے بھائیوں کے مابین سازشی طور پر پیدا کی گئی یہ دوری کب اور کہاں جا کر مٹنے والی ہے، دراصل بھائی دور تھا تو اچھا ہی تھا، لگاؤ تھا، محبت تھی، قریب آیا تو لگاؤ عداوت اور الفت نفرت میں بدل گئی ہے، خدا معلوم ان کے درمیان ایک ایسا قائد یا ایک ایسی جماعت کب پیدا ہوگی جو اس نفرت وعداوت کے خلیج کو مٹا کر دو بھائیوں کے درمیان پھر سے محبت دلگاؤ کی فضاء قائم کردے، جو وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، ورنہ اپنے بھائیوں سے جو امیدیں وابستہ ہیں، وہ دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

جماعت اسلامی سے تعلقات کے حوالے سے نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے خیالات کا ایک گوشہ تو ظاہر کیا گیا ہے، پھر ان کے دوسرے گوشے کے متعلق ہمارے ایک حاذق و تجربہ کار سیاست دان کے کچھ اس طرح کا بیان ہے کہ:

> ''محترم جناب نورالاسلام صاحب سرزمین ارکان کے دینی ودعوتی ماحول کے تناظر میں جماعت اسلامی کی دعوت، تربیت وتحریک کو سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات کے لئے مفید نہیں سمجھتے تھے، ظاہر ہے کہ ریاضیات کے اصولوں اور ضابطوں کی طرح انسان کی اطمینانی اور بے اطمینانی کو لفظوں کی شکل میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ممکن ہے کہ اس کے اسباب مختلف النوع ہوں، ان کا تعلق ماحول کے اختلافات، ذاتی تجربات، ذہنی ارتقاء ونشو ونما اور ذاتی مطالعہ سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت واستعداد پر بھی ہوسکتا ہے، انسان کی ہر ذہنی وقلبی معاملات کو الفاظ کی گرفت میں لانا ایک بڑا مشکل بلکہ ایک ناممکن کام بھی ہے''۔

دوسری طرف ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے کچھ خیالات کو بھی اس باب میں مطالعہ کیجئے کہ اگرچہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی تعلیم اور آپ کا نشو ونما ارکان کے سرکاری اسکولوں، برما کے کالج اور یونیورسٹی میں ہوا تھا، اور وہ بھی ایک ایسے زمانے اور ایسا ماحول میں جہاں ہر کجا لادینی نظریات و افکار، سوشلزم اور کمیونزم کا دور دورہ تھا، لیکن ڈاکٹر صاحب سے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ہم بجا طور پر

کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنے تعلیمی زمانے کے ماحول اور مخصوص طور پر ان انسانیت دشمن افکار و نظریات سے متاثر نہیں ہوئے تھے، یوں تو ایک انسان اپنے تعلیمی ماحول اور وہاں پائی جانے والی شخصیتوں سے کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوتا ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کو توفیق خداوندی اور خاندانی وموروثی دینی اثرات نے ان لادینی بلکہ دین دشمن افکار ونظریات سے محفوظ رکھا تھا۔

اسلامی تعلیمات کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے ذہنی ارتقاء کا آغاز اس وقت سے ہوا جب آپ نے تعلیم سے فراغت کے کچھ عرصہ بعد اسلامی معلومات کے حصول کے لئے کمر باندھ لی، اور کچھ عرصہ کے بعد روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہوئے تو آپ نے اپنے دینی مطالعہ کے حدود کو اور بھی وسعت دی، بعد میں قسمت اور صدق طلب نے آپ کے سامنے وہ کتابیں حاضر کردیں جن سے وہ خود بھی متاثر ہوسکے اور دوسروں کو بھی ایک حد تک متاثر کرسکے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ کے حوالے سے جہاں تک مجھے معلومات حاصل ہیں، ان کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے جماعت اسلامی سے رابطہ ہونے کے بعد وہ نہ صرف جماعت اسلامی کے نہج دعوت وتحریک سے واقف ہوگئے بلکہ اسلامیان ہندو پاک کے دیگر اسلامی مکاتب فکر، اصلاحی کوششوں اور دینی تحریکوں جن میں ولی اللہی مکتب فکر کا ایک قابل قدر شاخ تحریک سید احمد بن عرفان الشہید ناقابل فراموش ہے سے مانوس ہوگئے تھے، علاوہ ازیں زار روس کے خلاف میدان گرمانے والی تحریک امام شامل داغستانی، اٹلی کے خلاف کی جانے والی کوشش تحریک سنوسی، ترکی میں بدیع الزمان سعید النورسی اور تحریک جماعت اخوان المسلمین سے مطالعہ کی حد تک واقف ہوچکے تھے۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے قدیم وجدید کی بہتوں اسلامی تحریکوں اور شخصیتوں کی کتابیں پڑھیں بالآخر آپ کو اس بات پر اطمینان ہوگیا کہ عصر حاضر کی کسی بھی لادینی نظریات وافکار سے متاثر ہوئے یا اپنائے بغیر سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات وفلاح کا انحصار ایک دینی اور ایمانی تحریک پر ہے، بخلاف اس کے ہر قسم کی اجتماعی وانفرادی کوشش نہ یہاں کے مسلمانوں کے لئے مفید نہیں اور مفید نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تعاون کے حوالے

سے ان جماعتوں سے اپنی امیدیں وابستہ کرلیں جو خالص للّٰہیت کی بنیاد پر دین کی سربلندی کے لئے سردھڑ کی بازی لگا رکھی ہوں، اس کی سمت مخالف کی کسی بھی نظریات وافکار اور جماعتیں روہنگیا قوم کے مستقبل کے لئے مفید نہیں ہوسکتیں، ان سے تعاون ونصرت کی آرزو اور تمنائیں کبھی بھی بھر آنے والی نہیں ہیں، ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ایک رفیق کار نے آپ کے دینی معلومات کے حوالے سے یوں اظہار خیال کیا ہے کہ:

> ''روہنگیا فدائین محاذ میں شمولیت کے بعد سے دیکھا گیا تھا کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا ذاتی رجحان اسلام کی طرف تھا، اور جماعت اسلامی کے ساتھ ان کی وابستگی کی وجہ سے ان کے اسلامی ودینی خیالات میں چار چاند لگ گئے تھے، در اصل انہی ایام سے آپ ایک سچے مسلمان بن گئے ہیں، قرآن کریم کی تفاسیر اور احادیث رسول اور کتب سیر ہر وقت ان کے سامنے رہیں، ان کے علاوہ دینی کتابوں پر ان کی خاصی نظر تھی، اس زمانے سے لے کر گفت گو اور خطابات کے دوران قرآن کریم کی آیات اور احادیث رسولؐ کے ٹکڑے پیش کرتے رہے ہیں، جن سے ان کی دینی معلومات کا صاف صاف اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالی ان کو مزید توفیق سے نوازے''۔

آر ایس او مولانا سیف الاسلام صاحب کی امارت میں:

۱۹۷۸ء کے بعد محترم نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحبان کی قیادت میں ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) وجود میں آئی، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں یہ تنظیم دوسرے اور ایک نام یعنی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے نام سے ابھری، لیکن یہ آر ایس او ۱۹۸۵ء کے درمیانی مہینوں میں داخلی رسہ کشی کے بحران کی نذر ہوگئی، محترم جناب نور الاسلام صاحب جو اس وقت آر ایس او کے صدر تھے وہ اور ان کے ہمنوا وہم خیال بشمول اس دھڑے کے تقریبا تمام مجاہدین جناب ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہمنوا وہم خیالوں سے بگڑ گئے، بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۳/ستمبر/ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا، جناب اظہار میاں ایم پی، جناب سعید الرحمن وغیرہ کو تنظیم سے خارج کردیا گیا، اب تنظیم دو علیحدہ دھڑوں میں تقسیم ہوگئی، دونوں کے نام آر ایس او ہی تھے، ان دونوں دھڑوں کے مابین خاصے اختلافات ہوگئے، اور نتیجے میں ان اختلافات نے آگے چل کر افتراق کا روپ دھارا، جن کی تفصیلات بڑی طولانی ہیں، دونوں دھڑے نے اپنے مخالف دھڑے پر الزام کا طوفان لا کھڑا کردیا، آگے چل کر یہی افتراق عداوت میں تبدیل ہوگیا اور اس وقت جو شکر رنجی، تلخی اور تندی مخالفت پیدا ہوئی تھی، آخر کار اسے ایک طویل مدت تک ختم نہیں کیا جاسکا، در اصل بات یہ ہے کہ جو تنظیم اختلافات کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے وہ ہمیشہ اختلافات اور افتراق کی شکار رہتی ہے، یہ ہماری سیاسی اور قومی تحریکی زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔

بہر حال تنظیم سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور آپ کے ہم خیالوں کو نکالے جانے کے بعد ان حضرات نے ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو پسند نہیں کیا، در اصل ڈاکٹر صاحب امید ویقین کے بڑے پختے نکلے ہیں، جہاں تک میں نے عملی طور پر دیکھا آپ نے ناامیدی اور بدحواسی کو اپنی کتاب زندگی سے ہمیشہ کے لئے باہر نکال پھینکا ہے، جبھی آپ پر پریشانیاں آئیں، آپ نے صبر وثبات کا مظاہرہ کیا ہے، جس کی درجنوں مثالیں آپ کی حیات میں موجود ہیں۔

۱۹۸۵ء کے اواخر میں اخراج کردہ اس دھڑے نے ایک علیحدہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان کردیا، جس کے نتیجے ہماری قومی سطح پر تین علیحدہ تنظیمیں ہوچکی تھیں:

(۱) روہنگیا فدائین محاذ: محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے جس کی قیادت اس دوران جناب شبیر حسین صاحب فوئما لوی کر رہے تھے، یاد رہے کہ بعد میں شبیر حسین صاحب نے نورالاسلام صاحب کی زیر قیادت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے مل کر ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) جیسا متحدہ پلٹ فارم قائم کرلیا تھا، جس کی تفصیلات راقم سطور کی تالیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۲) روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نورالاسلام دھڑا: دراصل ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کو تنظیم سے نکالے جانے کے بعد اس دھڑے میں اعلی قائدین کے حوالے سے ایک بحران پیدا ہو گیا، بالآخر نورالاسلام صاحب نے جناب شبیر حسین صاحب سے تعلقات پیدا کر کے ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل دی، جس کا اجمال اوپر گزر چکا ہے۔

(۳) روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) ڈاکٹر محمد یونس دھڑا: ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا اعلان ہوگیا تو اب آر ایس او کے نام سے ہماری قومی سطح پر یہی تنظیم رہ گئی تھی، جس کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلی کر رہے تھے، جو بعد میں قومی اور بین الاقوامی شہرت کی مالک ہوگئی تھی۔

۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر محمد یونس والی آر ایس او کی تشکیل کا اعلان ہوا، جس میں مولانا سیف الاسلام صاحب صدر/ امیر اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب نائب صدر/ نائب امیر مقرر ہوئے، میرے خیال میں اگر اس وقت ڈاکٹر محمد یونس صاحب چاہتے تو امیر بھی بن سکتے تھے، لیکن آپ نے یہی نہیں کیا بلکہ مولانا سیف الاسلام صاحب کو آگے کر کے اس بات کا بین ثبوت پیش کیا کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب اقتدار کے حریص نہیں ہیں، جب کہ قومی سطح پر اسی دھڑے کو انہی کے نام سے پہنچانا جارہا تھا، اب کی بار عملاً آپ نے یہ دکھا دیا کہ اسلامی بنیاد پر قائم ہونے والی ایک تنظیم میں ایک عالم دین ہی عہدۂ صدارت کے لئے موزون ہیں، اب لیجئے مجلس عاملہ کے اراکین کی فہرست:

(۱) امیر جماعت: مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلی۔

(۲) نائب امیر: ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغگونوی، منگڈوی۔

(۳) سکریٹری جنرل: پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری۔

(۴) سکریٹری برائے امور مالیات: سعید الرحمن صاحب راموی یا فاروی، تنگ بازاری۔

(۵) سکریٹری برائے نشرواشاعت: اظہار میاں صاحب (MP) تنگ بازاری۔

مولانا سیف الاسلام صاحب کی پیدائش شرف الدین بیل شمالی منگڈو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقہ میں پائی، بعد میں مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ کے اساتذہ سے استفادہ کیا، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے پاکستان کا سفر کیا، جہاں انہوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی پاکستان میں شامل ہو کر اس کی اعلی قیادت سے رابطہ پیدا کرلیا، حتی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ انہیں جماعت اسلامی کے مرکز لاہور میں کام کرنے کا موقع ملا، جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نے حضرت مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کو بہت قریب سے دیکھا، ان سے خاصے استفادہ بھی کیا تھا، یوں ان کی ذات میں تحریک جماعت اسلامی کی خاصی مثبت خصوصیات جمع ہوگئیں، مولانا امور تنظیم کے حوالے سے ہمارے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، ماشاءاللہ بڑے ہشیار، باریک بین، معاملہ فہم اور پختہ ارادے کے مالک انسان تھے، ان خصوصیات کے ساتھ بڑے اصول پرست بھی، چونکہ جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ تھے تو انہوں نے ہر حال میں اپنی تنظیم کو جماعت اسلامی کے اصول وضوابط اور اس کے طریقۂ کار کی پابند دیکھنا چاہا، مولانا ایک تحریک کے بنیادی اصولوں سے بڑی حد تک واقف انسان تھے، چند سال پہلے کی بات ہے کہ آپ سعودی عرب تشریف لائے تو جدہ میں ان سے میری بارہا ملاقاتیں ہوئیں، تب بھی آپ کا خیال یہی تھا کہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی فلاح وکامرانی کے لئے ایک ایسی تحریک ناگزیر امر ہے جس کے اصول وضوابط تمام تر قرآن وسنت سے ماخوذ ہوں، بخلاف اس کے ہماری کوششیں کامیاب نہیں ہوسکتیں اور ہماری تمام جدوجہد پچھلے زمانوں میں کی جانے والی جدوجہد کی طرح بے کار ثابت ہوجائیں گی۔

۱۹۸۵ء کے اواخر سے مولانا محترم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے امیر تھے، جن کی قیادت میں آر ایس او روز افزوں ترقی کی طرف گامزن تھی، اس زمانے سے لے کر آر ایس او نے جماعت

اسلامی کے تبلیغی، دعوتی اور تحریکی طرز دعوت کو اپنانا شروع کر دیا تھا، یہ دعوت آگے چل کر اس تنظیم کے لئے بار آور ثابت ہوئی، مولانا محترم تو ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ اور بعض حیثیت سے کہنہ مشق نمائندہ تھے، جبھی ان کی قیادت سامنے آئی تو جماعت اسلامی کی اعلی قیادت نے آر ایس او پر اپنی امیدیں وابستہ کر لیں، ہر طرح سے اس نے مولانا اور ان کی تنظیم کا حوصلہ بلند رکھا، تعاون کا ہاتھ بڑھایا، ہر طرح سے اس کی رہنمائی کی، غرض اسلامی دوستی، محبت، اخوت و بھائیچارگی اور خدمت کا حق ادا کیا تھا۔

مولانا محترم عہدۂ امارت پر فائز ہوئے تو مالی اعتبار سے آر ایس او میں جان آنی شروع ہوگئی تھی، اب ارکان کے علماء، دانشوران، دینی مدارس اور اسکول کالجوں کے طلباء اس جماعت میں شامل ہونے لگے، آر ایس او نے ان کی ہر طرح سے رہنمائی کی اور دعوت وتربیت کا ایک سنہرا دور شروع ہوگیا، جماعت اسلامی بنگلا دیش کی سرپرستی میں دعوت وتربیت کے حوالے سے پروگراموں پر پروگرام کا سلسلہ چلتا رہا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی خیالات سے محظوظ ایک مرتب جماعت پیدا ہوگئی، ہماری قومی زندگی پر مدتوں سے چھائی ہوئی کالی گھٹائیں چھٹنے لگیں، اداسی کی جگہ جوش وولولے دکھائے دینے لگے، نامرادی، مایوسی اور ناامیدی ختم ہوکر ان کی جگہ نوامیدی اور بلند حوصلگی کا سماں پیدا ہونے لگا تھا۔

۱۹۸۶ء سے لے کر اگلے چند سال ہماری قومی سطح پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نام کی صرف یہی ایک تنظیم تھی، جس میں جماعتی نظام وانتظام کے ساتھ اس کے قائدین، منتظمین اور کارکنوں میں بڑے جوش وولولہ اور بلند حوصلگی دیکھی گئی تھی، روہنگیا قومی سطح پر اس روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مقابلے میں دیگر کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اس جیسی متحرک، منظم اور سرگرم عمل ہوں۔

ظاہر ہے کہ ہمارے نئی تعلیم اور عصری علوم کے خوشہ چینیوں کو دنیاداری، مادیت پسندی اور نجی زندگی کی رنگ رلیوں کے حصول وطلب نے کسی معنی خیز اور عملی اقدام کے لئے کام کا نہیں چھوڑا، پھر علمائے کرام جن کے ساتھ ہماری غیر معمولی امیدیں اور توقعات وابستہ ہوتی ہیں، انہوں

نے زمانے کی چاہت، طلب، ضروریات اور عصری تقاضوں سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اپنے کو یخ بستہ میدان تیہ اور عالم جمود میں ڈال رکھا ہے، ایسے عالم میں آر ایس او میں شامل عصری تعلیم یافتہ دانشوران اور اسکولوں کالجوں کے طلباء نے یہ کر دکھایا کہ وہ میدان میں عملی طور پر کام کر دکھانے کے قابل ہیں، اسی طرح علمائے کرام اور مدارس دینیہ کے طلباء (جبکہ آر ایس او میں ایک روایت کے مطابق ان کی اکثریت تھی) نے بھی ثابت کر دکھایا کہ جماعت علماء میں بھی ایسی غیر معمولی استعداد، قابلیت، خود اعتمادی اور باقاعدگی ہے کہ وہ بھی میدان کو سر کر کے عصری تقاضوں سے عہد برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، ع:

اک ڈھیر ہے یاں راگ کا اور آگ دبی ہے

جس طرح عرض کی گئی ہے مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) روز ترقی کے مراحل طے کر رہی تھی، ادھر جناب محترم نور الاسلام والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے چند بڑے بڑوں کو نکالنے کے چند دن بعد روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے ساتھ اتحاد کر چکا تھا، ادھر جہاں تک میں جانتا ہوں کہ مولانا سیف الاسلام صاحب اس اعتبار سے بڑے باکمال نکلے ہیں کہ انہوں نے جماعت اسلامی کی رہنمائی سے عالم اسلام کے دیگر چند اسلامی رجحانات کی حامل جماعتوں اور شخصیتوں سے رابطہ استوار کر لیا تھا، جس کی وجہ سے ایک طرف اس تنظیم کی شہرت ہوئی تو دوسری طرف ان جماعتوں اور شخصیتوں کے تعاون سے مالی اعتبار سے اس میں جان آ گئی، جس سے کام کرنے میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی تھی۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے فریضہ اقامت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی آواز بلند کی، اور اس راہ میں قربانی دینے کا اعلان کر دیا تھا، اس حوالے سے اس تنظیم کی معروف ترجمان ''انصاف'' میں مولانا سیف اللہ خالد صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''آخر کار ۱۹۸۲ء میں اللہ کے کچھ نیک بندوں نے جو اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور اسے مکمل ضابطہ حیات جانتے ہیں، ماضی کی غلطیوں کو سامنے رکھ کر تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا فیصلہ کیا، اور اپنی جان ومال کی

قربانی دینے پر آمادہ ہوئے، انہوں نے آر ایس او (روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنا ئزیشن (RSO) کے نام سے اپنے کو منظم کیا، نہ صرف اس لئے کہ وہ اپنے جذبات وضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوئے تھے بلکہ اس بنا پر کہ کتاب اللہ ان سے اس جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے، وہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان کی کامیابی اس دنیا میں کسی مقصد کے حصول پر نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی پر منحصر ہے، وہ شخص اللہ کی راہ پر جان ومال سے آمادہ ہو خواہ دنیاوی طور پر کامیاب ہو نہ ہو آخرت میں اس کی سرخروئی یقینی ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کا مطلب اس کے دین کو زمین پر قائم کرنا ہے، اس تنظیم کا ہر فرد یقین رکھتا ہے کہ اللہ اسے جزا دے گا، آر ایس او کی جدوجہد کا کردار اور روح وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے جہاد کی تھی، جس کا مقصد زمینوں کو فتح کرنے کے بجائے حق، عدل وانصاف کو قائم کرنا تھا، عدل پسند معاشرہ قائم کرنے کے لئے وہی طریقہ کار استعمال کرنا ضروری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، اور برائیوں اور بد اخلاقیوں کو مٹا کر ایک منصفانہ پر امن اور مستحکم معاشرہ کی تیور رکھی۔

آر ایس او ارکان برما کی تحریک اسلامی کسی شخصیت، فرقے، نظریے کے خلاف نہیں، ہر قسم کی ناانصافی کے خلاف ہے، خواہ اس کا مرتکب مسلم ہو یا غیر مسلم، اس بلند مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ارکان کی اسلامی تحریک آگے بڑھ رہی ہے، انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہی گی جب تک ارکان میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوجاتا''۔ (انصاف جلد ۲، مارچ/اپریل)۔

تو ظاہر ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا نصب العین ارکان میں ''اسلامی نظام کا قیام'' تھا، اور اس کے نزدیک اس اسلامی نظام کا قیام جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ہوسکتا تھا، اس کے برخلاف میدان میں جو بھی تنظیم تھی اور ماضی میں جتنی تنظیمیں بنیں اور بگڑیں ان پر تنقید کر تے ہوئے انصاف کے فاضل ایڈیٹر مولانا سیف اللہ خالد صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''مسلمانوں کو اس بڑھتے ہوئے ظلم وستم نے اس جنون وغفلت کی کیفیت سے نکلنے پر مجبور کردیا، اور انہوں نے اپنی عزت نفس اور وقار کی بحالی کے لئے جدو جہد شروع کردی، لیکن ان کا انداز فکر اور طرز عمل زیادہ حقیقت پسندانہ نہ تھا، وہ عملاً قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بھول چکے تھے، یا نظر انداز کرنے لگے تھے، ۱۹۴۸ء سے چالیس سال پر محیط (یعنی ارکانی مسلمانوں کی تحریک آزادی جسے محمد جعفر حسین قوال نے شروع کیا تھا اس کا پورا سلسلہ) یہ جدوجہد بے نتیجہ رہی، گو کہ اس مقصد کی خاطر ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں، اور ایسا وقت آیا کہ ارکان کے باشندوں کے لئے امید کی کوئی کرن باقی نہ رہی، اور انہیں مستقبل تاریک نظر آنے لگا''۔ (انصاف شمارہ اور جلد ۲، مارچ/اپریل)

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے نصب العین اور طریقہ کار اور پروگرام کے حوالے سے انشاء اللہ اگلی سطور میں کچھ تفصیلات آئیں گی، سر دست اتنی بات واضح کردیتا ہوں کہ ''انصاف'' سے مستعار لے کر پچھلی سطور میں جتنی باتیں کی گئیں، ان سے ظاہر ہے کہ روہنگیا سا لیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا نصب العین ٹھیک وہی ہے جو جماعت اسلامی کا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آر ایس او پر نظریاتی طور پر جماعت اسلامی کتنا اثر پڑ چکا تھا۔

لیکن اس دوران بھی راقم سطور کا جہاں تک اندازہ ہے اور جو بعد میں حقیقت بھی ثابت ہوا تھا کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی نظر صرف اور صرف جماعت اسلامی (اگرچہ جماعت اسلامی کو وہ ایک اچھی اسلامی جماعت مانتے تھے) تک محدود نہیں تھی، آپ نے اپنے ذاتی مطالعہ اور کوشش کے ذریعے جماعت اسلامی کے علاوہ بھی دیگر قدیم وجدید دینی مکاتب فکر، اسلامی تحریکوں، اصلاحی کوششوں سے خوب خوب واقفیت حاصل کرلی تھی۔

اس وقت ارکان کے بعض دینی حلقوں اور شخصیتوں کی طرف سے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) پر شدید دباؤ پڑ رہا تھا کہ ارکانی مسلمانوں کو نظریاتی طور پر جماعت اسلامی سے وابستہ نہ

کیا جائے، بعد میں یہ دباؤ مخالفت میں بدل گیا، ظاہر ہے کہ ارکان کے علماء ومشائخ اور دینی مدارس کے طلباء دیوبندی مکتب فکر سے متاثر تھے اور اب بھی ہیں، جن کے مطابق جماعت اسلامی کی تحریک بعض افکار ونظریات کے حوالے سے دیوبندی مکتب فکر کی حریف اور مقابل ہے، ان کے نزدیک ارکان کو جماعت اسلامی کی افکار ونظریات سے بچنا ضروری تھا، ایسے حالات میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب جو تنظیم کے نائب صدر تھے، ہر کجا آپ کو اس تنظیم کی روح رواں مانا جاتا تھا نے محسوس کیا کہ سرزمین ارکان کے جو دینی اور فکری حالات ہیں، ان کے پیش نظر صرف جماعتی طرز تحریک کو اپنانے کے بجائے ہمیں تاریخ اسلام کے دیگر مکاتب فکر اور قدیم وجدید اسلامی تحریکوں سے بھی مستفید ہو کر ایک جامع اسلامی تحریک کی تشکیل دینی چاہئے، اگرچہ اس وقت آپ نے تنظیم کے دیگر قائدین جو جماعت اسلامی سے شدید متاثر ہو چکے تھے سے عموماً اور امیر تنظیم مولانا سیف الاسلام صاحب سے خصوصاً کبھی دورائے کا اظہار نہیں کیا، اور وقتی طور پر یا مصلحت کے پیش نظر تنظیم کے ہر قائدین سے اظہار یک جہتی کو مصلحت سمجھ رکھا، لیکن اس سے یہ مطلب نکالا نہیں جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب صرف جماعت اسلامی طرز تحریک کو ارکان کے زمینی حقائق کے پیش نظر مفید اور کارآمد سمجھتے تھے، ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ خیالات عملاً اس وقت کھل کر سامنے آئے جب آپ کو منصب صدارت/ امارت پر فائز کیا گیا تھا، مولانا سیف الاسلام صاحب کی عہدۂ صدارت/ امارت سے سبکدوشی کے بعد جب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کو مجلس شوری کی اکثریت کی رائے سے امیر منتخب کیا گیا تو دیکھا گیا کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ساتھ جماعت اسلامی کا روابط بھی سردمہری کے شکار ہو گئے تھے۔

جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ جماعت اسلامی اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مابین بڑھتی ہوئی اس سردمہری دوطرفہ تھی، مولانا سیف الاسلام صاحب جماعت اسلامی کے چہیتے تھے، ان کے ساتھ جو توقعات وابستہ تھیں اور وابستہ ہو سکتی تھیں نسبتاً ڈاکٹر صاحب سے نہیں تھیں اور نہیں ہو سکتی تھیں، وہ اس وجہ سے بھی ہے کہ مولانا صاحب ایک باقاعدہ عالم دین ہونے کے ساتھ حلقۂ جماعت اسلامی کے ایک منجھے ہوئے تربیت یافتہ انسان تھے، جب کہ ڈاکٹر صاحب ان جیسے

نہیں تھے، موصوف کے خیالات اور رجحانات زمینی حقائق اور ماحول کے تقاضے کے پیش نظر کسی قدر جداگانہ تھے، آپ کو جماعت اسلامی سے اتنے جڑے رہنا پسند نہیں تھا جتنا مولانا سیف الاسلام صاحب کو تھا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ جماعت اسلامی کی تربیت سے افراد آرایس او کے اندر جو دینی واسلامی رجحانات سرایت کر چکے تھے وہ ہر حال میں باقی تھے، لیکن مولانا سیف الاسلام علمائے ارکان پر مطمئن نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک بیان کے دوران اپنی اس بے اطمینانی کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

> ''روہنگیا عوام، دینی مدارس اور اسکول کے طلباء سے ہماری کیا شکایات ہو سکتی ہیں، خاص طور پر عوام سے شکایات ہوں بھی تو بڑے بے معنی کی شکایات ہوں گی، ایک طرف تو ان کے اندر تعلیم وثقافت کی کمی تو دوسری طرف ان کے حسن وقبح کو تولنے اور بھلے برے کو جانچنے پرکھنے کا معیار ہی کتنا بلند ہے اور ہو سکتا ہے؟ ہماری شکایات قوم کے ان دانشور طبقے جو عصری دانش گاہوں اور وہ بھی برمی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پائے ہوں سے بھی نہیں ہیں، کیوں کہ ان کو قال اللہ قال الرسولؐ کی درسگاہوں میں جا کر زانوئے تلمذ خم کرنے کا موقع ملا اور نہ توفیق ہوئی تھی، بس ہماری شکایات ارکان کے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے ہیں اور ہو سکتی ہیں، آخر یہ طبقہ علماء کا ہے، جس کے ساتھ ہر زمانے اور ہر کجا مسلم عوام کی توقعات وامیدیں وابستہ تھیں اور ہیں، اور خدا کرے تو مستقبل میں بھی رہیں گی، یہ بات تو ان علماء کے سامنے سورج کی طرح عیاں ہے کہ علمائے اسلام کے یہاں رسول آخرالزمان سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور آپ کی سنت کی پیروی ایک امر مسلم ہے، اور اس جماعت علماء کی خصوصیات وممیزات ہی سنت نبوی کی عملی پیروی اور اقتداء ہیں، مگر بدقسمتی سے ان بعض اقتدائے سنت نبوی کے دعویداروں نے اپنے رسولؐ کی ضروری اور اہم خوبیوں کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اور صرف آسان آسان چیزوں کو اپنا نا ضروری سمجھ لیا ہے، انہوں نے عموماً امور ظاہری پر زور دے رکھا ہے، ہاں اس بات میں کوئی

> شک کی گنجائش نہیں ہے کہ شعار دینی کو قائم رکھنے کے لئے ان ظاہری چیزوں کی بھی بڑی ضرورت اور اہمیت ہے، مگر یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر خصوصیات وممیزات صرف اور صرف ظاہری امور پر مبنی نہیں تھیں، بلکہ ظاہری شعار دینی کی پابندی کے ساتھ باطنی، اخلاقی اور روحانی امور پر بھی مبنی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کامیابیاں صرف ظاہری وضع وقطع پر مدار نہیں تھیں بلکہ اس کے ساتھ ایمان کامل، بلند حوصلگی، سخاوت، شجاعت، تدبرو تفکر اور ان جیسی دیگر اخلاقی وروحانی عظمت کی وجہ سے بھی تھیں، حاکم بدہن اور گستاخی معاف! کہ ہمارے زمانے کے بعض ان عافیت کوشوں اور سہل انگاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وروحانی خوبیوں اور رعنائیوں کو نظر انداز کر کے سنت نبوی سے صرف ظاہری چیزوں کو (اور وہ بھی کسی قدر) اپنا رکھا ہے، دیکھنے میں ہمارے علماء میں ایسوں کی کمی نہیں ہے کہ جو امور ظاہری میں شعار نبوی صلوات اللہ علیہ وسلم کی پیروی تو کرتے ہیں، لیکن ان کے اندر جھانکنے سے بآسانی یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اخلاق نبوی کی حقیقی پرچھائیاں تک ان پر نہیں پڑی ہیں، پھر دوبارہ عرض ہے کہ بلاشبہ امور ظاہری میں شعائر نبوی کی تقلید وپیروی امر لازمی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے محبت کا نشان ہے، لیکن پوری سنت نبوی کی پیروی اور تقلید صرف اس صورت میں ہوگی جب ظاہر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اور اخلاقی خوبیوں کی تقلید و پیروی بھی کی جائے، اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے رسول کی پوری زندگی کے تمام پہلوؤں اور تمام خوبیوں کی تلاش وتتبع کیا جائے''۔

تو ایسے عالم میں ہمارے علمائے کرام میں مولانا سیف الاسلام صاحب کے ساتھ بس گنے چنے چند دیگر علمائے کرام وبزرگان عظام کا میدان کارزار میں وقت وحالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نکلنا ایک عجوبہ تھا، اور ایک کرامت تھی کہ جو ان ہمارے لائق صد آفرین بزرگوں سے صادر ہوئی تھی۔

۱۹۸۵ء کے اواخر سے ۱۹۸۹ء کی درمیانی مدت تک نہ صرف روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن بلکہ

روہنگیا مسلمانوں کی قومی سطح پر مولانا سیف الاسلام کی قیادت کا ستارہ چمک رہا تھا، تنظیم روز ترقی کی طرف گامزن تھی، مگر بدقسمتی سے ہماری قومی روایات کے مطابق تنظیم میں مولانا کی مخالفت کا دور شروع ہو گیا، آخر ایک زمانہ ایسا آیا کہ تنظیم میں مولانا کی قیادت پر مطمئن لوگوں کی کمی محسوس کی جانے لگی تھی، یہاں ناقدین نے بڑے آن بان سے سر اٹھایا، کوئی ان کے لڑکپن اور خاندانی بزرگوں کے در پئے ہوا تو کسی نے ان کی تعلیمی زندگی کو موضوع سخن بنایا، عرض ان کی نجی اور سیاسی زندگی کی بعض کمزوریوں کو (اگر چہ ان کا تعلق حقیقت پر ہو یا بناوٹ پر) کرید کرید کر عام لوگوں کے سامنے لایا جانے لگا، اب انہوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھ سمجھ کر بڑے اخلاص وللہیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عہدۂ امارت سے سبکدوشی کا فیصلہ کرلیا، یوں ۱۲/ستمبر/۱۹۸۹ء کو اپنے نائب محترم ڈاکٹر محمد یونس جن پر تنظیم کی اکثریت کا بہت اعتماد تھا کو ایک باقاعدہ امیر کے انتخاب تک کے لئے قائم مقام امیر بنا کر عہدۂ امارت سے سبکدوشی کا اعلان کر دیا۔

مولانا نے تحریری استعفیٰ نامہ پیش کیا تھا، جو ہمارے لئے بھی اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایک ایمان افروز دستاویز کا درجہ رکھتا ہے، سردست یہ استعفیٰ نامہ راقم کے پاس نہیں ہے، تاہم آر ایس او کے ترجمان ''انصاف'' کے مدیر محترم مولانا سیف اللہ خالد صاحب کے نام اس استعفیٰ کے بعد مولانا سیف الاسلام صاحب نے جو خط لکھا تھا، جیسے ''انصاف'' کے ایک شمارہ میں شائع بھی کیا گیا تھا، اس کا اقتباس ملاحظہ کے لئے ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے:

> جناب مکرمی ومحترمی! امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ گزارش یہ ہے کہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کی امارت کی ذمے داری عرصہ سے اس بندۂ ناتواں پر رہی ہے، صلاحیت وقابلیت کی کمی اور کم زور صحت کے باوجود جس حد تک ممکن ہو سکا اس ذمے داری کو نبھانے کی کوشش کرتا رہا، اللہ تعالی کے حضور اقرار کرتا ہوں کہ کوشش کے باوجود حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، الحمدللہ اب جب کہ تنظیم پہلے کی نسبت قدرے مستحکم پوزیشن میں ہے، میں نے اپنی اس ذمے داری کو دوسرے بھائی کی طرف منتقل کرنے

کی ضرورت محسوس کی، اس انتقال ذمے داری سے انشاء اللہ تنظیم کے لئے اچھے نتائج برآمد ہوں گے، نیز یہ کہ اس عمل سے اپنی قوم کے سامنے یہ ثبوت بھی پیش کرنا مقصود ہے کہ ایک منتخب سربراہ اپنے عہدے سے سبکدوشی کے بعد نئے سربراہ کی ماتحت پوری اطاعت کے ساتھ کام کرسکتا ہے، میں نے قوم کی تنظیمی تاریخ میں دستور، اصول واطاعت کی مثال قائم کرنے کی غرض سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جسے مرکزی مجلس عاملہ نے متفقہ طور پر منظور کرلیا ہے، اس کے ساتھ ہی نئے امیر کے باقاعدہ انتخاب تک تنظیم کے نائب امیر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب قائم مقام امیر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں، انہیں میری طرف سے پورا پورا تعاون حاصل ہے اور رہے گا، اس کے علاوہ تنظیم کی طرف سے ایک یا ایک سے زیادہ تنظیم کے جو شعبے میرے سپرد کئے جائیں گے ان کو چلانے کے سلسلے میں حتی المقدور کوشاں رہوں گا، میرے اس اقدام پر کسی کو بھی کوئی غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے، اور نہ اس کا کسی کو موقع دینا چاہئے، اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہوں، والسلام۔

آپ کا بھائی/

سیف الاسلام

لیکن مولانا سیف الاسلام صاحب کا مذکورہ مخلصانہ جذبہ اگلے چند مہینوں سے زیادہ مدت تک بحال نہ رہ سکا، ابھی چند مہینے بھی گزرنے نہ پائے کہ قوم کے اہل نظر نے وہی پرانی روایات دیکھیں جن کی وجہ سے ہماری تاریخ میں کتنی بنی بنائی تنظیمیں توڑ پھوڑ کی شکار ہوگئیں، اور جن کی وجہ سے مسلمانان ارکان کے دینی وملی ساکھ کو کتنا نقصان پہنچا تھا، بات یہ ہے کہ مولانا محترم نے جس طرح آپ نے دیکھا کہ ان کے پچھلے مراسلے میں کتنے اچھے خیالات، جذبات اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا ہے، مگر حالات وواقعات کے تہ میں چھپے ہوئے راز ان کے ان خیالات، جذبات وبلند حوصلگی کے برعکس کام کررہا تھا، دراصل مولانا کی سبکدوشی کے ساتھ ہی آرایس او کے اعلی لیڈروں میں جو ہم

آہنگی تھی وہ باہمی رسہ کشی میں تبدیل ہوگئی، ماضی میں اس تنظیم کے اعلی لیڈروں میں کام کے حوالے سے جو لگن تھا وہ سرد مہری کا شکار ہوگیا، ماضی کے جذبے اور ولولے بحال نہیں رہ سکا تھا۔

محترم مولانا سیف الاسلام صاحب ایک منجھے ہوئے سیاست دان ہونے کے ساتھ ایک مخلص عملی انسان تھے، اس سبکدوشی کے بعد بھی سچ تو یہ ہے کہ مولانا محترم نے اگلے چند مہینوں تک بڑی للٰہیت واخلاص کا مظاہرہ کیا، تنظیم کے جو بھی کام ان کے حصے میں آئے انہیں اچھی طرح ادا کرنے میں ان کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونے پائی، ہر حال میں انہوں نے کام کے حق کو بحسن وخوبی ادا کیا، اگلے چند سال کے اندر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے لیڈروں کے مابین جو واقعات وحوادث رونما ہوئے، ان کی قدرے تفصیلات اگلی سطور میں آرہی ہیں، اگر چاہے خدا کرے۔

آرایس او ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت میں:

مولانا سیف الاسلام صاحب کے عہدۂ امارت سے سبکدوشی کے بعد ڈاکٹر محمد یونس صاحب کو قائم مقام امیر بنایا گیا، آپ نے اگلے چند مہینوں کے اندر مجلس شوری کا جلسہ منعقد کیا، مجلس نے طویل غور و خوض کے بعد جلسۂ انتخاب کا انتقاد کیا، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب عہدۂ امارت پر مستقل طور پر اگلے چند سالوں کے لئے مقرر ہو گئے، اس کے بعد آپ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ عہدۂ امارت میں براجمان ہوئے، یاد رہے کہ یہ واقعہ ۱۹۸۹ء کے کسی مہینے میں ہوا تھا۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۷۵ء میں قافلۂ عزیمت میں شامل ہوئے، تب سے لے کر ۱۹۸۹ء تک کبھی بھی عہدۂ صدارت یا امارت پر فائز نہیں ہوئے، جب کہ ۱۹۸۵ء میں آپ کے لئے بہت آسان تھا کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے امیر مقرر ہو جائے، مگر آپ نے اپنے اور اپنی قوم کے ماضی و حال کو ملاحظہ کیا اور مولانا سیف الاسلام صاحب کو امیر جماعت بناتے ہوئے اس بات کا واضح ثبوت پیش کر دیا کہ وہ اقتدار کے خواہش مند یا خواہاں انسان نہیں ہیں، یوں بھی اس واقعہ کے بعد آپ چند مرتبہ مختلف تنظیموں کے امیر منتخب ہوئے، لیکن ہر ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ آپ نے کبھی بھی عہدۂ امات کی خواہش ظاہر نہیں کی، بلکہ مجلس شوری نے باقاعدہ انتخاب کر کے انہیں اس عہدہ پر فائز کیا تھا، ویسے آپ پر یہ الزام کبھی بھی لگا یا نہیں جا سکتا کہ آپ نے ہماری قومی سیاسی و انقلابی روایات کے مطابق عہدۂ امارت کی رسہ کشی یا بھاگ ڈور میں دانستہ طور پر کبھی بھی حصہ لیا ہو، رہا دل کے معاملات تو عالم السرائر ہی جانتا ہے، یہاں بظاہر جو نظر آیا اس کے مطابق میرے اس دعوی کو ایک حقیقت پر مبنی دعوی کہا جا سکتا ہے، میرے اس دعوے کے ثبوت کے بطور انشاء اللہ اور بھی باتیں سامنے آ رہی ہیں۔

بہر حال مولانا سیف الاسلام صاحب کے عہدۂ امارت سے سبکدوشی کے بعد جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب پہلے قائم مقام امیر پھر انتخابات کے نتیجے میں باضابطہ طور پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے امیر منتخب ہو گئے، ڈاکٹر صاحب کے خلف اٹھانے کے بعد مولانا سیف الاسلام صاحب کے عہد امارت میں جو مجلس عاملہ تھی اس کے عہدوں

اور اضافی ذمے داریوں میں معمولی سی تبدیلی لائی گئی تھی، جو درج ذیل ہے:

(۱) امیر جماعت اور ذمے دار برائے امور خارجہ: ڈاکٹر محمد یونس صاحب۔

(۲) نائب امیر اور ذمے دار برائے امور دعوت و تربیت: مولانا سیف الاسلام صاحب۔

(۳) سکریٹری جنرل و ذمے دار برائے امور اطلاعات نشریات: جناب سعید الرحمن صاحب۔

(۴) رکن اور ذمے دار برائے امور تنظیم: پروفیسر محمد زکریا صاحب۔

(۵) رکن و ذمے دار برائے امور مالیات و مجاہدین: جناب اظہار میاں صاحب۔

(۶) رکن و ذمے دار برائے امور تعلیم و فلاح و بہبود: جناب عبد الرشید شجاع فاروی۔

(۷) رکن و بغیر اضافی ذمے دار: جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب۔

(۸) رکن و بغیر اضافی ذمے دار: ابو عظمت صاحب۔

(۹) رکن و بغیر اضافی ذمے دار: مسعود شبلی صاحب۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) قلمی میدان میں:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب ماشاء اللہ ہماری قومی تاریخ کے لیڈروں میں ایک صاحب قلم لیڈر ہیں، سرزمین ارکان کی تاریخ پر ان کو خاصے عبور حاصل ہے، آپ کے زوردار قلم سے تاریخ ارکان پر چند کتابیں اور رسائل منظر عام پر آ کر اہل علم کے درمیان بڑی حد تک مقبولیت بھی حاصل کر چکے ہیں، ارکان کی تاریخ پر آپ کی سب سے اچھی کتاب ''تاریخ ارکان ماضی و حال'' ایک مستند کتاب ہے، اس اہم تصنیف کے علاوہ اور بھی چند کتابیں، رسالے اور مقالات منظر عام پر آ چکے ہیں، سب کے سب انگریزی میں ہیں، ہم نے آپ کے رسالوں، کتابوں، مقالات اور مضامین پر بہت سے اہل قلم اور تاریخ ارکان پر عبور حاصل کئے ہوئے ماہرین کو تبصرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، ان سارے حضرات کو ڈاکٹر صاحب کی مضمون نگاری کو سراہتے ہوئے پایا ہے، ڈاکٹر صاحب کے زوردار قلم پر برادر مرحوم جناب ممتاز جمیل جو خود بھی ایک ماہر اہل قلم تھے کو بڑے مداح پایا، چنانچہ ان کا کہنا تھا کہ:

''ڈاکٹر محمد یونس صاحب ماشاء اللہ ہمارے حالیہ لیڈروں میں ایک ماہر سیاست دان اور مفکر ہونے کے علاوہ انگریزی زبان میں اچھے لکھنے والے اہل قلم ہیں، باوجودیکہ ان کے افکار کے بعض اہم گوشوں اور ان کے نظریات کے بعض پہلوؤں سے مجھے تھوڑا بہت اختلاف ہے، لیکن اس بات میں شک نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے قلم کی وساطت سے اپنے مدعا کو بڑی خوبصورتی سے آجا گر کر سکتے ہیں، انگریزی زبان وادب میں ان کو خاصی مہارت وقدرت حاصل ہے، انگریزی میں اپنی مافی الضمیر کو بڑی مہارت کے ساتھ زیر قرطاس لا سکتے ہیں، ہمارے بعض اہل قلم کے برعکس ان کے افکار وتصورات میں جذباتیات سے زیادہ حقیقت پسندی پر مبنی چیزیں ہوتی ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے کہ موصوف طبعا جذبات سے مغلوب ہونے والے لیڈر نہیں ہیں، جتنے بھی لکھے اور لکھتے ہیں ٹھنڈے دل ودماغ سے لکھے اور لکھتے ہیں، تاہم یہ ایک سچی بات ہے کہ موصوف اپنی فکر وسوچ کے نتیجے میں ایک مقام پر ایک مرتبہ جبھی پہنچ جاتے ہیں اس پر اٹل ہوجاتے ہیں، ان کا یہ اٹل ہوجانا بسا اوقات اجتماعی سیاسی و انقلابی کام کے لئے ایک حد تک مضر بھی ثابت ہوتا ہے''۔

یہ ایک حقیقت پر مبنی بات ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے اپنی پیدائش سے قلم کاری پر بڑا زور صرف کیا ہے، ہماری قومی تاریخ میں یہ پہلی تنظیم ہے، جس نے میدان صحافت اور تصنیف وتالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہو، اور خاصی مثبت خدمات بھی انجام دی ہوں، خاص طور پر مولانا سیف الاسلام صاحب اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ادوار امارت میں آر ایس او والوں نے نہ قومی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر قلم کے ذریعے روشن اور تابناک خدمات انجام دیں ہیں، ڈاکٹر صاحب کے رسائل اور تصانیف کے علاوہ محترم مولانا سیف اللہ خالد صاحب نے اپنے قابل قدر اور لائق صد ستائش قلم سے چند ایسے رسائل اور کتابیں سامنے لائیں جنہیں ہر اعتبار سے معیاری کہا جاتا اور کہا جا سکتا ہے، قلم کے حوالے سے مولانا سیف اللہ خالد

صاحب کی سب سے بڑی قومی اور ملی خدمات ''انصاف'' ہے، مولانا نے اس ماہنامہ یا دورانیہ ''انصاف'' کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں اور انصاف، عدل اور انسانیت دوست لوگوں کو جھنجوڑا ہے، اور اپنے درد بھرے قلم سے ایک خوبصورت انداز میں ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کا گیت گایا ہے، آر ایس او کی قلمی خدمات کے حوالے سے راقم السطور نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں جو لکھا ہے، اس کا ایک پیراگراف شاید ناظرین کرام کے لئے باعث دلچسپی ہو کہ:

''اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قومی سطح پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن پہلی تنظیم ہے جس نے میدان صحافت میں بڑھ چڑھ کر خدمات انجام دی تھیں، اس نے انصاف، التضامن، خبرنامے، بوائس، الصوت اور آئینے کے علاوہ رہ رہ کر بہت سارے رسالے اور کتابیں شائع کی ہیں، ۱۹۴۷ء سے لے کر ہماری قومی خدمات کے حوالے سے جتنی تنظیمیں بنیں اور بگڑیں، ان میں آر ایس او ہی واحد تنظیم ہے کہ جس نے قومی سطح پر نشر واشاعت کے میدان میں اچھی خاصی خدمات انجام دی تھیں، ''انصاف'' کا جواں ایڈیٹر مولانا سیف اللہ خالد کو اللہ تعالی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے درد بھرے اور پر جوش قلم سے ایک انوکھے انداز میں روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کا گیت گایا، اور دنیا کے حساس اور انصاف پسند انسانوں تک ان مسلمانوں کے نالہ وبکا اور آہ وفغاں کو پہنچایا، اور ان کی درد بھری داستانوں کو ایک ایک کر کے رنگ بدل بدل کر دنیا کے سامنے پیش کیا، اور قوم کے بے حس افراد کو جگایا اور جاگنے والوں کی اکثریت کو مصروف عمل بنایا ہے، مولانا کے علاوہ ''التضامن'' کے مدیر محترم ابو اسد داروغہ اور میرر (آئینہ) کے مدیر جناب ممتاز جمیل (مرحوم) نے بھی قابل داد خدمات انجام دی تھیں، جناب ممتاز جمیل کا صحافت سے جہاں تک تعلق ہے کہ انہوں نے ''میرر'' کے علاوہ بوائس اور نیوز لیٹر کی شکل میں اپنے قلمی جواہر پارے دنیا

کے سامنے رکھے، ان کی خدمات کبھی بھی بھلائی جانے کی چیز نہیں ہیں، آر ایس او نے اردو، انگریزی، عربی کے علاوہ برمی اور بنگلہ زبانوں میں متعدد رسالے نکالے، جن سے قوم کا بہت ہی فائدہ ہوا''۔سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں''ص: ۳۸۷۔

قلم کے حوالے سے آر ایس او کی یہ ساری خدمات مولانا سیف الاسلام صاحب اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی روشن فکر وعمل کا نتیجہ تھیں، انہوں نے اپنے اپنے دور میں اہل قلم کی ایک جماعت تیار کی، اوراس جماعت کو ہر ممکنہ تعاون کیا، ان دونوں حضرات کی ان خدمات کو ایک علمی وفکری اور سیاسی و انقلابی خدمات کہنے میں کوئی جھجک یا کوئی تردد محسوس نہیں ہوتا۔

آر ایس او اوراس جماعت کے قلم کاروں کی خدمات کو مجموعی طور پر کبھی بھی بھولا نہیں جا سکتا، مگر ان تمام مثبت خدمات کے تہ میں کچھ منفی چیزیں بھی دیکھی گئی ہیں، دراصل بات یہ ہے کہ بھولپن، تسامح، فروگذاشتیں اور غلطیاں تو ان لوگوں سے ہوتی ہیں جو کام کرتے ہیں، جن لوگوں کو کام سے کوئی سروکار نہیں بھلا ان سے کب اچھی بری کی توقع ہوسکتی ہے، بس کہنے کی بات یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء اوراس کے بعد کے زمانے میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے ذرائع ابلاغ میں بعض ضرررساں چیزیں بھی دیکھیں گئیں، میرے ناقص خیال میں بشرطیکہ صحت کی گنجائش بھی ہو کہ جس کی وجہ سے نہ صرف ان سے تنظیم کا نقصان ہوا بلکہ بعض نا قابل انکار حقائق کے پیش نظر پوری قوم کا نا قابل تلافی خسارہ بھی ہوا تھا۔

آر ایس او جیسی ایک گوریلا جہادی تنظیم کے لئے ضروری تھی کہ کم سے کم میدان کارزار میں اترنے تک اپنی دفاعی صلاحیت یا اقدامی قوت واستعداد کو حتی الامکان دشمن کی نظروں سے اوجھل رکھا جائے، کیوں کہ دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ اس طبیعت کی منظمات نے اپنی جنگی صلاحیت واستعداد کو چھپانے کے لئے بہت سی چالیں چلیں، جن کو وہ اپنی حکمت عملی سے بھی تعبیر کرتی ہیں، جب کہ آر ایس او نے اپنی صلاحیات کو چھپانے کے بجائے اسے اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے نہ صرف دشمن بلکہ پوری دنیا کے سامنے کھل کر رکھ دیا ہے، اورتو اوراس نے اپنے پاس موجودہ اسلحہ جات کی تعداد کو

کئی گنے بڑھا کر ایک گوشوارہ کی شکل میں پیش کیا اور جواز یہ نکالنے کی کوشش کی کہ ہماری طاقت سے دشمن کے دل میں رعب طاری ہوجائے گی، جب کہ زمینی حقائق ایسے تھے کہ رعب تو طاری نہ ہوسکی مگر اس کی وجہ سے دشمن نے حسب ذیل اقدامات کئے کہ:

(۱) بعض مبصرین کے مطابق روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے اعلامیے سے قبل ارکان میں برمی افواج کی تعداد بہت کم تھی، مگر اس اعلامیے کے بعد برمی فوجی حکومت نے فوج کی ایک بڑی تعداد کو دوسرے برمی علاقوں سے منتقل کر کے ہمیشہ کے لئے ارکان میں ڈال دیا تھا، جس کی وجہ سے مسلمانوں پر ظلم وستم وسیع پیمانے پر اضافہ ہوگیا، نقل وحرکت تو خیر پہلے سے منجمد تھی، اب کی بار کلی طور پر مسلمانوں کی زندگیاں مفلوج ہر کر رہ گئی تھیں، ماہرین کا خیال ہے کہ آر ایس او کی طرف سے ایسے غلط اعلامیے سامنے نہ آتے تو خود اس کے حق میں بہت اچھے ہوتے، کیوں کہ بعد میں تحقق ہوا کہ آر ایس او کے میدان کارزار میں اترنے سے پہلے برمی فوجی حکومت نے پوری سرزمین ارکان میں اپنی قوت مضبوط سے مضبوط تر کر لی تھی۔

(۲) حکومت بنگلادیش کو ہمیشہ اپنے علاقے میں روہنگیا گوریلا تنظیموں کی موجودگی کی فکر رہی، اب برمی فوجی حکومت حکومت بنگلادیش پر دباؤ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ روہنگیا گوریلا تنظیموں کو پناہ دینے سے باز آجائے، ایسے حالات میں حکومت بنگلادیش کو مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، یوں بھی حکومت بنگلادیش کو رہ رہ کر برمیوں کے الزامات کا سامنا تھا ہی، مگر اس اعلامیے کی وجہ سے برمی حکومت پوری طرح حرکت میں آگئی تھی، میرا مدعا یہ ہے کہ اگر آر ایس او کے مذکورہ اعلامیے سامنے نہ آئے ہوتے تو شاید برمی فوجی حکومت اتنی حرکت میں آئی ہوتی۔

(۳) دنیا بخوبی جانتی ہے کہ برمی حکومت اقلیتوں پر مظالم ڈھانے میں بڑی مہارت رکھتی ہے، عرصۂ دراز سے خاص طور پر ارکان کے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی سازش ہورہی، اب کی بار برمی حکومت نے دھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ ارکان میں مسلم باغیوں کی سرکشی بڑھ گئی ہے، جسے کچلنے کے لئے برمی حکومت کو ایک مضبوط فوجی طاقت ارکان پر مستقل طور پر لانا اور رکھنا ضروری ہوگیا ہے، یوں اب کی بار ارکانی مسلمانوں کے خلاف ایسی ایسی سازشیں ہوئیں جن سے

عالمی رائے عامہ بھی ایک طرح کی تذبذب کی شکار ہوگئی تھی، البتہ یہ الگ بات ہے کہ اس سے پہلے دنیا کو برمیوں کے مظالم کا خوب خوب پتہ چل چکا تھا، اگر پتہ نہ چلا ہوتا تو دنیا کی رائے عامہ ارکان کے مسلمانوں کے خلاف اور برمیوں کی موافق ہوجاتی۔

(۴) اس اعلامیے کی وجہ سے ماہرین کے مطابق روہنگیا مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ارکان میں کثرت فوج کی مستقل موجودگی کی وجہ سے مظالم میں شدید سے شدید ترین اضافہ ہو گیا تھا، حتی کہ ان کے مظالم کی تاب نہ لاکر لاکھوں کی تعداد میں ارکان کے مسلمان بنگلا دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے، جس سے ملک وملت اور دین ومذہب کا شدید خسارہ ہوا، اب کی بار یہاں کے مسلمانوں کا جو دینی، ملی، ثقافتی، سماجی، علمی، روحانی، معاشی واقتصادی غرض ہر میدان میں جو نقصان ہوا، اس کی تلافی شاید ممکن ہو۔

۱۹۹۱ء میں برمی بنگلا دیشی سرحدی تنازعہ:

۱۹۸۹ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے پاس کچھ جدید قسم کے اسلحہ جات آگئے، ہتھیار حاصل کرنے کے بعد اس نے توائنگا خاڑا نامی مقام پر ایک باقاعدہ معسکر قائم کیا، لیکن ۱۹۹۲ء میں اس معسکر کو وہاں سے ہٹا کر چکر یا کے ''فاشیا خالی'' میں منتقل کر دیا گیا، اس دوران کسی حد تک ایک نامعلوم ذریعے سے آر ایس او حکم ملا کہ جہاد کی تیاری کے بطور پانچ ہزار مجاہدین کی تربیت کی جائے، جب کہ مجاہد کمانڈروں کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ یہ حکم کس جانب سے ملا تھا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کے امور میں معاملات کو خفیہ رکھا جاتا ہے، بہر حال دیکھتے ہی دیکھتے ایک طرف آر ایس او کے لیڈروں نے اپنے داعیوں کو استعمال کر کے اندرون ارکان سے سینکڑوں روہنگیا نوجوانوں کو معسکر میں لے آیا، دوسری طرف سے کھانے پینے کے ضروری سامان، رسد اور لوازمات بذریعۂ ٹرک معسکر میں آنا شروع ہوگیا، یہ دیکھ کر معسکر میں پہلے سے موجود مجاہدین مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے، ان کے خیال میں اب ارکان بحسن وخوبی آزاد ہونے والا ہے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ ابھی مجاہدین اپنے پرانے معسکر کو چھوڑ کر نئے معسکر میں آباد بھی نہیں ہونے پائے کہ ان پر نت نئے آئے ہوئے مجاہدین کا بھاری بوجھ پڑ گیا، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور علاج ومعالجہ کا مناسب بندوبست بے حد مشکل ہوگیا، نئے پرانے مجاہدین طرح طرح کی بیماری میں مبتلا ہونے لگے، ایسے پریشان کن حالات میں اچانک یہ خبر ملی کہ جس کے حکم پر اتنی تیاری کی جارہی تھی وہ اپنے وعدے سے کلی طور پر مکھر گیا ہے، چنانچہ اس خبر نے آر ایس او والوں کو اور بھی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔

دراصل کسی مستقل، پائدار اور سوچے سمجھے پلان پروگرام کے بغیر اندرون وطن سے اسکولوں اور مدرسوں کے بچوں کو جہاد کے نام سے معسکر میں لانا آر ایس او والوں کے لئے مہنگا پڑ گیا تھا، اس بارے میں مجاہدین کے چیف آف کمانڈر جناب اظہار میاں صاحب ایم پی اور نائب چیف آف کمانڈر ماسٹر شبیر احمد صاحب تنگ بازاری سے دیگر کمانڈروں کی ناراضگی کا اظہار ہونے لگا تھا، آخر کار یہ ناراضگی آگے چل کر ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ساتھ مولانا سیف الاسلام، جناب اظہار میاں، جناب سعید الرحمن صاحبان کے اندرونی اختلافات پر جا منتج ہوگئی تھی۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ ۱۹۹۱ء میں بنگلا دیشی سرحد میں واقع ''بالوقیہ نامی'' بنگلا دیش ڈیفنس ریجمنٹ (BDR) کیمپ پر برمی فوج نے حملہ کر کے ریجمنٹ کے تین جوانوں کو شہید کر دیا اور برمی فوج سترہ آٹو رائفل لیکر فرار ہوگئی، جس سے چاٹگام ڈویژن کے کور کمانڈر کرنل محمود الحسن صاحب کو خاصی پریشانی لاحق ہوگئی تھی، آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب کی بار برمیوں کو نہیں چھوڑا جائے گا، جس کے بعد کمانڈر صاحب نے بواسطۂ چاٹگام کے ایک صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے ذمہ داران سے رابطہ کیا، چنانچہ ان سے کہا گیا کہ:

> ''برمیوں سے لڑنے کے لئے آپ حضرات اگلے تین مہینے کے اندر پانچ ہزار مجاہدین کی تیاری مکمل کرلیں، جس کے پورے اخراجات حکومت بنگلا دیش برداشت کرے گی اور جہاد کے حوالے سے حکومت کا بھرپور تعاون بھی رہے گا''۔

ایک باوثوق اطلاع کے مطابق برمیوں سے جنگ لڑنے کے متعلق مذکورہ کمانڈر صاحب بنگلا دیشی

وزیر اعظم محترمہ بیگم خالدہ ضیاء کے مثبت حکم کے انتظار کر رہے تھے، لیکن وزیر اعظم صاحبہ نے اس حوالے سے مثبت یا منفی خود کوئی حکم دینے کے بجائے وزیر خارجہ مستفیض الرحمن صاحب کو کوئی جواب دینے کے لئے کہا، چنانچہ وزیر خارجہ نے کمانڈر صاحب کی نیک تمناؤں کو کلی طور پر مسترد کرتے ہوئے بتایا کہ:

”عالمی حالات کے پیش نظر ابھی ہم برمیوں سے لڑائی نہیں چھیڑ سکتے، کیونکہ عالمی حالات ہمارے حق میں سازگار نہیں ہیں، ایسے اقدام سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہونے کا بڑا اندیشہ“۔

بعد میں سرکاری طور پر اس معاملہ کا جائزہ لیا گیا، اس کے بعد نہایت افسوس کا مقام ہے کہ مذکورہ کمانڈر صاحب کو اپنے عہدے سے برخواست کر کے بنگلا دیشی سفارت خانہ ترکی کے بطور سفیر بھیج دیا گیا تھا۔

آر ایس او میدان کارزار میں:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دستور العمل اور اصول وضوابط، شائع کردہ ۱۹۹۵ء کے مطابق اس تنظیم کا نصب العین اور پروگرام درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن وسنت کے مطابق اقامت دین کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کرنا، (یہ اس کا نصب العین ہے) اور اس کی دفعہ نمبر ۴ کے مطابق اس کے پروگرام درج ذیل ہیں:

(۲) لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا۔

(۳) اسلامی تعلیم وتربیت کو عام کرتے ہوئے لوگوں کے لئے اسلامی تعلیمات اور دیگر علوم ضروریہ کے حصول کے مواقع فراہم کرنا۔

(۴) منتشر افراد کو منظم کرنا اور ان کی بنیادی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تربیت کا اہتمام کرنا۔

(۵) معاشرہ میں فلاح وبہبود کی خدمات سرانجام دینا۔

(۶) دنیا کی دیگر قوموں کے ساتھ بقائے باہمی کے اصول کی بنیاد پر پرامن طریقے پر رہنے کی

کوشش کرنا۔

(۷) اپنے مشکلات ومسائل کے موثر حل کے لئے اقوام عالم کی ہمدردانہ تائید وتعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنا۔

(۸) ارکان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع کا بروئے کار لانا۔

(۹) ارکان میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم دعوت دین کے لئے جدوجہد کرنا۔

(۱۰) دنیا بھر میں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا اور باہمی ربط و تعلق پیدا کرنا۔

(۱۱) نصب العین کے حصول کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے وسائل ولوازمات کے حصول اور عملی تربیت کا اہتمام اور عملی اقدام کرنا۔

تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے مولانا سیف الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کے قیادت میں قرآنی حکم ”واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل“ کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ۱۹۸۵ء سے لے کر بھرپور کوشش کی، اور ۱۹۹۴ء تک اپنے بساط بھر تیاری بھی کرلی تھی، اس موقع پر میرے لئے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ آیا زمینی حقائق کے پیش نظر اس جماعت کی جہادی تیاری کہاں تک ہوسکی تھی، اور اس کی تیاری کس نوعیت کی کتنی مکمل تھی، اس سوال پر با ضابطہ تبصرہ اور بحث کرنے کے لئے اس فن (جو دراصل ایک عظیم فن ہے) پر باضابطہ فنی طور پر درک رکھنے والے فن کار کی ضرورت ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اس فن کے ابتدائیہ یا مبادیات سے بھی کوئی سروکار رکھے بغیر اس پر ایسے ایسے تبصرہ کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک کسی بڑے ملک کے جنرل آف چیف آف اسٹاف کے منصب پر فائز ہیں، اور ہر کجا بکنا شروع کر دیتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد یونس اور نور الاسلام وغیرہ نے جہادی پروگراموں میں فلاں فلاں مقامات پر غلطیاں کی ہیں، اس حوالے سے ان کے لئے ایسا ویسا کرنا ضروری تھا، ان لوگوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ جس نے کبھی نہ میدان جہاد کا خیال کیا اور نہ کبھی جہاد میں جانے کی امید وآرزو کی

تھی، بس ان کے کام ہی صرف نکتہ چینی اور بکواس تک محدود ہوتے ہیں، اور ایسے لوگ ہمارے معاشرہ میں ہر کجا پائے جاتے ہیں، جن کی بکواس اور غیر ضروری اور غیر متعلق باتوں کی وجہ سے خود کام کے لوگوں کے دلوں میں خلجان وخلش پیدا ہوجاتی ہے، اب کام کرنے والوں کے لئے یہ گنجائش ہے کہاں کہ ان مضرات پیشے لوگوں کی زبانوں پر تالے لگائے جائیں؟

بہر حال مدعا یہ ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت میں ۱۹۹۴ء میں میدان جہاد میں اترنے کا فیصلہ کرلیا، لیکن اس فیصلہ اور میدان کارزار میں اترنے یا نہ اترنے کے حوالے سے خود آر ایس او کی مجلس عاملہ میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا، جس کی تفصیلات بعض معتمد علیہ حضرات کی زبانی سننے میں آئیں، یہاں بعض مشکلات کے پیش نظر پوری تفصیلات کی گنجائش تو نہیں مگر ان کے تتبع سے وہ اجمال سامنے لایا جارہا ہے کہ جو اس وقت عام لوگوں کی زبان میں آگیا تھا۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے امیر محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے عزم مصمم کرلیا کہ سرزمین ارکان کے حالات حاضرہ کے پیش نظر میدان کارزار میں اترنا بہت ضروری ہوگیا ہے، آپ نے مجلس عاملہ کا جلسہ طلب کیا، جس میں حالات حاضرہ پر تفصیلی تبادلۂ خیالات ہوا، اس میں جہادی پروگرام کی بحث کو سرفہرست رکھا گیا، اس بحث میں ڈاکٹر صاحب اور مولانا سیف الاسلام صاحب کے درمیان بہت ساری باتیں ہوئیں، بالآخر جب رائے شماری کا وقت آن پہنچا تو مجلس عاملہ کے ممبران کے درمیان زبردست اختلاف سامنے آگیا، اور مجلس عاملہ کی رائے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی:

(۱) مولانا سیف الاسلام صاحب اور ان کے ہمنوا اس بات پر مصر تھے کہ اب تک آر ایس او میں ایسی تیاری نہ ہوسکی جس کی بنیاد پر میدان جہاد پر اترا جاسکے، ان کا کہنا تھا کہ ہم اگر ایسی نامکمل تیاری کے باوجود میدان میں اتریں گے تو آر ایس او کے لئے بہت ساری مشکلات ہوسکتی ہیں، انہوں نے اس حوالے سے بہت ساری بنیادی چیزوں کی نشان دہی بھی کی، حتی کہ انہوں نے اپنی بساط بھر کوشش کے دوران یہ بھی خدشہ یا اندیشہ ظاہر کیا کہ ایسے حالات میں اگر ہم میدان میں

اتریں گے تو ناکامی ہمارے لئے یقینی ہے۔

(۲) محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا کہنا تھا کہ ایک گوریلا تنظیم کے لئے تھوڑی تیاری ہی کافی ہے، کام کے دوران نہ صرف نامکمل تیاری مکمل ہوجائے گی بلکہ عملی اقدام میں ایسی برکتیں ہوں گی جس کا تصور بھی عام حالات میں نہیں کیا جاسکتا، اور یوں بھی تیاری کی کوئی حد نہیں ہوتی، اگر ہم بیٹھے بیٹھے اپنی بقیہ تیاری کے لئے دن گنتے رہیں گے تو قیامت تک ہماری تیاری مکمل نہیں ہوسکے گی، اس لئے ضروری ہے کہ میدان میں اتر کر کام شروع کردیا جائے، اور اللہ تعالی پر بھروسہ رکھا جائے، کہ وہ چاہے تو ہماری کامیابی یقینی ہے، بالآخر طویل بحث ودراسہ کے بعد مجلس عاملہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان میں عملی اقدام کے لئے اترا جائے۔

۱۹۹۴ء کے اس عملی اقدام کے حوالے سے راقم نے اپنی کاوش ”سرزمین ارکان کی تحریک آزادی“ میں ایک مختصر سا جائزہ لیا تھا، اس میں سے چند پیراگراف یہاں حاضر خدمت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

> ”جہاد کے لئے استطاعت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، استطاعت یا قوت کی اہمیت جہاد میں کتنی ہے وہ تو الگ بات ہے، البتہ آر ایس او نے حصول استطاعت کے لئے شروع ہی سے کوشش کی، تنظیم مولانا سیف الاسلام صاحب کی امارت کے آخری زمانے میں چند جدید قسم کے چھوٹے اسلحے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی، اس جدید قسم کے ہتھیار کے حصول سے بھی قبل چند ٹوٹے پھوٹے رائفلوں اور مشین گنوں کے سہارے ایک معسکر سرحد میں قائم کیا گیا تھا، اب جدید قسم کے چند ہتھیار ملے تو کارکنوں نے اسے تائید الٰہی سمجھتے ہوئے راہ جہاد میں اپنی اپنی کوششیں تیز کردیں، باوجودیکہ آر ایس او کو ۱۹۸۶ء سے اقتدار کی رسہ کشی کے جراثیم نے اندر ہی اندر کھا کر کھوکھلا بنا رہا تھا، پھر بھی بعض اعلی ممبروں کے صبر وتحمل کے نتیجے میں تنظیم ایک حد تک مستحکم پوریشن میں ہوگئی، یوں تو لوگ کہتے ہیں کہ مولانا سیف الاسلام صاحب نے تنظیم کو مادی ترقی سے آشنا کرایا اور بعد میں ڈاکٹر محمد یونس کی زیر صدارت تنظیم مادی اعتبار سے اوج

کمال پر پہنچی، مگر میں کہتا ہوں کہ تنظیم صرف دو ایک آدمی کا نام نہیں ہوتی، ایک تنظیم کے عروج و زوال میں کارکنوں اور ممبروں کے سر ہوتے ہیں، البتہ یہ کہنا بجا ہے کہ فلاں کی صدارت میں تنظیم ایسی ویسی پوزیشن میں ہوگئی ہے“۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (R S O) نے جن حالات میں میدان کارزار میں اترنے کا فیصلہ کیا، اس پر بہت ساری باتوں، بحثوں، جائزوں، تحلیل وتجزیے ہوئے اور مزید ہونے کی گنجائش ہے، جہاں تک سننے میں آیا کہ خود تنظیم میں بعض ایسے حالات بھی پیدا ہوچکے تھے، جن کے پیش نظر اسے میدان کارزار میں اترنا ضروری تھا، بعض قومی مصلحت کی وجہ سے جن کی تفصیلات پر جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ جانا مناسب نہیں ہے، مگر یہاں ایک مختصر رپورٹ سر زمین ارکان کے مسلمانوں پر اس وقت بیتنے والے حالات کے حوالے سے پیش کرتا ہوں، جو مذکورہ میری کاوش سے ماخوذ ہے:

”اب ارکان میں ظلم واستبداد کی چکی بڑے زور سے گھوم رہی تھی، مسلمانوں کی پریشانیاں حد سے بڑھ چکی تھیں، لوگ منتشر الخیالی اور سراسیمگی کے عالم میں آوارہ پھر رہے تھے، لاکھوں کی تعداد میں مسلمان بنگلا دیش میں پناہ گزین تھے، ہر طبقے کے لوگ حیران وششدر تھے، ادھر مسلمانوں کی حالت ابتر سے ابتر ہو چکی تھی، ادھر برمی افواج ارکان میں اپنی پوزیشن سنبھال چکی تھیں، ارکان میں جدید انداز کی چند برمی فوجی چھاونیاں تعمیر ہوچکی تھیں، ایک طرف مسلمانوں کو خطرات ومصیبت کے بھوت نے آنوچھا تو دوسری طرف آئے دن مضبوط و مستحکم برمی فوجوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، بالآخر ارکان میں برمی فوجوں کی تعداد دس گنے ہوچکی تھی، مسلمانوں کی معاشی، اقتصادی، ملی، روحانی، تعلیمی اور ثقافتی حالات ابتر سے ابتر ہوچکے تھے، لوگوں کے دل ودماغ، ذہن وعقل، قلب وجگر مفلوج ہوچکے تھے، غرض آسمان ارکان نے اس نوعیت کی مصیبت ارکان کے خوب صورت چہرے پر شاید کبھی دیکھی ہوگی“۔

ایسے حالات میں روہنگیا مسلمانوں کی اس جہادی تنظیم نے:

”جہاد کے لئے نفیر عام کا اعلان کردیا، ارکانی مسلمانوں کے بچے بچے جہادی پروگرام میں شریک ہونے آرہے تھے، اسکولوں اور مدرسوں کے چھوٹے چھوٹے طلبہ تک جہادی پروگراموں میں شریک ہورہے تھے، معسکر میں پانچ سال سے لے کر پچیس سال تک کے طلباء دیکھے جارہے تھے، ہر کجا ہمارے معاشرہ میں جہاد کا ولولہ دیکھا جارہا تھا، جذباتی افراد جہاد کے نشے میں چور اور دانشوران جہادی پروگرام کے متعلق رنجور تھے، اب کیا ہورہا ہے اور کیا ہونے والا ہے کے سوالات نے لوگوں کے دل دماغ کو گھن کی طرح کھائے جارہا تھا، ادھر معسکر میں جہادی پروگرام کا دھوم تھا تو ادھر ارکان سے جتنے افراد بشمول طلباء کے جہادی پروگرام میں شرکت کرنے آئے تھے سب کے سب بغاوت کے ملزم ہوکر ہمیشہ کے لئے ارکان سے محروم اور جلاوطن ہورہے تھے“۔

آخر کار آر ایس او نے ۱۹۹۴ء میں نفیر عام کا اعلان کردیا، اس نفیر عام کے حوالے سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے معاونین اور مخالفین کی بہت ساری باتیں سننے میں آئیں، یہ سچی بات ہے کہ مجلس عاملہ میں اگرچہ جہاد وقتال کے حق میں اور مخالفت میں بہت ساری باتیں ہوئیں، مگر بالآخر ڈاکٹر صاحب اور آپ کے ہم نواؤں کے حق میں بات طے پائی تھی، ادھر یہ تو تھی مجلس عاملہ کے حوالے سے بات۔ ادھر آر ایس او کے مجاہدین کی بھاری اکثریت بلکہ ایک روایت کے مطابق دو چار کو چھوڑ کر سارے کے سارے مجاہدین قتال کے حق میں گن گا رہے تھے، مجاہدین کی طرف سے آواز آرہی تھی کہ:

”ہم یہاں بیٹھے بیٹھے سڑنے نہیں آئے، یوں بھی ہماری تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے قائدین نے مجاہدین کو اونچے اونچے خواب تو دکھایا لیکن میدان کارزار میں اتارنے کے بجائے گھنے جنگلات میں سڑنے پر مجبور کردیا تھا، ارکان کی ایسی مصیبت کے حالات میں اگر قتال کی اجازت نہ دی جائے تو یہ طاقت سے نفری تعداد آخر کس ضرورت کے لئے ہے؟“۔

مجاہدین کی اس آواز کے علاوہ جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ آر ایس او کے بعض اعلی رہنماؤں بشمول ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے سامنے بعض ایسی مجبوریاں بھی پیش آئیں، جن کی بنیاد پر ان کے لئے بروقت میدان قتال میں اترنا ضروری ہو چکا تھا، جن تفصیلات کو بعض مجبوری کی وجہ سے اس وقت سامنے لانا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، بالآخر تمام حالات کو سامنے رکھ کر آر ایس او نے میدان کارزار میں اترنے کا فیصلہ کرلیا، اب آر ایس او میدان میں اتر گئی، جس کی کچھ تفصیلات پر راقم نے اپنی کتاب ’’سرزمین ارکان کی تحریک آزادی‘‘ میں بحث کی ہے، جسے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے:

’’آر ایس او کے معسکر میں گوریلا تربیت چند مرتبہ ہوئی، ہزاروں افراد نے یہاں سے تربیت پائی، مارچ/ ۱۹۹۴ء کا دن تھا کہ آر ایس او کی عاملہ میں میدان کارزار میں اتر کر جہاد کرنے پر گفتگو شروع ہوئی، دوران گفتگو میں ایسی باتیں آئیں کہ جوشیلے نوجوان جہاد وقتال نہ کرنے پر نالاں ہیں، اور ان کی طبیعتیں آہستہ آہستہ بجھی بجھی سی ہو رہی ہیں، اور بہت سارے نوجوانوں کی آنکھوں میں جہاد کی کرن دور دور نظر آنے کی وجہ سے وہ تنظیم سے نکل بھاگ رہے ہیں، اور معسکر میں موجود ننانوے فیصد نوجوان جہاد وقتال کے حق میں گن گا رہے ہیں، ایسے حالات کے پیش نظر آر ایس او کے بعض اعلی کارکنوں کی رائے یہ تھی کہ فورا میدان کارزار میں اتر کر جہاد وقتال شروع کر دیا جائے، مجلس عاملہ میں خصوصا امیر تنظیم ڈاکٹر محمد یونس صاحب بروقت جہاد کے حق میں زور دے رہے تھے، لیکن نائب امیر جناب مولانا سیف الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے آر ایس او کے موجودہ حالات میں جہاد وقتال کرنے پر پریشان تھے، ان کا کہنا تھا کہ آر ایس او کے پاس ابھی اتنی تیاری نہیں ہے، جس کے سہارے میدان کارزار میں اتر کر کام کیا جا سکے، لیکن ڈاکٹر صاحب اور ان کے

خلیفوں نے انہیں بزدل اور سست کہا، بالآخر بات فورا میدان جہاد میں اترنے کے حق میں طے پائی تھی۔

جہاں تک معلوم ہو سکا کہ تنظیم میں ایک سیف اللہ نامی غیر ملکی کمانڈر نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ میدان کارزار میں اترنے سے پہلے تنظیم کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ مجاہدین کے پہنچنے والے علاقے میں خفیہ طور پر رسد اور ضروری سروسامان دفن کر دیا جائے، ان کی مخالفت میں جب یہ کہا گیا کہ جناب من! ارکان کی زمین افغانستان کے علاقوں کی طرح نہیں ہے، افغانستان مجموعی طور پر ایک خشک علاقہ ہے، جب کہ ارکان سبز وشاداب ہونے کے علاوہ یہاں کے موسم مختلف اور آب وہوا میں خاصی نمی پائی جاتی ہے، موسم برسات کے علاوہ بھی یہاں وقت وقت پر موسلا دار بارش ہوتی ہے، اگر سامان دفن کرنے کے بعد بارش ہوئی تو سارے سامان سڑ جائیں گے، لیکن جوشیلے جوانوں نے جذبات میں چور ہو کر کسی کی نہیں سنی، اور مجاہدین کے وہاں پہنچنے سے پہلے لاکھوں رقوم ارکان میں پہنچائی گئیں، تاکہ ان کے لئے سامان اور رسد بروقت فراہم ہو، اس کے بعد مجاہدین کو گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

ادھر امیر تنظیم ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا اصرار تھا کہ وہ علاقہ مُنگڈو کی سمت جنوب سے داخل ہونے والے مجاہدین کے ساتھ ہوں، لیکن آپ کے اس اصرار پر مخالفت کی گئی، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب کا اس گروپ کے ساتھ جانا ملتوی ہو گیا، مگر آپ نے جلد اور ایک فیصلہ کرلیا کہ وہ بذات خود کمانڈر بن کر منگڈو کی جانب شمال سے ارکان میں داخل ہونے والے مجاہدین کے ساتھ میدان میں اتریں گے، بالآخر معاملہ ویسا ہی ہوا، مگر میدان کے پرکٹھن حالات او شدائد سفر جہاد نے آپ کی قوت کو زبردست چیلنج کر دیا، جس کے نتیجے میں آپ کو میدان

سے واپس آنا پڑا، اور اس جماعت کا کمانڈر مولوی سعید احمد (۱) کو بنایا گیا، جن کی قیادت میں اس گروپ نے میدان میں بہت کچھ کر دکھایا، مولوی صاحب حقیقت میں داد دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

ادھر نائب چیف آف کمانڈر جناب شبیر احمد صاحب کی قیادت میں ایک جماعت موضع ہیم سری سے بذریعۂ چھوٹے سمندر جہاز جنوبی منگڈو کے لئے روانہ ہوگئی، ابھی ارکان کے ساحل پر اترنا تھا کہ یکا یک موسمی طوفان نے جہاز کی خبر لی، اور لطمۂ موج وطلاطم کے شکار ہوکر جہاز ڈوبتے ڈوبتے کسی طرح ساحل پر آ لگا، حوادث ومصائب کے شکار مجاہدین تو کسی طرح طوفان سے بچ نکلے، لیکن جہاز اور ضروری سروسامان غرق آب ہو گئے، ابھی ساحل پر اترے ہوئے مجاہدین نے اپنے قدم سنبھالنے بھی نہیں پائے کہ یکا یک ان پر مسلسل حملہ شروع ہوگیا، بات یہ تھی کہ حوادث ومصائب کے شکار مجاہدین جو ابھی نڈھال اور بدحواس تھے، ان پر تازہ دم مضبوط دشمن کا مسلسل حملہ شروع ہوگیا تو ان کو حالات نے ناسمت شناس مسافر جیسا بنا دیا، اور تقریبا تمام مجاہدین بشمول کمانڈرز کے شہید ہونے لگے تھے، ادھر بحری راستے سے جانے والے مجاہدین کی مسلسل پریشان کن خبریں مرکز میں آنی شروع ہوگئیں تو دوسری تیسری سمت شمال سے جانے والی مجاہدین پر سراسیمگی کی فضاء چھا گئی، اور ہر طرف آہ وفغاں کا

(۱) مولوی سعید احمد صاحب کمانڈر آف آر ایس او کا نام ۱۹۹۴ء کے دوران سننے میں آیا، مذکورہ اس جہادی پروگرام کے دوران اور بعد میں بھی ان کی استعداد، خلوص اور واقعیت پسندی پر بہت سارے جوانوں کو گن گاتے ہوئے دیکھا سنا گیا، مگر ان سے باضابطہ ملاقات ۲۰۱۲ء کے بعد اس وقت ہوئی جب وہ سعودی عرب میں جہاد و قتال کے حوالے سے مکہ مدینہ اور دیگر شہروں کے دورے کر رہے تھے، اس سلسلے میں جدہ آئے اور صدیق مکرم جناب مولوی اختر حسین بن مولانا محمد حنیف خونیہ فاروی کے گھر میں جلسہ منعقد ہوا تو اس میں ان کی گفتگو سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ وہ واقعی جہاد وقتال کے متوالے اور مخلص انسان ہیں۔

سماں چھا گیا، صرف مجاہدین کے رشتے دار نہیں خود تنظیم کے امیر ڈاکٹر محمد یونس صاحب بھی حیران اور ششدر ہوکر رہ گئے، حالت ایسی ہوگئی کہ جس نے کم سے کم پروفیسر محمد زکریا صاحب کے زیر کمان جانے والے مجاہدین کی راہ روک لی تھی، بالآخر مؤخر الذکر مجاہدین اپنی منزل تک نہ پہنچ سکے، دراصل ہماری تاریخ جہاد میں یہ ایک کرب وبلا کی داستان ہے، جس کی تفصیلات کم سے کم ایک جلد میں سما سکتی ہیں۔

البتہ شمالی منگڈو سے جانے والے مجاہدین نے اپنی بہادری کا لوہا منواتے ہوئے سینکڑوں برمی فوجوں کو جہنم رسید کر دیا، وہاں ایک درجن سے زیادہ لڑائیاں ہوئیں، میدان جہاد ہر حالت میں مجاہدین کا ہاتھ رہا، کہتے ہیں کہ اگر سمت جنوب سے جانے والے مجاہدین بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ارکان کی جہادی تاریخ میں خاصا رنگ بھرا ہوتا، جب کہ سمت جنوب سے جانے والے مجاہدین ہر اعتبار سے سمت شمال سے جانے والے مجاہدین سے مضبوط اور توانا تھے، جن کے پاس کچھ بہترین اسلحے تھے، اور ہر ایک نوجوان نسبتا توانا تھے، لیکن قدرت کو ایسا ہی منظور تھا کہ چند کے علاوہ تمام کے تمام مجاہدین شہید ہو گئے تھے۔

ادھر ابوصالح، ابوسعید اور نورالاسلام پر حکم تھا کہ شہر منگڈو میں چند دھماکے کر کے جلد علاقۂ منگڈو کے جنوب والے مجاہدین سے جڑ جائیں، لیکن منگڈو میں دو تین دھماکے کرنے کے بعد انہیں سمت جنوب کے مجاہدین کی حالت زار نے اپنی اپنی جان بچانے پر مجبور کر دیا، یوں وہ جان ہتھیلی پر لے کر مرکز آ پہنچے تھے"۔

یہ ایک جانی مانی بات ہے کہ جس وقت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن میدان جہاد وقتال میں اتر رہی تھی اس وقت ہماری قومی سطح پر اس جیسی اور ایک متحرک تنظیم ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) بھی تھی، جس کی قیادت محترم نورالاسلام اور جناب شبیر حسین فوئما لوی کر رہے تھے، اور بعض حیثیت سے موخر الذکر تنظیم اول الذکر سے مضبوط اور مستحکم تھی، مخصوص طور پر اس کے پاس آر

ایس او کی بنسبت بہترین اسلحے اور تجربہ کار مجاہدین تھے(۱) لیکن شاید یہ آر ایس او کی حکمت عملی یا عملی غرور تھا کہ جہاد و قتال میں اترتے وقت نہ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) والوں سے مشورہ کیا اور نہ ان کو بھی شریک جہاد و قتال ہونے کی دعوت دی گئی، اس وقت راقم السطور چاٹگام میں موجود تھا، مجھے بہت افسوس ہوا کہ کاش اس پروگرام جہاد و قتال میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ بھی شریک کار ہوتے شاید امت مسلمۂ ارکان کی اس عظیم تحریکی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو حسرت و مایوسی کا چہرہ دیکھنا پڑتا، اس بات کا افسوس خود فرنٹ کے بڑے بڑوں کو بھی ہوا تھا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ جبھی آر ایس او کے جنوبی منگڈو والے مجاہدین پریشانیوں پر پریشانیاں آرہی تھیں، ان کی نامرادی کی خبریں ہر طرف سنائی دے رہی تھیں تو میں بذات خود فرنٹ کی مرکزی دفتر پہنچا، اس وقت فرنٹ کے صدر محترم جناب نورالاسلام صاحب دفتر سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، تاہم نائب صدر جناب شبیر حسین صاحب سے میری ملاقات ہوگئی، ان سے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن پر بیتنے والے حالات کے پیش نظر پوچھا گیا کہ جناب من! آپ حضرات ایک علیحدہ تنظیم کے لیڈران ہیں، مگر کام تو دونوں تنظیموں کا ایک ہی طرح کا ہے، آخر آپ حضرات روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے ساتھ کیوں شریک جہاد و قتال نہ ہوئے؟ دوسری بات یہ ہے کہ آخر جن لوگوں نے آر ایس او کے سائے تلے جہاد و قتال کا کام شروع کیا ہے وہ بھی تو ہمارے بھائی ہیں، آج کل خبریں آرہی ہیں کہ جنوبی منگڈو میں بہترین مجاہدین جام شہادت نوش فرما چکے ہیں، اور بچے کچھے بھی بڑی سراسیمگی کی حالت میں ہیں، ایسے حالات میں آپ حضرات کیوں نہ ان کی مدد کو نکلتے ہیں؟ تو جناب شبیر حسین صاحب نے جواب میں فرمایا کہ:

---

(۱) جہاں تک میں جانتا ہوں کہ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے پاس آر ایس او کی بنسبت بہترین ہتھیار موجود تھے، علاوہ ازیں اس تنظیم کے نوجوان مجاہدین بھی نہ صرف تجربہ کار تھے بلکہ اس میں بعض ایسے معمر مجاہدین بھی شریک تھے کہ جنہوں نے محمد جعفر حسین قوال، محمد عباس صاحب اور محمد قاسم راجا صاحب کے ساتھ کام کئے تھے، حتی کہ دو ایک معمر ترین ایسے مجاہدین بھی تھے کہ جن کا دعوی تھا کہ مغربی ارکان کے پہاڑی اور جنگلات کے پتے پتے تک پر ان کی جانکاری ہے۔

''یہ ایک سچی بات ہے کہ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا جماعتیں ہیں، اس میں بھی کیا شک ہے کہ دونوں تنظیموں کے ممبران ارکان کے روہنگیا ہیں، مسلمان ہیں، طریقۂ کار جیسا بھی ہو مگر بادی النظر میں مقصد دونوں کا ایک ہے، مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انتظامی امور کے حوالے سے دونوں الگ الگ تنظیمیں ہیں، دراصل بات یہ ہے کہ آر ایس والونے جہاد و قتال کے حوالے سے جو پروگرام حال میں ہاتھ لیا ہے، اس کے متعلق ہمیں بعد میں معلوم ہوا، اور جتنی باتیں عام لوگوں کے کان پڑیں، اتنی ہی ہماری بھی کان میں آرہی ہیں، بعد میں پھر بھی ہم نے ایک کوشش کی تھی کہ ہم بھی کسی جانب سے ان ہمارے بھائیوں کے ساتھ شریک جہاد ہو جائیں، ہم نے اس سلسلے میں ایک وفد آر ایس او والوں کے یہاں بھیجا بھی تھا، مگر ان کے جواب سن کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی ہے، ان کے جواب سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ بس وہی لوگ ایک اسلامی جماعت کے حاملین ہیں، وہ اپنے ساتھ دیگر نظریات کے حامل کسی بھی گروپ یا تنظیم کو شریک کفاح کرنا نہیں چاہتے ہیں، ان کی نظر میں کم سے کم ہماری جماعت ایک صحیح اسلامی جماعت نہیں ہے، اس لئے وہ لوگ ہمارے ساتھ شریک کار ہونا نہیں چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم اس راہ پر اکیلے ہی کام کریں گے لیکن ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے ساتھ نہیں، یہ الگ بات ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے نام سے وہ ایک اسلامی جماعت ہونے کا پتہ نہیں چلتا، جب کہ ہماری جماعت کے نام کے اندر ہی اسلامی جماعت ہونے کا اقرار ہے، ظاہر ہے کہ ہماری جماعت کا نام ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) ہے، اب بات یہ ہے کہ ہم آر ایس او والوں کے ساتھ کام کرنے اور شریک جہاد ہونے کے لئے پہلے بھی تیار تھے اور اب بھی تیار ہیں، مگر وہ لوگ ہمیں قبول کرنا نہیں چاہتے، بہر حال ابھی جو بات سننے

میں آ رہی ہے کہ جنوبی منگڈو سے وارد ہونے والے مجاہدین کی حالت بہت خراب ہے، مگر ہم اب کیا کر سکیں گے، درحقیقت بات یہ ہے کہ اسٹراٹیجی کے حوالے سے ہمارا جہاں تک علم ہے، ادھر سے مجاہدین کا جانا ہی ایک اعتبار سے غلط ہوا ہے، اگر ہم ان کے ساتھ پہلے سے شریک ہوئے ہوتے تو ہم کبھی بھی ایسی غلطی ہونے نہیں دیتے، اب اگر ان کی مدد کے لئے مسلح ہو کر ایک غلط اقدام کریں گے تو ہماری بھی نامرادی اور ناکامی یقینی ہے، ان کے لئے سر دست ضرورت اس بات کی ہے کہ جتنا نقصان ہوا ہو چکا ہے، رہے سہے مجاہدین کو واپس بلا لینا چاہئے، ورنہ اور بھی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے، رہی بات کہ ادھر شمالی جانب سے جانے والے مجاہدین کی مدد ضرور ہو سکتی ہے، بشرطیکہ وہ لوگ چاہیں، ورنہ ہم ان کے تعاون کرنے کے لئے ان کی چاہت کے بغیر جائیں گے تو میدان میں افراتفری ہونے کا اندیشہ ہے، یہ ایک جنگی حکمت عملی کی بات ہے جس سے آپ شاید واقف ہوں، مزید اور ایک بات ہے کہ جہاں تک ہم چاہتے ہیں کہ آر ایس او کے پاس جتنے بھی مجاہدین ہیں، ان کے ایمان ویقین، ولولہ وجذبہ میں اضافے ہوں، ہم ان کے قدردان ہیں، مگر جنگی حکمت عملی سے واقف آدمی کا ان میں نہ ہونے کا بڑا اثر ہے، اگر جنگی حکمت عملی سے تھوڑی واقفیت بھی ہوتی تو وہ اس طرح کے اقدامات کبھی نہیں کرتے، سچ تو یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو میدانی تجربہ رکھتا ہو، جو کچھ بھی ہو مجاہدین تو شہید ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، رہے سہے مجاہدین صحیح وسلامت سے رہے، ذاتی طور پر مجھے اس دردناک حالات پر نہایت افسوس ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا بھلا کرے''۔

بعد میں راقم سطور کی ملاقات محترمی جناب نورالاسلام صاحب سے ہوئی تھی، اس مذکورہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے نفیر عام اور جہاد وقتال کے حوالے سے جناب کا غم وغصہ بڑا شدید تھا،

ان کی رائے میں اولاً سمت جنوب سے جانے والے مجاہدین کا اقدام جنگی حکمت عملی کے حوالے سے ایک خودکشی کا مترادف تھا، جس سے ثابت ہو گیا کہ آر ایس او میں جہاد وقتال کی حکمت عملی کی ترتیب کے حوالے سے کوئی فنی ماہر نہ تھا، غلطی ایک دو طرح کی ممکن تھی، ہر پہلو سے غلطی کا سرزد ہو جانا ایسے حساس معاملہ میں کیا معنی رکھتا ہے۔

راقم سطور ان کے بیانات اور تاثرات سے جہاں تک اندازہ کر سکا کہ منگڈو کی سمت جنوب کے مجاہدین آر ایس او پر جو گزرا اور گزر رہا تھا اس پر موصوف نہایت صدمہ رسیدہ تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی بے چینیوں کا مظاہرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''مولانا آخر آر ایس او والے بھی ہمارے بھائی ہیں، ان کا نفع ہمارا نفع ہے اور ان کا نقصان ہمارا قومی نقصان ہے، ہم اگرچہ دو تنظیموں میں بٹے ہوئے ہیں، ہمارے مابین اختلافات بھی ہیں، جسے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ اختلافات ایسے نہ ہونا چاہئے جس سے قوم کا ایک ایسا نقصان ہو جس کی تلافی کبھی بھی ممکن نہ ہو، تاریخ سے آپ سبق لے سکتے ہیں، جہاں ہم نے باہم اختلاف کئے وہاں ہم نے اتحاد واتفاق بھی کئے تھے، لوگ ہمارے باہمی اختلافات کو اچھالتے پھرتے ہیں، جب کہ ہمارے اتحاد وموافقت پر ان کی نظریں ہی نہیں پڑتیں، اور پڑتی ہیں تو اس سے تجاہل عارفانہ کرتے ہیں، پھر حال کی بات ہے کہ اگر ہم دو علیحدہ علیحدہ تنظیموں میں بٹے ہوئے ہیں، لیکن بنیادی طور پر دیکھا جائے تو ہمارا مقصد ایک ہی ہے، شاید ہو سکتا ہے کہ آر ایس او والے ہم سے اس حوالے سے موافق ہوں گے؟ اتنے بڑے اقدام کرنے سے پہلے کاش کہ ہم سے کسی بھی طریقے سے مشورہ کرنے کو ضروری سمجھے ہوتے، آج جو خسارہ ہوا اور ہو رہا ہے، شاید نہیں ہوتے، یہ جو خسارہ ہوا ہے کیا وہ صرف اور صرف آر ایس او کا خسارا ہے؟ پوری قوم کا، پوری ملت اسلامیہ کا خسارہ ہے، اس کا جواب آر ایس او والے کن الفاظ میں دیں گے؟ اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ

ان سے بہت بڑی غلطی ہوچکی ہے، ماضی کی طرح اب بھی اگر آر ایس او والے اتراتے رہیں گے، ضد پر ضد کرتے رہیں گے تو خدا جانے ہماری ڈگمگاتی ہوئی قومی کشتی کس طوفان اور کس بھنور کی نذر ہو جائے گی؟ اللہ تعالی ہم سب کو محفوظ رکھے، یہ لوگ دراصل ہمیں ان کے دشمن سمجھتے ہیں، یہاں دشمنی اور دوستی کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہاں معاملہ ہے ماضی سے سبق سیکھ کر ہمارے حال اور مستقبل کو سنوارنے کا، اور قوم کو مزید گرنے سے بچانے کا، مخصوص طور پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے صدر ڈاکٹر محمد صاحب کے لئے ناگزیر تھا کہ اتنے بڑے حساس اقدام کرنے سے پہلے کم سے کم ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی اعلی قیادت سے مذاکرات اور مشورہ کرتے، دراصل بات یہ ہے کہ زمانوں سے ان کے اندر ایک گھمنڈ پیدا ہو گیا ہے، وہ اسلامی پارٹی والے ہیں، ان کے مطابق ان کے پاس ہی روشن نظریات اور کام کے حوالے سے تابناک منصوبہ بندی ہے، آج کیا ثابت ہوا ہے؟ ثابت یہ ہوا ہے کہ گھمنڈ اور اترانے کا انجام بالآخر تباہی اور بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، جس کے ذمے دار آر ایس او والے اور خود ڈاکٹر محمد صاحب ہیں، ان کی یہ ناعاقبت اندیشانہ غلطی قوم اور قوم کی تاریخ شاید معاف کرے گی۔

مولانا! لوگ ہم پر جتنی بھی بھبتیاں کسیں، کسنے دیجئے، اللہ تعالی شاید ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہمارے دین، ایمان، عزت وآبرو، ملک وقوم کے بچاؤ کے لئے کر رہے ہیں، ان لوگوں نے نظریات کی بنیاد پر ہماری جتنی بھی دشنام طرازی کی ہے، ہم پر جتنے بھی ناروا الزامات لگاتے پھرتے ہیں، اللہ تعالی کے حضور انہیں جواب دہ ہونا پڑے گا، اللہ تعالی کی گرفت سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا، بہر حال آج ہمارے بھائیوں پر جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، اس پر ہمیں بہت دکھ ہو رہا ہے، جو کچھ بھی چاہیں آپ کہہ سکتے ہیں، مگر سچ تو یہ ہے کہ جنگی حکمت عملی کے

حوالے سے ان لوگوں نے بڑا غلط اقدام کیا ہے‘‘۔

جنگی حکمت عملی کے حوالے سے راقم سطور کو کتنی معرفت حاصل ہے وہ تو ظاہر ہے، ۱۹۹۴ء کی اس جنگ میں کیا کیا غلطیاں ہوئیں، وہ تو ایک ماہر فن ہی بتا سکتا ہے، جس پر شرح وبسط کے ساتھ قلم اٹھانا میری کی بس کی بات نہیں ہے، تاہم بعض حضرت کو جو اس فن کے حوالے سے تھوڑا بہت ادراک رکھتے ہیں اس جنگ میں ناکامی، نامرادی اور حکمت عملی کی خلاف ورزی پر بحث کرتے ہوئے سنا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی اعلی قیادت میں اس وقت لڑائی چھیڑنے اور نہ چھیڑنے پر اختلافات شروع ہو گئے تھے، حتی کہ یہ اختلافات آخر کار ذہنی، فکری، بلکہ عملی انتشار تک پہنچ گئے تھے، تنظیم کی نچلی سطح سے اعلی سطح کے عہدیداروں تک میں اس اختلاف وانتشار کا زہر پھیل چکا تھا، بظاہر عاملہ میں اگرچہ ایک طرح کا متفقہ فیصلہ ہو گیا، مگر درحقیقت اس فیصلہ پر مخالفین کا دل ودماغ صاف نہ تھا، جس سے باطنی طور پر نابرکتی شروع ہو گئی، ظاہری طور پر بھی جہاد وقتال جیسے حساس معاملہ پر جو باہمی تعاون درکار تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔

(۲) دنیا میں جنگ وجدال، معرکہ آرائی اور جہاد وقتال کا فن ایک عظیم الشان فن ہے، انسانی تاریخ شاہد ہے کہ اس فن پر دنیا کی قوموں نے کتنی دماغ خرچی کی ہے، دولت کے کتنے انبار لگا دیے ہیں، ماضی کی انسانی تاریخ میں جس طرح اس حقیقت کے حوالے سے انگنت آئینے موجود ہیں، حال بھی یہ ہے کہ دنیا کی قوموں نے اس فن پر اپنی عقل ودولت کے سہارے ہفت خواں کو سر کر لیا ہے، تو فنون جنگ کے حوالے سے ایسی ایک ترقی یافتہ دنیا میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے پاس اس وقت فن سے کم سے کم مہارت رکھنے والے کتنے افراد موجود تھے؟ اس حوالے سے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ حقیقی معنی میں اس فن پر مہارت رکھنے والے گویا کوئی بھی نہ ہونے کا برابر تھا۔

(۳) منگڈو کے سمت جنوب سے گئے ہوئے مجاہدین بحری سفر سے نڈھال ہو چکے تھے، کیوں کہ ان کی اکثریت ایسی تھی کہ انہوں نے کبھی بحری سفر تو کیا بحر کے کنارے میں بھی نہیں گئی تھی، یوں بحری سفر میں اترتے ہی ان کے سر چکرا گئے تھے، ان کی ایسی حالت پر مستزاد یہ ہوا کہ انہیں موسمی

طوفان نے آلیا، ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ انہیں میدان میں اترنے سے پہلے ایک قسم کی بد حواسی نے نگل لیا تھا۔

(۴) مجاہدین کے وہاں پہنچنے سے پہلے برمی جاسوس ہر کجا پھیل چکے تھے، مجاہدین کی ہر حرکت و نقل سے جاسوس باخبر تھے، ابھی ان مجاہدین کے قدم ساحل پر کسی طرح لگا ہی تھا کہ یکا یک ان پر زبردست حملہ شروع ہوگیا، یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ایک تو مجاہدین نڈھال اور بدحواس، پھر ان پر تازہ دم افواج کے پے در پے حملے کی وجہ سے اکثر مجاہدین بدحواسی کے عالم میں قافلے سے بچھڑ گئے اور ان کی جمعیت ختم ہوگئی تھی۔

(۵) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان مجاہدین میں علاقائی جغرافیہ سے واقف کچھ آدمی تھے، مگر جمعیت ختم ہوجانے اور مجاہدین کی اکثریت قافلے سے بچھڑ جانے کی وجہ سے ایک قسم کی بھگدڑ مچ گئی تھی، کون کدھر کو گیا کچھ بھی پتہ نہ تھا، جس نے جدھر راستہ دیکھا وہ ادھر نکل گیا، مگر ان کے سامنے ہر کجا برمی فوج کی نفریں انہیں نگلنے کو تیار تھیں، ویسے ان کے لئے بچنے کا راستہ نہیں بچا تھا۔

(۶) مجاہدین کے وہاں پہنچنے سے پہلے جن لوگوں کو سامان رسد مہیا کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ان میں دو طرح کے حالات دیکھے گئے تھے:

(الف) جن وفاداروں نے سامان رسد مہیا کیا اور بعض جگہ میں ہدایات کے مطابق وہ سامان دفن بھی کئے تھے، ان کی اکثریت سے مجاہدین کا رابطہ ہی نہ ہوسکا، اگرچہ کچھ رابطہ ہوا بھی تھا وہ بھی من حیث المجموع نہ ہونے کا برابر تھا، یوں ان بدحواس، نڈھال اور پریشان حال مجاہدین کو بھوک و پیاس کے بھوت نے کنگال بنا کر چھوڑا، ایسی حالت میں وہ مقابلہ کرے تو کیسے کرے؟

(ب) اور جن مکاروں، دغابازوں، مفاد پرستوں کے پاس سامان رسد بہم پہنچانے کے لئے رقوم پہنچی تھیں، انہوں نے پیسے ہضم کرنے کے لئے راستہ تلاش کرلیا، ان مجاہدین کے پہنچنے سے پہلے خود انہوں نے دشمن کو خبر کردی تھی، جس سے مجاہدین کو بہت بڑا نقصان پہنچا، میرے ناقص خیال بلکہ علم کے مطابق ایسا واقعہ ہماری پچھلی جہادی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی نہیں ہوا، اگر ہوا

بھی تو وہ میرے علم میں نہیں ہے، اس دردناک واقعہ کے بیان کے ساتھ گزارش رہے گی کہ اس واقعہ سے ہماری اگلی نسل درس عبرت حاصل کرے، جن لوگوں پر اتنا بڑا اعتماد کیا گیا تھا آخر وہ اتنے بڑے خطرناک مکاری پر کیوں اتر آئے تھے؟۔

(۷) برمی افواج نے مجاہدین اور عوام کے درمیان ایک قسم کی انسانی دیوار کھڑی کردی تھی، اور حالات کو ایسا بنادیا گیا کہ مجاہدین اور مسلم عوام جن پر اللہ تعالی کے بعد مجاہدین کا سب سے بڑا بھروسہ تھا کے درمیان تعاون کا راستہ مسدود کردیا گیا تھا، اور عوامی تعاون کو ختم کرنے کے لئے برمی افواج نے ممکنہ تمام حکمت عملیاں اپنائی تھیں، ایسے حالات میں بعض وہ مجاہدین جنہوں نے اس دیوار کو پلانگ کر بعض بستیوں میں اترنے میں کامیابی حاصل کی، ان کے حالات دیکھئے:

(الف) مجاہدین سامان رسد حاصل کرنے کے لئے ترساں تھے، بھوک و پیاس فقر و فاقہ نے ان کو مسلمانوں کی بستیوں میں داخل ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

(ب) بستیوں میں برمی جاسوس خود مسلمانوں کی شکل میں موجود تھے، ان کی نظروں سے بچنا بہت مشکل تھا، ان میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک قسم کا تذکرہ تو پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سامان رسد کے حوالے سے پہنچنے والی رقم ہضم کرنے کی فکر میں پڑے ہوئے تھے، دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جو برمی افواج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان مجاہدین کے پکڑاؤ کے پیچھے پڑ گئے تھے، ان دونوں قسم کے لوگوں کو ایک طرح کے غدار بھی کہا جاسکتا ہے۔

(ج) وہ وفادار مسلمان جن کے دل ان حالات کے شکار مجاہدین کے لئے خون کے آنسو بہا رہے تھے، وہ بھی حالات سے مجبور تھے، ان کو مجبور کردیا گیا کہ وہ کسی طرح کے تعاون کے ہاتھ ان مجاہدین کی طرف بڑھا سکیں، پھر بھی بعض بستیوں میں ایسے لوگ بھی پائے گئے کہ جنہوں نے مجاہدین کو کچھ تعاون کیا، لیکن ایسے معاونین پر بڑی بڑی مشکلات آئی تھیں، حتی کہ بہتوں نے اللہ تعالی کی راہ میں جام شہادت بھی نوش کیا، ایسے واقعات اس وقت درجنوں سے زیادہ دیکھے گئے تھے، اللہ تعالی ان دل دردمند شہیدوں کی ارواح مبارکہ پر مزید باران رحمت برسائے، آمین ثم آمین۔

بہر حال جو کچھ بھی کہنا ہے آپ کہہ سکتے ہیں، میں ان لوگوں کے ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوں کہ جنہوں نے یہ کہا کہ:

''منگڈو کی سمت جنوب سے مجاہدین کا جانا جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے بہت ہی غلط تھا، روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے ایک ایسا قدم اٹھایا جو آئین جنگ اور حکمت جنگ کا سراسر خلاف تھا، جس سے نہ صرف تنظیم بلکہ پوری قوم کا لاتلافی نقصان ہوا، جس کی نامرادی اور ناکامی کی وجہ سے قوم ایک بار پھر سے ناامیدی، مایوسی، منتشر الخیالی اور سراسیمگی کی شکار ہوگئی، یہ ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی شاید قریبی مدت میں ممکن ہو سکے، الامان والحفظ''۔

(۸) برمی درندوں اور وحشیوں نے ارکانی مسلمانوں پر کتنے مظالم ڈھائے، اس کی پوری تصویر کشی تو ممکن نہیں، اس کا سلسلہ تو ۱۷۸۴ء سے شروع ہو کر تا حال جاری ہے، البتہ اس مرتبہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے میدان کارزار میں اترنے کے بعد ان نہتے مظلوموں پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کی داستانیں بڑی حسرتناک ہیں۔

۱۹۹۴ء اور اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک ان مسلمانوں کی نیند حرام کر دی گئی، پوری سرزمین کو ایک جہنم کا غار بنا دیا گیا، ان پر انوکھے انوکھے قسم کے مظالم ڈھائے گئے، جن کے تصور سے دل دہل جاتے اور کلیجے منہ کو آنے لگتے ہیں، کرۂ ارضی میں کسی بھی زمانے میں شاید ایسا منظر دیکھا گیا ہو، مساجد شہید کی گئیں، مدرسے ڈھائے گئے، بستیاں اجاڑی گئیں، ہزاروں مسلم ماں بہنوں کی عصمتیں لٹی گئیں، علماء، مبلغین، مرشدین اور مسلم دانشوروں کو تہ تیغ کیا گیا، سینکڑوں کو ذلیل وخوار کر کے کال کوٹھری کی اندھیرے میں غرق کر دیا گیا، اور تو اور ہزاروں ضعیف بوڑھوں اور معصوم بچوں تک کو نام نہاد بیگار کے بہانے ان وحشی برمی درندوں نے موت کی گھاٹ اتار دیا، ان مظالم کے حوالے سے سینکڑوں واقعات ہمارے سامنے آئے، جن میں سے صرف جنوبی بوسیدنگ کی بستی خیر مورہ فارہ کا ایک دلدوز واقعہ حاضر خدمت ہے، جس سے ممکن ہے کہ بقیہ واقعات بھی سمجھ میں آ جائیں، یاد رہے کہ یہ واقعہ میں نے اپنی حقیر کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' سے

مستعار لے کر بیان کرتا ہوں؟ اس میں صرف چند فقرے کی تبدیلی ہے:

''بوسیدنگ ٹاؤن شپ سے گیارہ میل سمت جنوب پر ایک گاؤں آباد ہے، خیر مورہ فارہ نامی اس گاؤں کو علماء اور مبلغین کا چمن کہلایا جاتا ہے، علاقۂ بوسیدنگ کی سمت جنوب سے گئے ہوئے مجاہدین اس گاؤں میں اترے تو گاؤں کے چند دل جلے حضرات نے ان کی اوبھگت کی، حتی کہ تمام مجاہدین کو ایک گائے ذبح کر کے کھلایا، ابھی ان مجاہدین کا وہاں سے کوچ کرنا تھا کہ برمی افواج ایک طوفان بن پر اس گاؤں میں آئیں، اور مظالم کی ایسی چکی چلائی کہ جس کے نتیجے میں اور تو اور ہزاروں خواتین اور معصوم بچے شہید ہو گئے، اس نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ جس کی وجہ سے آسمان ارکان نے خون کے آنسو بہایا ہے، اگرچہ اس گاؤں کے بعض حضرات نے اپنی عاقبت کا اندازہ نہ کر سکا اور انہیں اپنی جذبات اور ناعاقبت اندیشی نے دے مارا، لیکن افسوس ہے مجاہدین پر کہ ان مجاہدین نے جو اقدام اس حوالے سے کیا، وہ جنگی حکمت عملی کا سراسر خلاف تھا، ان کے ایسے اقدام کو گوریلا جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے ناواقفیت اور ایک طرح کی بچپنا ہٹ کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس واقعہ سے اگرچہ مجاہدین کا فوری طور پر کوئی نقصان نہیں ہوا، لیکن گاؤں کے بے گناہ افراد ان برمی ظالموں کے ناپاک ہاتھ سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے، یوں سینکڑوں افراد کی جانیں گئیں، عوام میں ہر کجا بدحواسی، درماندگی اور ناامیدی کی فضاء چھا گئی تھی''۔

۱۹۹۴ء کے جہاد کے کچھ نتائج:

۱۹۹۴ء میں جہاد کی بھرپور تیاری کے بطور مجاہدین کی تقسیم ہوگئی، تاہم ان امور میں چیف آف کمانڈ جناب اظہار میاں صاحب کی کوئی دل چسپی نہیں تھی، کیونکہ اس حوالے سے تمام کام نائب چیف کمانڈر ماسٹر شبیر احمد صاحب کر رہے تھے، چنانچہ ماسٹر شبیر احمد صاحب نے اپنے ماتحت کمانڈروں کے تعاون سے مجاہدین کو پانچ گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا، جو درج ذیل ہیں:

A۔شمالی منگڈو کا گروپ۔

B۔جنوبی منگڈو کا گروپ۔

C۔شمالی بوسیدنگ کا گروپ۔

D۔جنوبی بوسیدنگ کا گروپ۔

E۔بنگلا دیش کی سرحد میں رہ کر امداد پہنچانے والا گروپ۔

شمالی منگڈو والے گروپ کے ذمہ داران:

(۱) ڈاکٹر محمد یونس صاحب (سرپرست اعلی)

(۲) حافظ نور البشر، آپریشن کمانڈر۔

(۳) مولوی سعید احمد، نائب کمانڈر۔

(۴) مولوی جعفر احمد، کمانڈر۔

(۵) مولوی شمس العالم، کمانڈر۔

(۶) حافظ سراج الحق، کمانڈر۔

(۷) مولوی فرید العالم، کمانڈر۔

(۸) محمد اکبر، کمانڈر۔

(۹) محمد علی، کمانڈر۔

B۔جنوبی منگڈو والے گروپ کے ذمہ داران:

(۱) ماسٹر شبیر احمد، آپریشن کمانڈر اور سرپرست اعلی۔

(۲) مولوی محمد یونس جہادی، نائب کمانڈر۔

(۳) مولوی صدیق الرحمن، کمانڈر۔

(۴) مولوی حسن علی، کمانڈر۔

(۵) محمد قاسم، کمانڈر۔

(۶) مولوی محمد یونس صدیقی، کمانڈر۔

(۷) مولوی سلیم الکلام، کمانڈر۔

(۸) مولوی محمد حسن، کمانڈر۔

(۹) ڈاکٹر زین العابدین، کمانڈر۔

(۱۰) ماسٹر محمد خان، کمانڈر۔

شمالی بوسیدنگ والے گروپ کے ذمہ داران:

(۱) پروفیسر محمد زکریا، سرپرست اعلی۔

(۲) مولوی نور الحق، اپریشن کمانڈر۔

(۳) مولوی یونس آبادی، نائب کمانڈر۔

(۴) مولوی عبد الکریم، کمانڈر۔

(۵) مولوی محمد علی، کمانڈر۔

(۶) مولوی محمد طیب، کمانڈر۔

(۷) ماسٹر جلال احمد، کمانڈر۔

(۸) ماسٹر سعید احمد، کمانڈر۔

جنوبی بوسیدنگ والے گروپ کے ذمہ داران:

(۱) ماسٹر کبیر احمد، آپریشن کمانڈر اور سرپرست اعلی۔

(۲) مولوی محمد سلیم، نائب کمانڈر۔

(۳) مولوی نور حسین، کمانڈر۔

(۴) روح الامین، کمانڈر۔

(۵) عبدالرحمن، کمانڈر۔

(۶) مولوی رحیم اللہ، کمانڈر۔

(۷) ڈاکٹر محمد ایوب، کمانڈر۔

سرحد میں رہ کر ضروری امداد پہنچانے والے گروپ کے ذمہ داران:

(۱) جناب اظہار میاں سرپرست اعلی۔

(۲) نور حسین، نائب کمانڈر۔

(۳) نور عالم (۱) کمانڈر۔

(۴) محمد ایوب، کمانڈر۔

شمالی بوسیدنگ اور جنوبی بوسیدنگ کے مشترکہ گروپ کے ذمہ داران:

(۱) ماسٹر کبیر احمد، سرپرست اعلی۔

(۲) مولوی سلیم، کمانڈر اعلی۔

(۳) مولوی نور الحق، کمانڈر۔

(۴) مولوی منصوری، کمانڈر

(۵) مولوی نور حسین، کمانڈر۔

(۶) مولوی شفیق، کمانڈر۔

(۷) عبدالرحمن، کمانڈر۔

(۸) خیر الاسلام، کمانڈر۔

(۹) ماسٹر سعید احمد، کمانڈر۔

(۱۰) ماسٹر رفیق، کمانڈر۔

(۱۱) کبیر احمد، کمانڈر۔

(۱۲) حافظ جابر، کمانڈر۔

(۱۳) مولوی یونس آبادی، کمانڈر۔

(۱۴) مولوی عبدالکریم، کمانڈر۔

(۱۵) مولوی عیسی، کمانڈر۔

(۱۶) مولوی محمد طیب، کمانڈر۔

(۱۷) مولوی علی حسین، کمانڈر۔

(۱۸) ماسٹر جلال احمد، کمانڈر۔

(۱۹) رحیم اللہ، کمانڈر۔

(۲۰) ڈاکٹر ایوب، کمانڈر۔

(۲۱) ڈاکٹر حمید حسین، کمانڈر۔

(۲۲) مولوی محمد امین، کمانڈر۔

(۲۳) شاہ عالم، کمانڈر۔

اپریل 1994ء میں جنوبی منگڈو میں شہید ہونے والے مجاہدین:

(۱) ماسٹر شبیر احمد بن کلا میاں (۴۰) دومبائی، تنگ بازار، بوسیدنگ، شادی شدہ۔

(۲) مولوی محمد یونس جہادی بن مولوی عبدالشکور (۳۴) اولافے، بوسیدنگ، شادی شدہ۔

(۳) مولوی حسن علی بن انوار میاں (۳۰) سانگو ڈائینگ، راسیدنگ، شادی شدہ۔

(۴) مولوی صدیق الرحمن بن جلال احمد (۳۶) کلونگ، منگدو، شادی شدہ۔

(۵) محمد قاسم بن محمد سلطان (۳۰) خائندہ فارہ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۶) حبیب الرحمن بن مولوی محمد صدیق (۲۶) گدوسرہ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۷) عبدالحمید بن نورالبشر (۳۰) خواندنگ، بوسیدنگ، شادی شدہ۔

(۸) حافظ بدرالدین بن مولوی بشیرالدین (۳۰) مورافارہ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۹) امیر حسین (رہبر) بن کبیر حسین (۴۵) زامبنیہ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۱۰) باسامیاں بن عبدالسلام (۴۸) زامبنیہ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۱۱) کالامیاں (رہبر) بن محمد میاں (۴۲) کلونگ، منگڈو، شادی شدہ۔

(۱۲) مولوی نورالاسلام بن عبدالشکور (۲۶) تنگ بازار، بوری چنگ، شادی شدہ۔

(۱۳) ابوسعید بن سعیداللہ (۳۵) تنگ بازار، بوسیدنگ، شادی شدہ۔

(۱۴) جہانگیر بن ابوالحسین (۲۴) شقدارفارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۱۵) مولوی یحیی بن عبدالامین (۲۲) کیپرودنگ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۱۶) عبداللہ بن ماسٹر محمد اللہ (۲۶) کیپرودنگ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۱۷) مولوی سلامت اللہ بن عبدالرشید (۲۲) صاحب بازار، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۱۸) محمد رفیق بن دین محمد (۱۸) خیرفارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۱۹) حافظ محمد علی بن حافظ محمد عالم (۲۱) دھوڈائینگ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲۰) حافظ حفظ الرحمن بن مولوی عبدالرحمن نوراللہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲۱) محمد امین (UAE) عبداللہ (۲۴) جنوبی منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲۲) محمد موسی بن ماسٹر نورالعالم، فندوفرانگ، بوسیدنگ، غیر شادی شد۔

(۲۳) محمد وارث بن کلیم اللہ (۲۵) شقدارفارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲۴) محمد رحیم بن عبدالرحیم (۲۵) فندوفرانگ، بوسیدنگ غیر شادی شدہ۔

(۲۵) حسین جوہر بن دین محمد (۱۸) اولافے، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۲۶) عمر خالد بن محمد خالد حسین (۲۰) اولافے، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۲۷) مولوی محمد ایوب بن مولوی اشرف علی (۲۴) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲۸) ڈاکٹر محمد ایوب بن محمد سعید (۲۲) منوفارہ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۲۹) محمد یحیی بن مولوی اشرف علی (۲۰) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۰) امیر حسین (ہسپتال) بن رشید احمد (۲۰) صاحب بازار، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۱) کبیر احمد بن سعید احمد (۱۸) زامبنیہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۲) کمال حسین بن محمد الیاس (۲۲) زامبنیہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۳) زاہد حسین بن امیر حسین (۲۲) شیرخوردہ فارہ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۳۴) عمر فاروق بن محمد اسلام (۲۱) نوراللہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۵) خیرالامین بن مولوی علی احمد (۲۲) شیتا فوریکہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۶) محمد شریف بن عبدالسلام (۱۸) کلونگ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۷) عبدالجلیل بن عبدالقدوس (۲۷) کلونگ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳۸) محمد صدیق بن محمد کریم (۲۶) شیرخوردہ فارہ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۳۹) امیر حسین بن عبدالمالک (۲۳) شیرخوردہ فارہ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۴۰) سعید انوار بن تفضّل حسین (۲۰) فرانفرو، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۱) ابویوسف بن مولوی امجد حسین (۱۸) شیتا فوریکہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۲) مولوی محمد شفیع بن مولوی محمد کبیر (۲۷) خائندہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۳) ابوالقاسم بن عبدالحمید (۲۸) دھونسے فارہ، راسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۴۴) راغب اللہ بن محمد عبداللہ (۲۶) گدوسرا، منگدو، غیر شادی شدہ۔

(۴۵) ابوالہاشم بن محمد قاسم (۲۵) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۶) شاہداللہ بن لالومیاں (۲۵) منگیزی، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۴۷) حافظ فاروق بن محمد خیر (۲۵) نوراللہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۸) مولوی سعید حسین بن محمد حسین (۲۳) نوراللہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴۹) حمید حسین بن سعید عالم (۲۲) تمنگ چنگ، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۵۰) مولوی ابوالباصر بن ڈاکٹر ابوبکر (۲۴) شیتا فوریکہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۱) محمد جعفر بن ابوالبشر (۲۰) شیتا فوریکہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۲) محمد شبیر (شبو) بن عبدالحکیم (۲۳) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۳) زاہد عالم بن ابوالحسین (۲۰) شیل خالی، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۴) امام حسین (۲) بن حسین علی (۲۲) منگیزی، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۵۵) امیر حسین (۲) بن رمضان علی (۲۳) منگیزی، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۵۶) ذاکر احمد بن محمد سلیم (۲۵) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۷) محمد ایوب بن محمد یونس (۲۲) گدوسرا، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۸) محمد سلام (۱) بن عبدالسلام (۲۴) نوراللہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۵۹) محمد سلام (۲) بن کالامیاں (۲۵) تنگ بازار، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۶۰) محمد مستفیض بن مولوی قادر حسین (۲۵) تنگ بازار، بوسیدنگ، غیر شادی شدہ۔

(۶۱) سعید عالم (پڑان) بن شفیع اللہ (۲۰) شیل خالی، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۶۲) امام حسین (۱) بن امین اللہ (۲۵) باغگونہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۶۳) حافظ بدر بن نورالکریم (۱۸) صاحب بازار، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

شمالی منگڈو میں شہید ہونے والے چند مجاہدین کے نام

(۱) مولوی نورالاسلام بن سعید کریم (۲۴) تمبرو، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۲) محمد سلیم بن محمد سعید (۲۰) کیاری فرانگ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۳) شاہ عالم بن محمد عالم (۲۵) خائندہ فارہ، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۴) رشید احمد بن سعید احمد (۲۸) جولہ فارہ، پتھر قلعہ، غیر شادی شدہ۔

(۵) محمد حنیف بن امیر حسین (۱۸) صاحب بازار، منگڈو، غیر شادی شدہ۔

(۶) باسامیاں (رہبر) (۵۵) زامبنیہ، منگڈو، شادی شدہ۔

جنوبی منگڈو کے محاذ سے غازی ہو کر آنے والے:

(۱) مولوی یونس صدیقی بن صدیق احمد۔

(۲) مولوی سلیم الکلام۔

(۳) مولوی علی حسین۔

(۴) مولوی حسین احمد۔

(۵) مولوی حشمت اللہ۔

(۶) مولوی ابوالکلام۔

(۷) ڈاکٹر زین العابدین۔

(۸) ماسٹر محمد خان۔

(۹) حافظ محمد قاسم۔

(۱۰) حافظ احمد۔

(۱۱) عبدالحکیم۔

(۱۲) حسین علی۔

(۱۳) اسماعیل۔

(۱۴) حمید اللہ۔

(۱۵) حاجیاسین۔

(۱۶) انعام اللہ۔

(۱۷) رشید احمد۔

مسلمانانِ ارکان کی وفاشناسی:

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مجاہدین بہر حال بہت ہی بے جگری سے مگھ برمی ظالموں کے خلاف لڑے، انہوں نے بڑے عزم و ہمت اور بلند حوصلگی کا ہر جگہ مظاہرہ کیا، جس قوت ارادی سے یہ مجاہدین میدان کارزار میں اترے، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آخر اسلام کی ابدی تعلیمات کے علاوہ انہیں ایسی قوت کسی دوسری جگہ سے کیسی مل سکتی ہے، پھر یہ تو ظاہر ہے کہ مشیت الٰہی ہر حال میں انسان کے ارادے اور امیدوں پر غالب رہی اور ہمیشہ رہے گی، جس سے انسان کی بے بسی اور لاچارگی کا ثبوت ہوجاتا ہے، یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہوا تھا، ورنہ ان مجاہدین کی بلند ہمتی، جفاکشی اور اولوالعزمی پھر جہاد اسلامی سے ان کی دلگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سر زمین ارکان کے جوانوں کے اندر ماضی کی طرح آج بھی ہفت خواں کو سر کرنے کا عزم و ارادہ اور قوت باقی ہے، انشاء اللہ مستقبل میں بھی رہے گی۔

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے ماضی کے مجاہدین اسلام کی طرح آر ایس او کے مجاہدین بھی ہمارے بڑے محسن ہیں، ۱۹۹۴ء کے بعد آر ایس او انتشار کی شکار ہوگئی، جس کا سبب میدان کارزار میں ان مجاہدین کی ظاہری ناکامی سے بڑھ کر خود تنظیم کے اندر کے بعض غیر دانشمندانہ رویہ ہے، جو اس واقعۂ جان سوز کے بعد یہاں کھل کر نمایاں ہوگیا، اس جماعت کے بعض اعلیٰ قائدین کے ان مجاہدین کے دلدوز واقعات و حالات سے ایمان میں حرکت، دل میں حرارت اور آنکھوں میں آنسو جاری ہونے کے بجائے وہ بذات خود ان مجاہدین کے واقعات پر الزام تراشی کے ساتھ سیاسی عناد حاصل کرنے کے درپے ہوگئے، ان مجاہدین کی ظاہری ناکامی سے آر ایس او انتشار اور اضمحلال کی شکار کبھی نہیں ہوتی اگر قائدین کے اندر ہم آہنگی ہوئی ہوتی، اتفاق رہا ہوتا، اطاعت شعاری رہی ہوتی، چنانچہ اس واقعہ کے بعد کی تاریخ ہمیں بتارہی ہے کہ اس تحریک کا ایسا برا انجام کیوں اور کیسے ہوا، واقعہ کوئی ڈھکا چھپا اور اسباب بھی نامعلوم نہیں ہیں، جماعت کے اندر وہی نفاق اور بڑے بڑوں کا وہی اختلاف جو ہماری ناکامی کا ہمیشہ سبب بنتا رہا تھا یہاں بھی اس کا مظاہرہ ہوا ہے، اگر قائدین پوری طور پر وفاداری اور وفاشعاری کا حق ادا کرتے تو ممکن تھا کہ اس تحریک کا نقشہ ہماری تاریخ میں کچھ

دوسرا ہوتا، مگر افسوس یہ نہیں ہوسکا، سچ تو یہ ہے کہ آج مقبوضہ ارکان کے مسلم باسیوں میں برمی غاصبوں اور مگھ شرپسندوں اور انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جو بغاوت پھیلی ہوئی ہے، اس کا تعلق عملاً ہو یا ذہنی طور پر وہ ان مردان کار جنہوں نے اپنی قربانیوں اور جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان ہی کی مرہون منت ہے، آج جس تیزی اور تیز رفتاری سے ارکانی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں، اس تیز رفتاری سے حریت پسندوں کے سینوں میں حریت و آزادی کی شمعیں فروزاں ہوتی جارہی ہیں، ظالموں نے اگرچہ ان مسلمانوں کی دلی تمناؤں، آرزوؤں اور ان کے فکری رجحانات و قومی بیداری کو کچلنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن ظلم و ستم کی ان زنجیروں کو جو چند شوریدہ سروں نے کاٹ پھینکنے کوشش کی اور ضرور کی ان کے خون جگر نے اور لالہ زار بنادیا ہے۔

آر ایس او کے مجاہدین ماشاء اللہ داد دیئے جانے کے قابل ہیں، اگرچہ ان میں سے بہت سے سرفروشان شہید ہوچکے ہیں، لیکن وقت کے تیز دھاروں نے ان سرفروشانِ آزادی کی پرخلوص سعی و کاوش کو ایک زبردست تحریک کی شکل میں متعارف کرایا ہے، ان کی شہادت کے بعد سر زمین ارکان کے جوان و نوجوانان اگرچہ بہت پریشان ہوگئے، لیکن ان کے دلوں میں وطن مقدس کی حریت و آزادی کے لئے مزید ایک تڑپ پیدا ہوگئی ہے، جو آج وطن مقدس کے باہر بھی دیکھی جاسکتی ہے، آج کل اور کچھ ہو یا نہ ہو کہ سرزمین ارکان کے بچے بچے حریت وطن کی امنگوں اور آرزوں کی علامت بن چکے ہیں، جس کا نظارہ اور کہیں نہ ہو بھی تو پاکستان اور سعودی عرب وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۰۱۲ء میں سرزمین ارکان میں جو واقعات رونما ہوئے، ان ہی دیکھے جاسکتے ہیں کہ برمی ظالموں اور مگھ شرپسند غنڈوں کی گولیوں کے سامنے نعرۂ حق بلند کر کے مسلمانان ارکان نے تاریخ میں ایک انوکھی داستان رقم کی ہے، جنہوں نے اپنے محسنوں کی طرح اپنے سینوں کو گولیوں اور سنگینوں کے آگے وا کردیا تھا، اور دنیا نے ایک بار پھر سے دیکھا کہ سرزمین ارکان کے مسلمان بزدل نہیں ہیں، ان کی رگوں میں اب بھی اپنے اسلاف کے خون جگر باقی ہیں۔

۱۹۹۴ء میں مجاہدین اسلام ارکان میں پہنچے تو بعض خوانین اور غداروں نے ان کے ساتھ بے وفائی

کی، جس کی قدرے تفصیلات زیر نظر کاوش میں بیان کی گئی ہیں، لیکن یہاں ایک افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے بعض لوگ ہر کجا ان غداروں اور وفا ناشناسوں کے واقعات کو کرید کرید کر بیان کرنے میں مگن رہتے ہیں، ان کی غداری سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سرزمین ارکان کے معاذ اللہ تمام باشندے مکاری وفریب کاری، غداری اور بے وفائی میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن یہ بات اور یہ خیال بالکل غلط ہے، ہم مانتے اور ضرور مانتے ہیں کہ بعض لوگوں نے غداری اور بے وفائی ضرور کی تھی، مگر اس کے ساتھ یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ جب آر ایس او کے مجاہدین ارکان میں پہنچے تو سرزمین ارکان کے مسلمانوں میں خوف وہراس کے باوجود امید ومسرت کی لہر دوڑ گئی تھی، اسلامیان ارکان کی مذہبی حمیت اور دینی غیرت کا پیمانہ ازسرنو چھلک پڑا تھا، بعض غیرت مندوں کو دیکھا گیا کہ آر ایس او کے مجاہدین کے سائے تلے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے سر پر کفن باندھ کر میدان عمل میں کود پڑے تھے، انہوں نے ہر حال میں وفاداری، وفا شناسی، دیانت، امانت اور خلوص وجرات کا مظاہرہ کیا، اور ظالموں کے توپوں تفنگوں کی پرواکئے بغیر آگ اور خون سے کھیلا حتی کہ ان کے خون جگر سے ارکان کے لالہ زار رنگین ہو گئے، سینکڑوں جوانوں اور نوجوانوں نے اللہ تعالی کے لئے خون شہادت کا جام نوش فرمایا، ہزاروں بچوں، ضعیفوں، ناتوانوں اور ماں اور بہنوں نے برمی اور مگھ درندوں کے مظالم برداشت کئے تھے۔

یہ الگ بات ہے کہ اس واقعہ کے دوران ارکان کے بہت سے وفا شناسوں اور پر جوش مخلصوں کا خیال تھا کہ اب یہاں مجاہدین اسلام آپہنچے ہیں، اب سرزمین ارکان میں برمی اور مگھ غاصبوں کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ قریب آگیا ہے، اب ارکان کے مسلمان حریت وآزادی کی روح پرور فضا میں سانس لے سکیں گے، لیکن مجاہدین کی ناکامی کی شکل میں جلد انہیں اپنی آرزوں کا خون ہوتا ہوا نظر آیا، اور ان کی خیالی آزادی کی منزل ایک مرتبہ پھر قریب آکر مستقبل کی تاریکی میں اوجھل ہو گئی تھی۔

۱۹۸۶ء سے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن مولانا سیف الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحبان کی قیادت میں ایک باضابطہ تحریک کا روپ دھار چکی تھی، اور یہ تحریک حقیقی معنی میں ایک تحریک بن

چکی تھی، ہمارے کتنے سرفروشان قوم وملت نے اس میں شامل ہو کر اپنی قوم وملت کی حریت و آزادی کے لئے اپنی زندگی کے نذرانے پیش کئے تھے، جن کی للّٰہیت اور خلوص اور اس راہ میں ان کی سعی وکوشش کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ تحریک ایک زبردست تحریک کا روپ دھار چکی ہے، مگر بعد میں ہمارے اندازے اور خیال کو خود ان میں شامل ہونے والے بعض افراد کی کارکردگی نے سراب بنا دیا، اگرچہ آج تک یہ تحریک سرد مہری کی شکار ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں باقی ہے، نام جو بھی ہو، میری امید ہے کہ اس تحریک میں شامل ہونے والے انفرادی شکل میں ہوں یا اجتماعی شکل میں، مسلمانان ارکان کی دلی تمناؤں اور امنگوں کی علامت بن کر قوم کی خدمات نبھائیں گے۔

مولانا سیف الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں ابھرنے والی یہی تحریک جس کا تذکرہ اب ان سطور میں کیا جا رہا ہے، اس سے اختلاف ضرور کیا جا سکتا ہے، لیکن اس تحریک میں شامل ہونے والے مجاہدین ہماری تاریخ کے ان بزرگوں کی یادگار اور وارثین ہیں، جنہوں نے اپنے دین اور وطن مقدس کے لئے اپنی زندگی، عیش وآرام اور رنگ رلیوں کو قربان کر دیا تھا، اپنی ماں وبہنوں کی عزت وآبرو کو بچانے کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، آج سرزمین ارکان میں برمی غاصبوں کے غاصبانہ قبضے اور نت نئے مظالم کے خلاف جو آوازیں اٹھ رہی ہیں، یہ ہمارے ان جانباز وجان نثار مجاہدین کی جان بازی وجان سپاری اور جرات مندانہ کردار کی رہین منت ہے۔

اب ہمارے ان مجاہدین اسلام کے وارثین کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو نظر انداز کر کے قوم کے وسیع مفاد کی خاطر ہم آہنگ ہو جائیں، اختلافات ہوئے، ممکن ہے اور بھی ہوں گے، مگر آپ ان اختلافات کو انتشار اور افتراق کے حدود تک لے جانے سے بچ نکلیں، ورنہ ہمارے قومی وملی مفادات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، الامان والحفیظ۔

پانچوں باب

دستورِ عمل:

اصول وضوابط

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن

ارکان (برما)

شائع کردہ: شعبۂ نشر واشاعت

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن اراکان (برما)

جولائی/۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

دفعہ ا۔ابتدائیہ:

اس دستور کی ابتداء مندرجہ بالا عبارات، تسمیہ، تحمید اور تعلیم سے کی جائے گی۔

دفعہ ۲۔ تنظیم کا نام:

اس تنظیم کا نام عربی میں "منظمة التضامن الرووهنجيا" انگریزی میں "روہنگیا سالیڈیریٹی ارگنائزیشن" اور برمیز میں "روہنگیا سیلو نیے اپوے" ہوگا مختصرا آر ایس او (RSO) کہا جائے گا۔

دفعہ ۳۔نصب العین:

قرآن وسنت کے مطابق اقامت دین کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے اللہ تعالی کی رضامندی

حاصل کرنا۔

دفعہ ۴۔ پروگرام:

(۱) لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا۔

(۲) اسلامی تعلیم وتربیت کو عام کرتے ہوئے لوگوں کے لئے اسلامی تعلیمات اور دیگر علوم ضروریہ کے حصول کے مواقع فراہم کرنا۔

(۳) منتشر افراد کو منظم کرنا اور ان کی بنیادی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تربیت کا اہتمام کرنا۔

(۴) معاشرہ میں فلاح وبہبود کی خدمات سرانجام دینا۔

(۵) دنیا کی دیگر قوموں کے ساتھ بقائے باہمی کے اصول کی بنیاد پر پرامن طریقے سے رہنے کی کوشش کرنا۔

(۶) اپنے مسائل ومشکلات کے موثر حل کے لئے اقوام عالم کی ہمدردانہ تائید وتعاون حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرنا۔

(۷) ارکان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع بروئے کار لانا۔

(۸) ارکان میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم دعوت واقامت دین کے لئے جدوجہد کرنا۔

(۹) دنیا بھر میں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا اور باہمی ربط وتعلق پیدا کرنا۔

(۱۰) نصب العین کے حصول کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے لئے وسائل ولوازمات کا حصول اور عملی تربیت کا اہتمام اور عملی اقدام کرنا۔

دفعہ ۵۔افرادی قوت:

تنظیم کی افرادی قوت چار حصوں پر مشتمل ہوگی:

(۱) متفق: ہر وہ شخص جو تنظیم کے نصب العین سے اتفاق کرتے ہوئے اس کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کا خواہشمند ہو، وہ تنظیم کا متفق کہلائے گا۔

(۲) کارکن: جو عاقل، بالغ، مسلمان مرد/عورت مندرجہ ذیل شرائط پوری کرتا ہو وہ تنظیم کا کارکن

کہلائے گا:

(الف) تنظیم کے نصب العین و پروگرام سے پوری طرح متفق ہو۔

(ب) فرائض دینی کا پابند ہو۔

(ج) سونپی جانے والی ذمہ داریاں نبھاتا ہو۔

(د) دستور اور اس کے اصول وضوابط کی پابندی کرتا ہو۔

(ھ) مرکزی مجلس عاملہ کی اجازت کے بغیر کسی اور تنظیم کی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیتا ہو۔

(و) مقررہ نصاب کی تکمیل کر چکا ہو۔

کارکنان کے فرائض:

(۱) ماہانہ مقررہ چندہ پابندی سے ادا کرے گا۔

(۲) متعلقہ امیر کی اطاعت اور بالائی نظم کی پابندی کرے گا۔

(۳) اپنی کارکردگی کی باقاعدہ رپورٹ دے گا۔

(۴) اجلاسوں میں باقاعدہ شریک ہوگا۔

(۵) دعوتی اور فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لے گا۔

(۶) تنظیم کے نصب العین اور پروگرام کے حصول کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے گا۔

کارکنان کے حقوق:

(۱) کارکن کو متعلقہ انتخاب میں حصہ لینے کا حق ہوگا۔

(۲) کارکن کو متعلقہ یونٹ کے معاملات میں مشورہ دینے کا حق ہوگا۔

(۳) تنظیم کے مفاد میں متعلقہ اور بالائی نظم کو اطلاع اور مشورہ دینے کا حق ہوگا۔

(۳) امیدوار رکنیت:

جو کارکن مندرجہ ذیل شرائط پوری کرتا ہو، وہ تنظیم کا امیدوار رکنیت کہلائے گا:

(۱) عقیدہ اہل سنت والجماعت کا حامل ہو۔

(۲) تمام فرائض و واجبات کا پابند ہو، گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتا ہو اور اہل وعیال کو بھی اس کی

پابند کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

(۳) حتی المقدور معروفات پر عامل اور منکرات سے مجتنب رہتا ہو۔

(۴) رزق حلال کا پابند ہو۔

امیدوار رکنیت اور کارکن کے فرائض اور حقوق یکساں ہوں گے۔

(۴) رکن:

جو امیدوار رکنیت مقررہ نصاب کی تکمیل کر چکا ہو اور تنظیم کے نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بناتے ہوئے خود کو نظم کے سپرد کر دیتا ہو، ''رکن'' کہلائے گا۔

رکن کے فرائض:

(۱) رکن کو اسلام کا پابند رہتے ہوئے فعال کردار ادا کرنا ہوگا، اور ایثار و قربانی کے جذبے کے ساتھ ایک داعی کی حیثیت سے تنظیمی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوں گی۔

(۲) تنظیم کے پلان اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیشہ متحرک رہنا ہوگا۔

(۳) سونپی جانے والی ذمہ داریاں نبھانی ہوں گی۔

(۴) خود کو اجلاسوں میں حاضر رکھنے اور ان میں اپنی رائے پیش کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرنا ہوگا۔

رکن کے اختیارات (حقوق)

(۱) رکن کو تنظیم کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق ہوگا۔

(۲) تنظیم کی متعلقہ سطح پر ووٹ دینے اور منتخب ہونے کا حق ہوگا۔

(۳) تنظیم کے متعلقہ اجلاسوں میں شریک ہونے اور ان میں اپنی رائے دینے کا حق ہوگا۔

دفعہ ۶۔ کارکن کی رفاقت اور رکن کی رکنیت سے محرومی:

ایک کارکن رفاقت سے اور رکن رکنیت سے مندرجہ ذیل صورتوں میں محروم سمجھے جائیں گے:

(۱) وہ خود ہی تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہو۔

(۲) استعفی دیتا ہو اور اس کا استعفی منظور کر لیا گیا ہو۔

(۳) دماغی توازن برقرار نہ رہے۔

دفعہ ۷۔ معطلی، تنزلی، اخراج:

ایک کارکن اور رکن کی مندرجہ ذیل صورتوں میں معطلی، تنزلی اور اخراج عمل میں آسکتی ہے:

(۱) تنظیم کے چندہ کی ادائیگی نہ کرتا ہو۔

(۲) تنظیم کی سرگرمیوں میں پابندی سے حصہ نہ لیتا ہو۔

(۳) تنظیم کے مفادات کو نقصان پہنچانے والی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہو۔

(۴) مقررہ شرائط پر پورا نہ اترتا ہو یا ان کی خلاف ورزی کر رہا ہو۔

(۵) دستور کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو۔

دفعہ ۸۔ تنظیمی ڈھانچہ:

تنظیم کی تین مرکزی مجالس ہوں گی:

(۱) مرکزی مجلس شوری:

مرکزی مجلس شوری تنظیم کا سب سے بااختیار ادارہ ہے جو مرکزی مجلس عاملہ اور ارکان کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوگا، اس کی مدت تین سال ہوگی، اس کا اجلاس ڈیڑھ سال میں ایک دفعہ بلانا ضروری ہوگا، ہنگامی حالات کے پیش نظر مقررہ وقت سے پہلے طلب یا ملتوی کیا جاسکتا ہے، مجلس شوری کے فیصلے سادہ اکثریت سے ہوں گے، اجلاس منعقد کرنے کے لئے کل ارکان شوری کی دو تہائی (۳/۲) کی حاضری ضروری ہوگی، شوری کے ارکان کی تعداد مرکزی مجلس عاملہ متعین کرے گی، مرکزی مجلس عاملہ ارکان تنظیم میں سے منتخب شوری کی ۱/۵ کے بقدر تعداد کو مرکزی مجلس شوری کا رکن نامزد کرسکتی ہے مگر ان علاقوں سے جہاں انتخاب نہ ہوا ہو۔

مرکزی مجلس شوری کے فرائض واختیارات:

(۱) دستور سازی۔

(۲) دستور میں ترامیم واضافے کرنا۔

(۳) اصول وقوانین کا تعین کرنا۔

(۴) مرکزی مجلس عاملہ کے مجوزہ پلان اور پروگرام پر غور وخوض کرنا اور منظوری دینا۔

(۵) بجٹ پر غور وخوض کرنا اور اس کی منظوری دینا۔

(۶) مرکزی صدر اور مرکزی مجلس عاملہ کے لئے متعین افراد کا انتخاب کرنا۔

(۷) مرکزی مجلس شوری کو مرکزی صدر کے مواخذے کا حق ہوگا۔

(۸) تنظیم کی پوری آمدنی واخراجات کی جانچ پڑتال کرنے کا حق ہوگا۔

(۹) مرکزی مجلس عاملہ کے معطل شدہ ارکان کو بحال یا خارج کرنے کا حق ہوگا۔

(۱۰) مرکزی مجلس شوری کی سادہ اکثریت کو شوری کے ہنگامی اجلاس طلب کرنے کا حق ہوگا۔

(۲) مرکزی مجلس عاملہ:

مرکزی مجلس عاملہ مرکزی مجلس شوری کے ارکان میں سے منتخب کئے گئے افراد پر مشتمل تنظیم کا اعلی انتظامی ادارہ ہوگا، جسے تین سال کے لئے (نئی مجلس عاملہ کے حلف اٹھانے تک) مرکزی مجلس شوری منتخب کرے گی، ہنگامی حالات میں اس کی مدت کم یا زیادہ ہوسکتی ہے، مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان کی تعداد کا تعین مرکزی مجلس شوری کرے گی۔

مرکزی مجلس عاملہ کے فرائض:

(۱) تنظیم کو اسلامی اصولوں پر قائم رکھنا۔

(۲) تنظیم کو دستور کا پابند رکھنا اور دستور کا تحفظ کرنا۔

(۳) تنظیم کی تمام سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا۔

(۴) تنظیم میں کوئی خرابی ہو تو فوری اقدام کرکے اسے دور کرنا۔

(۵) فنڈز کا تعین کرنا۔

(۶) پلان اور پروگرام مرتب کرنا اور ان پر عمل درآمد کرنا۔

(۷) تنظیم کے اندر نظم وضبط قائم رکھنا۔

(۸) وابستگان تنظیم کی صلاحیتوں کو بڑھانے کا اہتمام کرنا۔

(۹) تنظیم کے خلاف دشمنوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا۔

(۱۰) تنظیم کی ہر شعبے میں ترقی کے لئے بھر پور کوشش کرنا۔

(۱۱) مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان انفرادی طور پر مرکزی صدر کے سامنے جوابدہ ہوں گے اور مرکزی صدر سمیت مجلس عاملہ ''مرکزی مجلس شوریٰ'' کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

مرکزی مجلس عاملہ کے اختیارات:

(۱) مرکزی مجلس عاملہ اگر ضرورت محسوس کرے تو ذیلی کمیٹیاں تشکیل دے سکتی ہے تاکہ تنظیمی امور کو بحسن وخوبی انجام دیا جا سکے، اور یہ کمیٹیاں مرکزی مجلس عاملہ کے سامنے جوابدہ ہوں گی۔

(۲) مرکزی صدر اپنی مجلس عاملہ کے کسی رکن کو اس کے عہدے اور رکنیت سے اس صورت میں معطل کر سکتا ہے جب وہ رکن:

(الف) کسی شرعی عذر کے بغیر تین اجلاسوں میں حاضر نہ ہوا ہو۔

(ب) مرکزی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہو۔

(ج) تنظیمی مفاد کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہو۔

(۳) مرکزی مجلس عاملہ کے رکن کو آزادی کے ساتھ اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہوگا۔

(۴) مرکزی مجلس عاملہ اپنے اندر اتفاقیہ طور پر پیدا ہونے والی خلاء کو متفقہ فیصلے سے نوے دن کے اندر پر کرے گی۔

(۵) شوریٰ کی توثیق شدہ پروگرام کی تکمیل کے لئے بحث ناکافی ہو تو مرکزی مجلس عاملہ قرض لے کر اسے پورا کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

(۶) نئی رکنیت دینے کا اختیار مرکزی مجلس عاملہ کو ہوگا۔

(۷) مرکزی مجلس عاملہ ہر سطح کی تنظیموں کو اور ذیلی کمیٹیوں کو معطل کر سکتی ہے اور توڑ سکتی ہے، جب وہ محسوس کرے کہ یہ صحیح طور پر کام نہیں کر رہی ہیں۔

(۸) مرکزی مجلس عاملہ تنظیم کے ارکان کو مندرجہ ذیل صورتوں میں معطل، خارج اور منزل کر سکتی ہے:

(الف) تنظیم کے چندے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو۔

(ب) تنظیم کی سرگرمیوں میں پابندی سے حصہ نہ لیتا ہو۔

(ج) تنظیم کے مفادات کو نقصان پہنچانے والی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہو۔

(د) مقررہ شرائط پر پورا نہ اترتا ہو یا ان کی خلاف ورزی کر رہا ہو۔

(۹) مرکزی مجلس عاملہ کو شوریٰ کا ہنگامی اجلاس بلانے کا اختیار ہے۔

(۱۰) مرکزی مجلس عاملہ اپنے صدر کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر سکتی ہے۔

(۱۱) مرکزی مجلس عاملہ مجلس شوریٰ کے ارکان کی تعداد کا تعین کرے گی۔

(۱۲) مرکزی مجلس عاملہ چاہے تو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مبصر کی حیثیت سے تنظیم کے زیادہ سے زیادہ پانچ ارکان کو شرکت کی دعوت دے سکتی ہے۔

دفعہ ۹۔ مرکزی صدر:

(۱) مرکزی صدر تنظیم کے منتظم اعلیٰ ہوں گے جسے مرکزی مجلس شوریٰ تین سال کے لئے (نئے صدر کے حلف اٹھانے تک) منتخب کرے گی، حالات کے پیش نظر مدت میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) مرکزی صدر کو قرآن وحدیث سے واقفیت، تقویٰ، امانت، دیانت، اخلاق، خدمات، انتظامی صلاحیت اور قومی و بین الاقوامی حالات سے واقفیت کے لحاظ سے دوسرے ارکان سے بہتر ہونا چاہئے۔

(۳) مرکزی صدر تنظیم کے مقاصد کے حصول کے لئے ہمہ تن کوشاں رہیں گے، تنظیم کی صحیح خطوط پر رہنمائی کریں گے، پروگراموں پر عمل درآمد کرانے اور تنظیم کے اندر اعلیٰ نظم وضبط قائم رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۴) مرکزی صدر معمول کے کاموں کے علاوہ دیگر تمام امور کو مرکزی مجلس عاملہ سے باہم مشاورت سے انجام دیں گے، مرکزی صدر ہنگامی حالات میں مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے کے بغیر ضروری اقدام کر سکتے ہیں، لیکن بعد میں مرکزی مجلس عاملہ کے متصل اجلاس میں اس کا منظوری لینا ضروری ہوگا۔

(۵) مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان کی ذمہ داریوں اور شعبوں کا تعین مرکزی صدر کریں گے۔

(۶) مرکزی صدر کی اتفاقی طور پر خالی ہونے والی جگہ کو قائم مقام صدر کی حیثیت سے نائب

صدر سے پوری کی جائے گی، یہی نائب صدر نوے دن کے اندر اندر نئے صدر کے انتخاب کا انتظام کریں گے۔

(۷) مرکزی صدر کی عارضی غیر حاضری میں نائب صدر قائم مقام صدر کی حیثیت سے ذمہ داری انجام دیں گے۔

(۸) مرکزی صدر اپنی عاملہ کے رکن کو معطل کرسکتا ہے۔

(۹) مرکزی صدر مجلس شوری کا ہنگامی اجلاس طلب کرسکتا ہے۔

(۱۰) مرکزی مجلس عاملہ میں پیدا ہونے والی خلاء کو مرکزی صدر مجلس عاملہ کے مشورہ سے پر کریں گے۔

دفعہ ۱۰۔ نائب صدر:

(۱) مرکزی صدر کی عارضی غیر حاضری میں قائم مقام صدر کی حیثیت سے ذمہ داری انجام دیں گے۔

(۲) مرکزی صدر کی اتفاقی طور پر خالی ہونے والی جگہ کو قائم مقام صدر کی حیثیت سے نائب صدر سے پوری کرلی جائے گی، یہی قائم مقام صدر نوے دن کے اندر اندر نئے صدر کے انتخاب کا انتظام کریں گے۔

(۳) نائب صدر ہر معاملے میں امیر کی معاونت کریں گے۔

دفعہ ۱۱۔ سکریٹری جنرل:

(۱) مرکزی صدر مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان میں سے ایک کو سکریٹری جنرل کے عہدے پر نامزد کریں گے۔

(۲) سکریٹری جنرل دوسرے عہدیداروں کے ساتھ روابط قائم رکھیں گے، سکریٹری جنرل مرکزی صدر اور سکریٹریز اور باہم سکریٹریز کے درمیان معاونت کا فریضہ انجام دیں گے۔

دفعہ ۱۲۔ سکریٹریز:

(۱) مرکزی صدر مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان میں سے مختلف ذمہ داریوں کے لئے سکریٹریز نامزد کریں گے۔

(۲) جو اپنی ذمہ داریاں مرکزی صدر کے ماتحت ادا کریں گے۔

(۳) جو مرکزی صدر کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔

(۴) تمام سکریٹریز اپنی تمام سرگرمیوں میں مرکزی صدر کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

دفعہ ۱۳۔ مرکزی اسلامی مجلس علماء:

تنظیم اور قوم کی اسلامی شرعی رہنمائی کے لئے اعلی ترین مجلس ہوگی، جس کے ارکان کم از کم پانچ ہوں گے اور ان کے لئے تنظیم کا رکن ہونا ضروری ہے۔

ان کے چناؤ کا حق مرکزی مجلس شوری کو ہوگا اور وہ مجلس شوری کے سامنے جوابدہ ہوں گے، مجلس کی میعاد تین سال ہوگی، مجلس کے فیصلے تمام معاملات میں سادہ اکثریت سے ہوں گے۔

دفعہ ۱۴۔ تنظیمی سطحیں:

مرکز کے ماتحت تنظیم کی مندرجہ ذیل سطحیں ہوں گی:

(۱) ممبر یونٹ۔

(۲) ایسوسی ایٹ یونٹ:

(۱) مرکز کے بعد ممبر یونٹ تنظیم کی سب سے بڑی سطح شمار ہوگا۔

(۲) جہاں کم از کم تین ارکان ہوں وہاں تنظیم کا ممبر یونٹ قائم ہوسکتا ہے، لیکن بوقت ضرورت مرکزی مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ اس سے کم افراد پر بھی یونٹ قائم کرے۔

(۳) اگر ممبر یونٹ میں ارکان کی تعداد کم از کم سات ہو تو یونٹ کی مجلس عاملہ تشکیل دی جائے گی، جس کی مدت ایک سال ہوگی۔

(۴) یونٹ کی مجلس عاملہ میں صدر سمیت کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ ارکان ہوں گے۔

(۵) مرکز کے ماتحت تنظیمی سطحوں کے تمام فیصلے سادہ اکثریت سے ہوں گے۔

دفعہ ۱۵۔ ممبر یونٹ کے فرائض:

(۱) یونٹ کی سطح پر منصوبہ بندی کرنا اور اس پر عمل درآمد کرانا۔

(۲) مرکز کی ہدایت کے مطابق دعوت، تنظیم اور تربیت وغیرہ کے کام کرنا۔

(۳) معاشرتی فلاح و بہبود کی سرگرمیاں انجام دینا۔

(۴) فنڈز وصول کر کے مرکز کو پہنچانا۔

(۵) ضروری معلومات اور اطلاعات سے مرکز کو باخبر کرنا۔

(۶) سرگرمیوں کی رپورٹ وقتاً فوقتاً مرکز تک پہنچانا۔

(۷) مرکز سے ملنے والی ہدایات کی تعمیل کرنا۔

دافعہ ۱۶۔ممبر یونٹ کے اختیارات:

(۱) ممبر یونٹ کو اختیار ہوگا کہ مرکز سے اہل کارکنوں کو رکنیت دینے کی سفارش کرے۔

(۲) مرکز کی توثیق کے بعد ممبر یونٹ کو اپنے یونٹ میں متفقین کو کارکن کی حیثیت دینے کا اختیار ہوگا۔

(۳) کسی کارکن کو معطل یا خارج کر دینے کا حق ہوگا۔

(۴) مرکز کی توثیق کے بعد ممبر یونٹ کے لئے متعین کردہ بجٹ کو خرچ کرنے کا حق ہوگا۔

دفعہ ۱۷۔ایسوسی ایٹ یونٹ:

جہاں کم از کم تین ایسوسی ایٹ ہوں وہاں تنظیم کا ایسوسی ایٹ یونٹ قائم ہوگا، لیکن بوقت ضرورت اس سے کم افراد پر بھی ایسوسی ایٹ یونٹ قائم ہوسکتا ہے، ایسوسی ایٹ یونٹ کے صدر کا چناؤ جہاں ممکن ہو متعلقہ ایسوسی ایٹس بذریعہ انتخاب کریں گے، ورنہ ایسوسی ایٹ یونٹ کے صدر کا تعین متعلقہ ممبر یونٹ کا صدر کرے گا، جہاں ممبر یونٹ موجود نہ ہو ایسوسی ایٹ یونٹ کے صدر کا تعین براہ راست مرکزی مجلس عاملہ کرے گی، ایسوسی ایٹ یونٹوں کا ممبر یونٹوں کے ماتحت ہونے کا تعین مرکزی مجلس عاملہ کرے گی، ایسوسی ایٹ یونٹ بالائی نظم کی ہدایت پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے گا۔

دفعہ ۱۸۔اجلاس:

(۱) مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس کم از کم تین ماہ میں ایک مرتبہ منعقد کیا جائے گا، ہنگامی حالات میں یہ اجلاس مقررہ وقت سے پہلے یا بعد میں طلب یا ملتوی کیا جاسکتا ہے۔

(۲) ممبر یونٹ میں یونٹ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہر ماہ منعقد کیا جائے گا، ہنگامی حالات میں ممبر

یونٹ کی عاملہ کا اجلاس جب بھی یونٹ کے صدر ضرورت محسوس کریں طلب یا ملتوی کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ایسوسی ایٹس (کارکنان) کا اجلاس مہینہ میں ایک مرتبہ منعقد کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۹۔کورم:

تنظیم کی ہر سطح کے اجلاس منعقد کرنے کے لئے اس کی دو تہائی (۳/۲) ارکان کی حاضری ضروری ہوگی، لیکن ملتوی شدہ اجلاس دوبارہ منعقد کرنے کے لئے سادہ اکثریت کافی ہوگی۔

دفعہ ۲۰۔انتخاب:

تنظیم کے اندر ہر قسم کے انتخابات کے طریقۂ کار کا تعین مرکزی مجلس عاملہ کرے گی، انتخاب میں کوئی شخص امیدوار نہیں بن سکتا، اس کی تشہیر کی جاسکتی ہے اور نہ اس کی تقریر کی جاسکتی ہے، ووٹ حاصل کرنے کی کوشش اور گروپ بندی کے عمل سے اجتناب کرنا ہوگا، البتہ ووٹرز آپس میں مشورے کر سکتے ہیں۔

دفعہ ۲۱۔الیکشن کمیشن:

مرکزی مجلس عاملہ کا انتخاب کروانے کے لئے ایک الیکشن کمیشن ہوگا، الیکشن کمیشن کا تقرر مرکزی مجلس شوری کرے گی، جس کے تین ارکان ہوں گے اور وہ مرکزی مجلس شوری کے ارکان میں سے ہوں گے، درمیان میں کوئی خلاء پیدا ہوجائے تو اسے پر کرنے کا اختیار مرکزی مجلس عاملہ کو ہوگا۔

دفعہ ۲۲۔مشاورت:

تنظیم کی ہر سطح پر تمام امور متعلقہ صدر اپنی مجلس عاملہ/ متعلقہ ممبران کے ساتھ باہمی مشورے سے طے کریں گے۔

دفعہ ۲۳۔مرکزی صدر کا محاسبہ:

مرکزی صدر دستور اور تنظیمی مفاد کی خلاف ورزی کریں تو ان کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔

دفعہ ۲۴۔تحریک عدم اعتماد:

اگر مرکزی صدر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہو تو نائب صدر قائم مقام صدر رہوں گے، اگر نائب صدر کے خلاف بھی عدم اعتماد کی تحریک پیش ہو تو سکریٹری جنرل قائم مقام صدر کے فرائض

انجام دیں گے۔

دفعہ ۲۵۔ بیت المال (فنڈز):

(۱) تنظیم کی آمدنی ماہانہ تنظیمی چندے، امداد، زکوۃ، عشر، صدقات اور غنائم پر مشتمل ہوگی، (زکوۃ، صدقات اور عشر کا علیحدہ حساب رکھا جائے گا اور ایسی آمدنی شریعت کے مطابق اس کی جائز مد میں خرچ کی جائے گی)

(۲) کسی کی طرف سے کوئی ایسا چندہ یا تعاون قبول نہیں کیا جائے گا جو تنظیم میں اپنا اثر ورسوخ اور رعب جمانے کی غرض سے دیتا ہو۔

(۳) تنظیم کا آمد وصرف ایک طے شدہ رہنماء اصول کے مطابق ہوگا۔

دفعہ ۲۶۔ آڈٹ:

(۱) مرکزی مجلس شوری مرکزی بیت المال کی جانچ پڑتال کے لئے ایک آڈٹ بورڈ مقرر کر دے گی جو کم از کم دو افراد پر مشتمل ہوگا، اس بورڈ کے ارکان مرکزی مجلس شوری سے لئے جائیں گے، آڈٹ بورڈ مرکزی بیت المال کے حسابات کی جانچ پڑتال کے بعد اپنی رپورٹ شوری کے اجلاس میں پیش کرے گا۔

(۲) مرکزی مجلس عاملہ تمام سطحوں کے بیت المال کی ہر سال جانچ پڑتال کروائے گی۔

دفعہ ۲۷۔ تشریح:

دستور کی کسی دفعہ یا شق کے متعلق مرکزی مجلس عاملہ کی وضاحت وتعبیر اور تشریح کو فیصلہ کن سمجھا جائے گا۔

دفعہ ۲۸۔ متفرقات:

(۱) تنظیم کا سال یکم محرم الحرام سے شمار کیا جائے گا۔

(۲) جو امور دستور میں مذکور نہ ہوں ایسے تمام معاملات مرکزی مجلس عاملہ کے ذریعہ طے کئے جائیں گے۔

ضمیمہ (۱)

حلف نامہ ارکان مرکزی مجلس شوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں.......... ابن........ جسے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کی مرکزی مجلس شوری کا رکن/مبصر منتخب کیا گیا ہے، اللہ تعالی کو حاضر وناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ میں مجلس میں زیر بحث آنے والے تمام امور اور فیصلوں کو امانت رکھوں گا، تنظیم کے مفاد میں مکمل دیانتداری کے ساتھ اپنی رائے اور مشورے کا اظہار کروں گا، شوری کی کارروائی اور اظہار رائے میں ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر تنظیمی مفاد کو مقدم رکھوں گا، اللہ تعالی مجھے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ضمیمہ (۲)

حلف نامہ ارکان مرکزی مجلس عاملہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں........... ابن.......... جسے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کی مرکزی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا ہے، اللہ تعالی کو حاضر وناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ بحیثیت رکن مرکزی مجلس عاملہ اپنے فرائض منصبی کو پوری امانت اور دیانت کے ساتھ ادا کروں گا، تنظیم کے دستور اور قوانین کی پوری پابندی کروں گا، اپنے امیر کی اطاعت کروں گا اور کوئی کام ایسا نہیں کروں گا جس سے تنظیم کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، اللہ تعالی مجھے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ضمیمہ (۳)

حلف نامۂ صدارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں............ابن............جسے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا ہے، اللہ تعالی کو حاضر وناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ میں بحیثیت صدر اپنے فرائض منصبی کو پوری دیانتداری، خداترسی اور فرض شناسی کے ساتھ ادا کروں گا، تنظیم کے مفاد اور ترقی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہوں گا، کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے دین، تحریک اور قوم کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، سربراہِ تنظیم کی حیثیت سے آر ایس او کے دستور اور قوانین کی پابندی کروں گا، تمام ساتھیوں اور وابستگانِ تنظیم کے ساتھ ہر ایک کے استحقاق اور مرتبہ کے مطابق برتاؤ کروں گا، کسی کے ساتھ تعصب یا جانبداری نہیں برتوں گا، االلہ تعالی مجھے اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ضمیمہ (۴)

حلف نامہ الیکشن کمیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں............ابن............جسے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کا چیف الیکشن کمشنر/ممبر الیکشن کمیشن منتخب کیا گیا ہے، اللہ تعالی کو حاضر وناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ میں مکمل دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کروں گا، کسی قسم کی جانبداری نہیں برتوں گا اور نہ کسی خوف اور لالچ کا شکار ہو کر انتخابی عمل میں کوئی بدنیتی کروں گا اور نہ دانستہ کوئی کوتاہی کروں گا، اللہ تعالی مجھے اس عہد پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تشریحات:

اور

قوائد وضوابط

دفعہ ۵:۲:و:

کارکن کے لئے نصاب کی تعیین، متعلقہ حلقہ کے صدر مرکزی مجلس عاملہ سے منظوری لینے کے بعد کریں گے، ناخواندہ کارکن کے لئے نصاب کی سماعت ضروری ہوگی:

(۱) ماہانہ مقررہ چندہ کا تعین متعلقہ حلقہ کے صدر کریں گے۔

(۲) مرکز سے فراہم شدہ رپورٹ فارم پر کر کے متعلقہ حلقہ کے صدر کو پیش کرے گا۔

(۳) رکن کے لئے نصاب مرکزی مجلس عاملہ تیار کرے گی۔

دفعہ ۶:

(۱) تین ماہ تک بغیر اطلاع کسی سرگرمی میں حصہ نہ لینا، خود ہی علیحدگی اختیار کرنا سمجھا جائے گا۔

(۲) استعفی تحریری ہونا چاہئے، وجوہ استعفی کی صراحت ہونی چاہئے۔

رکن کا استعفی متعلقہ حلقہ کے ذمہ دار کے توسط سے مرکزی صدر کو بھجوایا جائے، کارکن کا استعفی متعلقہ حلقہ کے صدر کے نام ہونا چاہئے۔

(۳) دماغی توازن برقرار نہ ہونے کا فیصلہ متعلقہ حلقہ کی مجلس عاملہ کرے گی۔

دفعہ ۷:

(۱) کسی شرعی عذر کے بغیر مسلسل تین ماہ مقررہ چندہ کی عدم ادائیگی۔

(۲) کسی شرعی عذر کے بغیر مسلسل تین متعلقہ اجلاسوں میں عدم شرکت:

☆ کسی رکن کے خلاف متعلقہ حلقہ کے ایک تہائی ارکان یا متعلقہ صدر کو کوئی شکایت ہو تو معاملہ متعلقہ حلقہ کی مجلس عاملہ/مجلس ارکان میں رکھا جائے گا اور جس رکن کے خلاف شکایت ہوا سے صفائی کا موقع اور سہولت دی جائے گی، اگر تصفیہ نہ ہو سکا تو معاملہ مرکزی مجلس عاملہ میں پیش کیا جائے گا (مرکزی صدر اس رکن کو فیصلہ ہونے تک کے لئے معطل رکھیں گے) مرکزی مجلس عاملہ متعلقہ رکن سے صفائی طلب کر کے غور وخوض کے بعد اسے منزل، خارج یا بحال کر سکتی ہے۔

☆ کسی کارکن کے خلاف متعلقہ حلقہ کے ایک تہائی کارکنوں یا متعلقہ حلقہ کے صدر کو شکایت ہو تو معاملہ متعلقہ حلقہ کی عاملہ مجلس کارکنان میں رکھا جائے گا اور جس کارکن کے خلاف شکایت

ہوا سے صفائی کا موقع دیا جائے گا، اگر تصفیہ نہ ہو سکا تو معاملہ متعلقہ حلقہ کے ارکان کی مجلس عاملہ/مجلس ارکان میں رکھا جائے گا، جہاں متعلقہ کارکن کو صفائی کا موقع دیئے جانے کے بعد غور وخوض کر کے تنزلی، اخراج یا بحالی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

☆ معطل شدہ کارکن/رکن کو تحریری طور پر معطلی کی اطلاع دی جائے گی۔

☆ معطل شدہ کارکن/رکن کی بحالی، تنزلی یا اخراج کا فیصلہ تین ماہ کے اندر کیا جائے گا اور اسے مطلع کیا جائے گا۔

☆ کل وقتی کارکن/رکن کو معطل کئے جانے کی صورت میں اس کا فیصلہ ہونے تک تنظیم سے جو مالی فائدہ اسے ملتا تھا جاری رہے گا۔

☆ مرکزی مجلس عاملہ کے کسی معطل رکن کی بحالی یا اخراج کے لئے مرکزی صدر جملہ شواہد کے ساتھ ارکان شوری سے رجوع کریں گے اور متعلقہ رکن مجلس عاملہ کو بھی موقع دیا جائے گا کہ اپنی صفائی کے لئے ارکان شوری سے رجوع کرے، مرکزی مجلس عاملہ ارکان شوری کی سادہ اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کریں گے، تمام شواہد اثباتات آراء اور دستاویزات کو اگلی متصل مجلس شوری کے اجلاس میں پیش کریں گے۔

دفعہ ۸:

(۱) تا (۹) مرکزی مجلس شوری کو مذکورہ فرائض واختیارات مرکزی مجلس شوری کے اجلاس کے دوران حاصل ہوں گے، اور کسی رکن/ارکان شوری کو شوری/مرکزی مجلس عاملہ سے تفویض شدہ خصوصی ذمہ داری کے عرصہ کے دوران حاصل ہوں گے۔

(۱۰) اگر صدر چاہے، ارکان مجلس عاملہ کی سادہ اکثریت مطالبہ کرے یا ارکان مجلس شوری کی سادہ اکثریت مطالبہ کرے تو مرکزی مجلس شوری کا ہنگامی اجلاس طلب کرنا پڑے گا۔

☆ مرکزی مجلس عاملہ کی اکثریت یا مرکزی مجلس شوری کے ارکان کی اکثریت کے مطالبے پر مرکزی صدر دو مہینے میں شوری کا اجلاس طلب نہ کریں تو مرکزی نائب صدر ایک ماہ کے اندر شوری کا ہنگامی اجلاس طلب کریں گے، مرکزی نائب صدر بھی اجلاس طلب نہ کریں تو کوئی بھی

رکن مرکزی مجلس شوری/مرکزی مجلس عاملہ اجلاس طلب کر سکتے ہیں۔

☆ شوری کی کاروائی کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے گا۔

مرکزی مجلس عاملہ کے اختیارات:

☆ مرکز سے دور ہونے کی صورت میں مرکزی مجلس عاملہ ضرورت محسوس کرے تو کسی ذیلی کمیٹی کو شاخ کا درجہ بھی دے سکتی ہے، جس کا براہ راست تعلق مرکز سے ہوگا اور وہ اس کی ہدایت کے مطابق کام کرے گی اور اسی کو جوابدہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳:

مرکزی اسلامی مجلس علماء سے تنظیم کا ہر فرد کسی بھی مسئلہ، الجھن اور معاملہ میں شرعی حل نقطۂ نظر اور فتوی کی صورت میں رہنمائی کے لئے رجوع کر سکتا ہے۔

جرائم مثلاً قتل، زنا اور ان کا اقدام، چوری، ڈکیتی، تشدد وجاسوسی اور غداری وغیرہ کے بارے میں اسلامی مجلس علماء گواہوں اور ملزموں کو طلب کرے تو ان کو حاضر ہونا پڑے گا۔

مرکزی مجلس علماء مقدمات کے فیصلوں سے مرکزی صدر اور متعلقہ فریقوں کو آگاہ کرے گی، جن معاملات میں الزام ثابت ہونے پر صرف تادیب سے کام چل سکتا ہے، تشہیر کی ضرورت نہ ہو تو ایسی صورت میں مرکزی اسلامی مجلس علماء مدعا علیہ کو بلا کر خفیہ طریقہ سے مناسب تادیب کرے گی، مگر مدعی اور مرکزی صدر کو فیصلہ سے لازماً آگاہ کرے گی:

☆ اگر صدر کو کسی کے خلاف شکایت ہو تو بلا واسطہ مجلس علماء سے رجوع کر سکتے ہیں۔

☆ اگر ارکان مجلس عاملہ کو ایک دوسرے سے شکایت ہو مجلس علماء سے صدر کے واسطے سے رجوع کریں گے، باہمی شکایت پر ارکان اور کارکنان متعلقہ حلقہ کے صدر کے توسط سے رجوع کریں گے، ارکان اور کارکنان کو مرکزی مجلس عاملہ کے خلاف شکایت ہو تو مرکزی صدر کے توسط سے رجوع کریں گے، مرکزی صدر کے خلاف شکایت ہو تو مرکزی نائب صدر کے توسط سے رجوع کیا جائے گا، مرکزی نائب صدر توسط قبول نہ کریں تو مجلس عاملہ کے کسی بھی رکن کی وساطت سے شکایت مرکزی اسلامی مجلس علماء کو پیش کی جائے گی۔

☆ مرکزی اسلامی مجلس علماء اپنے فیصلے میں مدعا علیہ کے تنظیمی تعلق/ پوزیشن کے بارے میں رائے دے سکتی ہے۔

☆ مرکزی اسلامی مجلس علماء کے فیصلوں کی تنفیذ کا اختیار مرکزی مجلس عاملہ کو ہوگا۔

دفعہ ۲۱:

الیکشن کمیشن کا تقرر مرکزی مجلس شوری اپنے اجلاس میں کرے گی۔

دفعہ ۲۲:

مرکزی صدر کے خلاف مرکزی مجلس عاملہ کی اکثریت یا مرکزی مجلس عاملہ کے ایک تہائی ارکان مجلس شوری کے ایک تہائی ارکان کے ساتھ مل کر تحریک عدم اعتماد پیش کریں تو:

تحریک عدم اعتماد پیش کرنے والے تحریری شکل میں وجوہات سمیت مرکزی نائب صدر سے رجوع کریں گے، تحریک موصول ہوتے ہی مرکزی نائب صدر کی حیثیت سے ۹۰ دن کے اندر مرکزی مجلس شوری کا اجلاس طلب کریں گے، شوری کی سادہ اکثریت مرکزی صدر کو اجلاس کے دوران معزول یا بحال کرسکتی ہے۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے مختلف پروگرام:

نصب العین:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا نصب العین قرآن وسنت کے مطابق اقامت دین کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالی کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنا، اس کی راہ میں قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا، اور ارکان میں ایک خودمختار روہنگیا ریاست قائم کرنا، جس کی تفصیلات آر ایس او کے دستور عمل اور اصول وضوابط میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

دعوت وتربیت:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا ترجمان "انصاف" کے مضمون نگار جناب پروفیسر زاہد حسین صاحب رقم طراز ہیں کہ:

"برما ایک سوشلسٹ ملک ہے، جو شدید اسلام دشمن پالیسی پر کاربند ہے اور جہاں مسلمانوں کو ان کی آزادی اور بنیادی حقوق سے محروم کردیا گیا ہے، انہیں آزادیٔ اظہار رائے اور آزادیٔ اجتماع سے محروم کردیا گیا ہے، یہاں تک کہ ان پر اپنے ہی ملک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل وحرکت پر پابندی عائد ہے، عام مذہبی رسوم کی ادائگی کو بھی سیاست پر مبنی سمجھ کر روکنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسے حالات میں دعوت کا کام انجام دینے کے لئے انتہائی احتیاط برتنا لازمی ہے، ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کام کے لئے ہر ممکنہ قدم اٹھایا ہے مثلا:

(الف) برما وارکان میں دعوت کو عام کرنے کے لئے تنظیمی یونٹس قائم کئے گئے ہیں۔

(ب) کارکنوں کو اپنے اپنے علاقوں میں دعوت وسماجی بہبودی کا کام سونپا گیا ہے۔

(ج) قرآن پاک، احادیث اور اسلامی لٹریچر (کتب) کو عوام تک پہنچایا جاتا ہے۔

(د) لائبریریوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

(ھ) اسلامی لٹریچر کو مقامی زبان میں منتقل کرنے اور اسے برمی بولنے والی آبادی میں اشاعت اور تقسیم کرنے کا کام انجام دیا جارہا ہے، تنظیم نے اپنی افرادی قوت کی تربیت کے لئے مختصر اور طویل المیعاد اسلامی تربیتی پروگراموں اور باقاعدہ ہفتہ وار نشستوں کا اہتمام کیا ہے، نوجوان رہنماؤں کی تیاری کے لئے لیڈرشپ ٹریننگ پروگرام کے ذریعے کوشش کی جارہی ہے، اور بین الاقوامی یونیورسیٹی اسلام آباد کی دعوتی اکاڈیمی کے ذریعے آئمہ کی تیاری کا کام انجام دیا جارہا ہے، اس کے علاوہ انٹرنیشنل اسلامی فیڈریشن آف اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن (IFSO) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا لیڈرشپ ٹریننگ کیمپس تربیت گاہوں میں بھی نوجوانوں کو شرکت کا موقع فراہم کیا جارہا ہے"۔

بہبود عامہ:

برما کے مسلمانوں اور خصوصا ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کو باقاعدہ پالیسی کے تحت معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے کمزور اور مفلوج بنا کر انہیں ختم کرنے کوشش کی جارہی ہے، اس لئے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن جو ایک تحریک ہے، اپنے تمام امکانی ذرائع کو کام میں لاکر برما کے مسلمانوں کو معاشرتی اور تعلیمی میدانوں میں مدد دے رہی ہے، تاکہ ان کا معیار بلند ہو اور وہ برما میں فعال برادری بن کر زندہ رہیں، تنظیم جن منصوبوں پر کام کر رہی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) وظائف: روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن اسکول، کالج اور یونیورسیٹی کی سطح پر ایسے ذہین طلبہ کی سرپرستی کر رہی ہے جو غربت اور مالی بدحالی کے باعث تعلیمی اخراجات پورے نہیں کر سکتے، تنظیم نے اسلامک ڈیلاپمنٹ بنک (IDB) اور وامی (WAMY) سے ایسے طلبہ کو وظیفہ دلانے میں مدد کرتی رہی، اور جو طلبہ اعلی تعلیم حاصل کرتے ہیں خصوصا طب، انجینئرنگ اور مطالعہ اسلامی کے شعبوں میں ان کی رہنمائی اور مدد کی جاتی رہی ہے۔

(۲) ماڈل مدرسہ پروجیکٹ: روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے چند ماڈل مدارس شروع کئے ہیں، جن کا مقصد ایسے علماء کی تیاری ہے جو مسلمان آبادی کے لئے اپنی ذمے داریاں پوری طرح نبھا سکیں، اور مدرسوں کے لئے پروگرام شروع کئے گئے ہیں، جن میں رفتہ رفتہ نصاب تعلیم کو عہد جدید کے نصاب سے ہم آہنگ کرنا بھی شامل ہے۔

(۳) مذہبی اداروں کی دیکھبال: روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن اندرون وطن میں کئے مدرسوں اور مساجد کو امداد بھی فراہم کر رہی ہے، تاکہ وہ اپنے اخراجات پورے کر سکیں، برما جیسے ملک میں باقی ماندہ مذہبی مدرسوں کو بچانا انتہائی اہم ذمے داری ہے، یہ ذمے داری بھی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن پوری کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

آر ایس او سماجی میدان میں:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے مولانا سیف الاسلام کے دور قیادت اور ان کے بعد ڈاکٹر محمد

یونس کی رہنمائی کے دوران سماجی میدان میں بڑی بڑی ذمے داریاں نبھائیں:

(۱) فراہمی مواد: روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے غریب مسلمانوں، بیواؤں اور معذور افراد کو خوراک، ادویات اور کپڑے وغیرہ وسیع پیمانے پر فراہم کیا ہے، برمی مسلمانوں کو شدید ضرورت کے وقت نقد مالی امداد بھی دی جارہی ہے، تاکہ وہ شادیاں، کفن دفن اور ایسے ہی دوسرے مواقع پر خود کو محتاج اور بے بس محسوس نہ کر سکیں۔

(۲) صحت عامہ: تنظیم ایک موبائل کلینک (گشتی شفاخانہ) کے ذریعے برما کے غریب مسلمانوں کو علاج کی سہولت فراہم کر رہی ہے، تنظیم نے غریب مسلمانوں کے لئے کئی ہسپتال قائم کرنے کا صوبہ بھی بنایا ہے اور اس کے لے زمین بھی خریدی جا چکی ہے۔

(۳) قرضۂ حسنہ: تنظیم نے چند قابل اور ذہین افراد کو اپنے تجارتی ادارے قائم کرنے کے لئے قرضۂ حسنہ فراہم کیا ہے، یہ قدم انہیں معاشی لحاظ سے مضبوط بنانے کے لئے اٹھایا گیا ہے۔

آر ایس او معاشی میدان میں:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے معاشی میدان میں بھی بہت ساری خدمات انجام دی ہیں:

(۱) سرمایہ کاری کے چند منصوبے بھی شروع کئے گئے، جن میں ماہی پروری، مرغ بانی اور مویشی بانی وغیرہ شامل ہے، جن کا مقصد روہنگیا مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے خوش حال بنانا ہے، تاکہ وہ جلد از جلد خود کفیل بن سکیں۔

(۲) روزگاری کی فراہمی: روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی طرف سے مسلمان مزدوروں کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ ان مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی حالت سدھر جائے۔

سیاسی پروگرام:

ارکان میں صدیوں سے آباد رہنے اور ساڑھے تین سو سال تک حکومت کرنے کے باوجود روہنگیا

مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے، ان کو قابض اور غاصب قوتیں غیر ملکی قرار دیتی رہتی ہیں، ان کے ساتھ نہ صرف بہیمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے بلکہ ان کی بستیوں کو منظم انداز میں تباہ و برباد کیا جاتا ہے، تاکہ انہیں اپنے ہی وطن سے بے دخل کیا جا سکے، ان وحشیانہ اور غیر انسانی سلوک کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی بے وطن ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے، روہنگیا مسلمان اس ظلم وستم کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کرتے رہے ہیں، لیکن غاصب نسل پرست حکمران کچھ سننے کو تیار نہیں، روہنگیا مسلمان برما کے اندر ہر طرف سے مایوس ہو کر رہ گئے ہیں، اور ان کے پاس ایسے حالات میں جہاد کی طرف آمادہ ہونے کے علاوہ اور کوئی راستہ بچا نہیں ہے، اس لئے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے جہاد کی تیاری کے حوالے سے مختلف پروگرام ترتیب دے رکھے ہیں، جن پر عمل درآمد بھی ہو رہا ہے۔

اسی طرح روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے امن پسند ممالک اور انسانیت دوست منظمات و شخصیات تک روہنگیا مسلمانوں کی آواز پہنچانے کی بڑی حد تک کوشش کی ہے، اور ان مسلمانوں کے مسائل کو پائیدار طور پر حل کرنے کے لئے حمایت حاصل کرنے کی جدوجہد میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر مطبوعات کے ساتھ انگریزی میں ''نیوز لیٹر'' (خبرنامہ) اردو میں ''انصاف'' اور انگریزی میں ''سہ ماہی انصاف'' کا اجراء ہوگیا ہے۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو تمام انسانوں کی بقائے باہمی پر یقین ہے، یہ تنظیم ارکان کی دیگر نسلی گروہوں اور قوموں جو ارکان میں پائی جاتی ہیں اور جو نسل پرستی، ظلم، ناانصافی اور غیر ملکی بالادستی کو مٹانا چاہتی ہیں ان کا ساتھ دینے کو تیار ہے، اور ارکان میں ایک عادلانہ نظام لانے کے لئے کوشاں بھی ہے۔

اتحاد الطلاب المسلمین ارکان (برما)

محترم مولانا سیف الاسلام صاحب کے دور قیادت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے روہنگیا طلبہ میں سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور انقلابی شعور کو بیدار کرنے لئے ایک طلبہ تنظیم کی بنیاد کو ضروری سمجھا تھا، بڑے خلوص اور عزم وارادے لئے ۱۹۸۷ء میں اتحاد الطلاب المسلمین ارکان برما (ITM) کے نام سے ایک طلبہ تنظیم کی بنیاد رکھی گئی، اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ آئی ٹی ایم نے قومی خدمات کے حوالے سے بہت ہی اچھے کام کئے اور اس کا سلسلہ ماشاءاللہ تعالی اب بھی باقی ہے، اس تنظیم نے تعلیمی اور ثقافتی خدمات کے علاوہ جہادی سرگرمی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، اور اس تنظیم کے ساختہ پرداختہ بہتوں نے راہ حق میں جام شہادت بھی نوش فرمایا، کم سے کم بنگلادیش میں اس تنظیم کی زیر نگرانی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں روہنگیا طلباء نے علم وعمل کے میدان میں کام سرانجام دیئے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن حضرات نے اس طلبہ تنظیم کی بنیاد رکھی تھی بڑے خلوص اور دردمندی سے رکھی تھی، جس کے نتائج اس تنظیم کے دور اول سے اب تک اچھے نکل رہے ہیں، اس تنظیم کے متعلق ''انصاف'' کے کالم نگار وسیم صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''بنگلادیش کے ساتھ ہی برما ہے، اس کے صوبہ ارکان میں مسلم روہنگیا قوم بہت بڑی تعداد میں آباد ہے، ان کی طلبہ تنظیم کا نام اتحاد الطلاب المسلمین ارکان برما (ITM) ہے، ۱۹۸۷ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، اور اس وقت سے لے کر اب تک یہ اعلی نصب العین، واضح طریق کار، جامع پروگرام اور اجتماعیت کی قوت کے ساتھ میدان عمل میں موجود ہے، ملک بھر میں اور بیرون ملک میں جہاں جہاں روہنگیا طلبہ موجود ہیں انہیں بیدار کرنے، حرکت وعمل پر آمادہ کرنے اور اصلاح معاشرہ کا کام انجام دینے کے لئے دعوت فکر وعمل دے رہی ہے، اس تنظیم نے قرآن وسنت رسولؐ کو اپنے طریقۂ کار کے لئے رہنما اور مشعل راہ بنایا ہے، طلباء کے اندر دینی شعور بیدار کرنا ان کی فکری وعملی تربیت کرنا، ضرورت مندوں کے کام آنا، غلبۂ اسلام کے لئے کوشاں ہونا اور اخلاقی

بگاڑ و ذہنی غلامی کے خلاف آواز بلند کرنا وغیرہ اس کے اغراض ومقاصد ہیں، جو طالب علم اتحاد کے نصب العین، طریقۂ کار اور اغراض ومقاصد سے اتفاق رکھتا ہو اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو اسے حامی کہتے ہیں، اور جو حامی اتحاد کی سرگرمیوں میں باقاعدگی کے ساتھ حصہ لے اسے کارکن کا نام دیا جاتا ہے، اور جو کارکن اتحاد کے دستور کی پابندی کا عہد کرے اور اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے اسے رکن کا درجہ دیا جاتا ہے، اتحاد کی مرکزی قیادت میں ایک صدر ہوتا ہے اور ایک جنرل سکریٹری''۔

اتحاد الطلاب المسلمین ارکان برما (ITM) نے نشر واشاعت کے میدان میں بھی بہت سارے کام کئے، ماضی میں اس کا ترجمان ''اتحاد'' کے نام سے نکلتا تھا، شاید اب بھی نکل رہا ہے، جس میں وقت کے ضروری مباحث، طلبہ کے لئے مفید اور کارآمد مضامین، روہنگیا مسلمانوں کے علاوہ عالم اسلام کے حالات اور حوادث، ارکانی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان اور آنے والے خطرات کی اچھی خاصی تصویر کشی ہوا کرتی تھی، غرض اتحاد الطلاب المسلمین کے نصب العین، اغراض ومقاصد، لائحۂ عمل وطریقۂ کار ماضی میں بہت ہی خوب تھا، اور مفید بھی، نہ جانے آج کل اس تنظیم کے کیا حالات ہیں، چند سال پہلے سننے میں آیا کہ ہمارے ماضی کی جماعتوں کی طرح اس میں بھی فساد اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہے، اللہ تعالی اس طلبہ تنظیم کو ہر شر وفساد سے محفوظ رکھے، آمین۔

چھٹا باب

روہنگیا نیشنل الائنس (RNA)

۱۰/۷/۱۹۹۵ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈیٹی آرگنائزیشن (RSO) (ڈاکٹر محمد یونس دھڑا) کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوا، جس کا نام روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) رکھا گیا تھا، جس میں ایک اسلامی جماعت کا قابل قدر دھڑا بھی متحدہ پروگرام میں نہ صرف شریک ہوا بلکہ اس نے قابل قدر کام بھی کیا تھا، ان تینوں تنظیموں نے منظم ہوکر برمی ظالموں کے خلاف گوریلا قسم کی کاروائیاں کیں، اس میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ پیش پیش رہی تھی، کہتے ہیں کہ فرنٹ نے اسلحہ فراہم کیا جب کہ آر ایس او نے مالی تعاون کے میدان میں کام سرانجام دیا تھا، اس دوران روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) کی تقریبا ساری گوریلا کاروائیاں کامیاب رہیں، جسے ہر طرف سے سراہا گیا تھا، مگر افسوس یہ ہے کہ یہ معاہدہ بہت دیر تک نہ چل سکا، اور مختلف وجوہات کی بناء پر کالعدم ہو گیا تھا۔

الائنس کا متحدہ اعلان:

(۱) روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) روہنگیا مسلمانوں کا واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

(۲) روہنگیا نیشنل الائنس کا نصب العین ''حق خود ارادیت'' ہے جو پورے برما خصوصاً ارکان کی دوسری اقلیتوں (جو اس نصب العین پر یقین رکھتی ہوں) کے ساتھ پورے تعاون اور مل جل کر جدوجہد کرنے کے خواہاں ہے۔

(۳) روہنگیا نیشنل الائنس اقوام عالم کی حمایت کے خواہاں ہے، خصوصاً اسلامی ملکوں اور تنظیموں،

عدل پسند ملکوں اور تحریکوں، انسانی حقوق کی بحالی چاہنے والی تنظیموں کے تعاون کے بھی خواہاں ہے، ساتھ ساتھ برما کے دیگر مخالف گروپوں جو سلورک غاصب حکومت کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں کے ساتھ مل جل کر تحریک چلانے کے آرزومند ہے۔

نیشنل الائنس کے مطالبات:

قومی اتحاد کے پیش نظر عدل وانصاف کو بحال کرنے اور وقت کے درپیش سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لئے روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) برمی سلورک حکومت سے درج ذیل مطالبات کرتا ہے:

(۱) سلورک اپنے نام نہاد نیشنل کونونشن (NATIONAL CONVENTION) کو فوراترک کردے۔

(۲) سلورک آزادئ رائے کو بحال کرے اور اخبارات پر لگائی گئی تمام پابندیاں ختم کردے۔

(۳) سلورک حکومت جو برمی اقلیتوں پر آپریشن چلارہی ہے اسے جلد بند کردے۔

(۴) سلورک انسانی حقوق کو ملک بھر میں بحال کرے اور انسانیت کو خون کرنے کے سارے پروگرام ترک کرنے کے ساتھ مختلف اور متضاد الزامات تراش تراش کر جتنے شہریوں کو سیاسی قیدی بنایا گیا انہیں جلد رہا کردے۔

(۵) سلورک روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کی چکی چلانا بند کرے اور ان پر سے ہر میدان میں لگائی گئی پابندیاں جلد ہٹالے۔

(۶) سلورک ملک میں پیش آئی ہوئی تمام سیاسی مشکلات ومسائل کو حل کرنے کے لئے برما کی تمام اقلیتوں بشمول روہنگیا مسلمانوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک نیشنل اجلاس بلائے جس میں روہنگیا مسلمانوں کی عوامی مسلح جدوجہد کرنے والی، علمی اور ثقافتی پروگراموں پر مبنی بنی ہوئی تنظیموں کے نمائندوں کو شریک ہونے کی دعوت دی جائے۔

(۷) مذکورہ ممکنہ اجلاس میں برما کو خالص ایک فیڈریل یونین بنانے کی تمام امکانات پر غور خوض ہو۔

(۸) ان تمام گفتگو کو چلانے اور پروگراموں کو آگے بڑھانے کے لئے مذکورہ ممکنہ اجلاس میں

حاضر ہونے والی تمام اقلیتوں کے نمائندوں کی متفقہ رائے سے ایک عبوری حکومت کی تشکیل دی جائے اور سلورک اپنے تمام اختیارات عبوری حکومت کے ہاتھ میں منتقل کردے، تاکہ وہ اپنے فرائض کو آزادی کے ساتھ نبھا سکے۔

(۹) ممکنہ عبوری حکومت ملک میں ازسرنو انتخابات کرانے کے قبل ملک کی تمام اقلیتوں کے نمائندوں کی شمولیت میں ایک آئین ساز اسمبلی کی تشکیل دے گی، جو نئے آئین بنائے گی اور اگلے انتخابات تک تمام فرائض حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے گی۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور ڈاکٹر صاحب:

دسمبر/ ۱۹۹۸ء میں قوم کے دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک حضرات علماء اور دانشوران، سیاست دان اور انقلابی لوگوں کی پیہم جدوجہد کے نتیجے میں قومی سطح پر تین متحرک تنظیموں:

۱۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (زیر قیادت جناب نورالاسلام صاحب)

۲۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت ڈاکٹر محمد یونس صاحب)

۳۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت پروفیسر محمد زکریا صاحب)

کے مابین اتحاد اور یک جہتی عمل میں آئی، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام عمل میں آیا، اس نئی تنظیم کا دستور اساسی اور قوانین مرتب ہوئے، اس دستور کے تحت الکشن ہوا تو جناب نورالاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب نائب صدور منتخب ہوئے تھے۔

لیکن قوم کی بدقسمتی ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کا قیام کے چند مہینے جاتے نہ جاتے اس میں بھی وہی کہانیاں شروع ہوگئیں جن کی وجہ سے ہمارے ماضی کے مختلف سیاسی اور انقلابی ادوار میں انتشار وافتراق کی جلوہ سامانیاں اور کرشمہ سازیاں دکھائی دی تھیں۔

بہر حال نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) نے پورے غور وخوض اور طویل بحث ومباحثہ کے ساتھ مسلسل اجلاس کے ذریعے ایک جامع ومانع اور قابل صد ستائش دستور سامنے لایا، اور اس دستور

کے مطابق مجلس عاملہ بشمول دیگر مجالس کی تشکیل عمل میں آئی اور جس کے مطابق دسمبر/ ۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا باضابطہ اعلان ہوا، اس حوالے سے راقم سطور کا ایک تحریر کردہ اقتباس ملاحظہ ہو، جسے اس نے اپنی کاوش ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے جلد پنجم'' میں لکھا ہے:

> '' بہر حال دسمبر/ ۱۹۹۸ء کو پوری قوم میں سے کچھ دل درمند اور فکر ارجمند اور قابل ومستعد حضرات علمائے کرام اور دانشوران عظام، انقلابی اور سیاسی لوگوں کی طویل جدوجہد اور پیہم کوششوں کے نتیجے میں قومی سطح کی متحرک چند جماعتوں ،گروپوں اور شخصیتوں کے مابین یک جہتی وہم آہنگی، اتحاد واتفاق سامنے آیا، یوں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے قیام کا اعلان ہوا، اس سے پہلے اس نئی تنظیم کا دستور پورے غور وخوض اور مسلسل اجلاس کے ذریعے مرتب ہو چکا تھا، جس کے مطابق الکشن ہوا، جس کے نتیجے میں مسٹر نور الاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس نائب صدر اول اور مولانا سیف الاسلام صاحب نائب صدر ثانی مقرر ہوئے''۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مذکورہ انتخابات کے نتیجے میں سامنے آنے والے مجلس عاملہ کے سارے اراکین کے اسمائے گرامی مع مناصب یہاں درج کر دیئے جائیں:

اراکین مجلس عاملہ:

۱۔ جناب نور الاسلام صاحب۔ (صدر)
۲۔ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب۔ نائب صدر اول، وذمے دار برائے امور سیاست۔
۳۔ جناب مولانا سیف الاسلام صاحب۔ نائب صدر ثانی، وذمے دار برائے امور تنظیم۔
۴۔ جناب پروفیسر محمد زکریا صاحب۔ جنرل سکریٹری، وذمے دار برائے دفتری امور۔
۵۔ جناب الحاج سعید الرحمن صاحب۔ سکریٹری برائے امور مالیات۔
۶۔ جناب ماسٹر امان اللہ صاحب۔ سکریٹری برائے نشرواشاعت وتحقیقات۔

۷۔ جناب الحاج محمد اقبال صاحب۔ سکریٹری برائے امور مہاجرین واین جی اوز
۸۔ جناب ماسٹر فیاض احمد صاحب۔ سکریٹری برائے امور تعلیم وثقافت۔
۹۔ جناب کمانڈر سلیم اللہ صاحب۔ چیف آف مجاہدین۔
۱۰۔ جناب کمانڈر محمد یونس صاحب۔ نائب چیف آف مجاہدین۔
۱۱۔ جناب مولانا دین محمد صاحب۔ سکریٹری برائے امور صحت وبہبود عامہ۔
۱۲۔ جناب الحاج اظہار میاں صاحب۔ سکریٹری برائے معاشی ترقیات۔
۱۳۔ جناب قاری عبد السلام صاحب۔ سکریٹری برائے دعوت وارشاد۔

اس کے بعد پروگرام یہی تھا کہ دونوں مذکورہ جماعتوں کے مجاہدین کو مرحلہ وار مختلف تربیتی کورسس کے ذریعے انضمام کرلیا جائے گا، چناں چہ مجاہدین کے کیمپوں میں اس حوالے سے چند تربیتی کورسس ہو بھی پائے تھے، مگر افسوس ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے مجاہدین کو ہر چند کوشش کے باوجود قریب لایا نہ جاسکا، اور وقت کے ساتھ ساتھ قربت کے بجائے ان دونوں کے مابین سوئے تفاہم کا خلیج بڑھتا چلا گیا، اور شکایات در شکایات اور الزامات در الزامات کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مرکزی قائدین کے مابین بھی الزام در الزام کی شکل میں سوئے تفاہم کا دورہ ہو چلا، یوں بالآخر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی اعلی قیادت اور مجاہدین کے مابین دڑارے پڑ گئے، البتہ تنظیم میں اب کی بار جو بگاڑ آیا اسے از سرنو بنانے سنوارنے اور اصلاح کرنے کے حوالے سے ہماری اعلی قیادت کے علاوہ بھی چند دیگر دل جلے علماء اور دانشوران نے ہر چند کوششیں کیں، مگر وقت کے ساتھ ان کی تمام کوششیں رائگاں ہو گئیں یا کر دی گئی تھیں، اور اب کی بار تنظیم جس مصیبت کے گرداب وبھنور میں پھنس چکی تھی اس سے نکلنے کے لئے بڑی حد تک جان سوزی کی گئی، اور ہر طرف ہاتھ پیر مار کے دیکھا گیا، مگر بے سود، بالآخر ہوا وہ کہ جس کا شدید سے شدید ترین خدشہ تھا، یعنی ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے اعلان کے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے مولانا دین محمد (مرحوم) وغیرہ کی قیادت میں مسلح آر ایس کے مجاہدین نے تنظیم سے خروج اور اس سے اپنی مکمل علیحدگی کے ساتھ کالعدم ''روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن'' کے زندہ ہونے کا

بھی اعلان کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ہمارے سیاسی اور انقلابی آنگن میں بڑی افسوسناک حد تک تلخیاں بڑھ چکی تھیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ ہاتھا پائی سے آگے بڑھ کر خون ریزی تک پہنچ چکا تھا۔

ادھر مجاہدین میں افراتفری ہو چکی تو ادھر تنظیم کی اعلی قیادت میں بھگدر مچ گئی تھی، اور الزام در الزام کا از سر نو دورہ پڑ چکا تھا، یوں اگلے چند دنوں کے بعد محترم پروفیسر محمد زکریا صاحب سمیت ان کے ہم نوا چند حضرات ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

اب جہاں تک محترم ڈاکٹر محمد یونس کا سوال ہے، آں جناب تب بھی تنظیم سے لو لگائے ہوئے تھے، آپ کا موقف بھی تنظیم کے گئے گزرے حالات کے حوالے سے محترم نور الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں جیسا تھا، مگر اگلے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے آپ کے موقف میں خاصی تبدیلی محسوس کی گئی، اس درمیان آپ کو امریکہ کا سفر پیش آیا، اور آپ نے اس سفر سے نہ چاہتے ہوئے بھی واپسی کے معا بعد ۳/ستمبر/۲۰۰۰ء میں تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی، جس کی وجہ سے تنظیم کا خاصا نقصان ہوا تھا۔

اس داستان کی ساری تفاصیل ایک طرف اس عجالہ میں ممکن نہیں، دوسری طرف اسے من وعن یہاں بیان کر دیا جائے تو ہمارے مابین سوئے تفاہم کا خلیج مزید بڑھ جانے کا شدید اندیشہ ہے، البتہ اگر اللہ تعالی کی توفیق سے راقم کی کاوش "تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے جلد پنجم" چھپ کر منظر عام میں آجائے تو اس میں اس افسوسناک داستاں کی ساری تفصیلات من وعن بالترتیب پڑھی جا سکیں گی۔

دراصل ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تاسیس میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا بنیادی کردار رہا ہے، چوں کہ ایک طرف ڈاکٹر صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے صدر تھے تو دوسری طرف ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے صدر محترم نور الاسلام صاحب تھے، تو ظاہر ہے کہ ان دونوں تنظیموں کے صدور کے کردار ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) بن کر سامنے آنے میں بہت ہی اہم رہا تھا، اس وقت اگر ان دونوں کی کوشش نہ ہوئی ہوتی تو شاید ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تاسیس ممکن ہو سکتی تھی۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تاسیس کے دوران ڈاکٹر محمد یونس صاحب کو قومی یک جہتی کے

حوالے سے بڑے مخلص دیکھا گیا، بالآخر نور الاسلام صاحب اس تنظیم کے صدر مقرر ہوئے تو ڈاکٹر محمد یونس نائب صدر اول اور مولانا سیف الاسلام صاحب نائب صدر ثانی کے عہدے پر فائز ہوئے تھے، اگر چہ ظاہر ہے کہ سارے قومی لیڈران بس ایک ہی جماعت کے سائے تلے آ گئے لیکن مجاہدین آر ایس او نے مختلف بہانے سے متحدہ فوجی کمانڈ کے سائے تلے آنے سے انکار کر دیا، بالآخر آر ایس او کے مجاہدین نے مولانا دین محمد صاحب کی سرکردگی میں دوبارہ آر ایس او کا اعلان کر دیا تھا۔

اس درمیانی مدت میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے حوالے سے بہت ساری باتیں ہیں، ان ساری تفصیلات سے صرف نظر بس ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے حوالے سے ڈکٹر صاحب کے متعلق دو چار باتیں یہاں قابل ذکر ہیں کہ:

(۱) ڈاکٹر محمد یونس صاحب صدر اے آر این او جناب نور الاسلام صاحب سے پہلے پہلے خوش تھے، مگر بعد میں آپ کے رویے میں کافی تبدیلی آ گئی تھی، اور یہ تبدیلی اس لئے آئی کہ ڈاکٹر صاحب جناب نور الاسلام صاحب کے بعض کردار اور بعض لوگوں کے ساتھ ان کے برتاؤ سے نالاں ہو گئے تھے۔

(۲) پالیسی کے حوالے سے بات یہ تھی کہ مجاہدین آر ایس او کی بغاوت پر پہلے پہلے زمانے میں ان مجاہدین کے متعلق ڈاکٹر صاحب اور نور الاسلام صاحب ہم خیال وہم نوا تھے، لیکن مجاہدین کے مابین گولیاں چلنے اور اس نتیجے میں دو مجاہدین کی شہادت کے واقعہ نے ڈاکٹر صاحب کے دل میں خلش پیدا ہو گئی تھی۔

(۳) چوں کہ ڈاکٹر صاحب کے داماد جناب برادر محمد یونس منگڈوی ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے عسکری بازو روہنگیا نیشنل آرمی (RNA) کے نائب چیف آف کمانڈر تھے، لیکن مصیبت یہ ہو چکی تھی کہ ایک طرف آر ایس او کے مجاہدین برادر محمد یونس صاحب پر نالاں اور برگشتہ تھے تو دوسری طرف اے آر این او میں شامل مجاہدین بھی ان کے بعض رویوں پر خوش نہ تھے، ویسے آئے دن حالات بگڑتے گئے تھے، چوں کہ برادر محمد یونس صاحب ڈاکٹر محمد یونس کے چہیتے تھے، لیکن برادر محمد یونس صاحب پر ہر طرف سے تنقید شروع ہو گئی تو ڈاکٹر صاحب کا دل ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے اچھاٹ ہو گیا تھا۔

(۴) مولانا دین محمد صاحب کی سرکردگی میں آرایس او کے مجاہدین کی بغاوت کے بعد ان لوگوں نے یہی کوشش کی کہ ڈاکٹر صاحب کو اے آراین او سے نکال باہر کرکے ان کے ساتھ ملا لیا جائے، اس حوالے سے انہوں نے سازشوں پر سازش اور پروپیگنڈوں پر پروپیگنڈے کئے، اور کوشش کی کہ ڈاکٹر صاحب کا دل اے آراین او سے بگڑ جائے، بالآخر ان کی سازش کامیاب ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر محترم و اراکین مجلس عاملہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد:

تنظیم میں ماضی میں بہت سے لوگ آئے تھے، اب بھی آرہے ہیں، اور اللہ تعالی کی مرضی ہو تو مستقبل میں بھی آتے رہیں گے، ماضی میں ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ہر ایک کو بغیر جانچے پرکھے تنظیم کے سائے تلے جگہ دی، جس سے بڑا تلخ تجربہ ہوا، اس حوالے سے میری عرض بس اتنی ہے کہ ہمارے ساتھ کام کرنے کی نیت سے آنے والوں کو اچھی طرح جانچا پرکھا جائے، اس کے بغیر میرا تجربہ کہتا ہے کہ ہم مشکلات کے گرداب سے کبھی بھی باہر نہیں ہونے پائیں گے، تجربہ سے ثابت ہوا کہ ظاہری شکل وصورت میں آدمی بڑا معصوم اور مخلص نظر آتا ہے، مگر چند دن جاتے نہ جاتے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کے پیچھے مال وزر کی لالچ اور دنیا کا حرص کام کررہا ہے، اب کریں تو کیا کریں، اسے دور پھینکنا بھی مشکل اور قریب رکھنا بھی مشکل، مصیبت گلے پڑ جاتی ہے تو بسا اوقات بچنے بچانے کا راستہ تک نظر نہیں آتا، تنظیم میں مالی فراوانی ہوتی ہے تو یہ مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری اس نوعیت کی جماعت ہمیشہ صبر وشکر، ایثار وقربانی، بھائی چارگی وہم دردی، اخلاص وللّٰہیت کا تقاضا کرتی ہے اور کرتی رہے گی، یہاں جمع شدہ افراد کو ان مذکورہ عالی خصال کا عملی مظاہرہ کرنا ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص وللّٰہیت کے لبادے میں صرف زبانی جمع خرچ

کا مظاہرہ ہو جائے، مخصوص طور پر لیڈروں کو اس کا ثبوت عملی طور پر دینا پڑے گا، جن کے عملی کردار سے تنظیم کے اراکین بھی درس لیں گے، اور قوم بھی سبق سیکھے گی، باقی ہمارے تمام کام مقاصد اور نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے پورے منصوبہ بندی سے ہونا چاہئے، پوری منصوبہ بندی کے بغیر اتنا بڑا کام کبھی بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا، جس کی طرف ہمارے بعض حضرات کا اشارہ ہے، بس اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو، والسلام علیکم۔

ڈاکٹر/محمد یونس

نائب صدر/ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)

۷/۹/۱۹۹۹ء

میجر مجیب الرحمن صاحب:

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہونے کے تقریباً ڈیڑھ دو سال بعد جناب مجیب الرحمن (سابق کرمیجر) نامی ایک صاحب کا اے آراین کے لیڈران سے رابطہ ہوا، جس کے نتیجے میں ان صاحب کی سرگرمیاں اے آراین او کے حلقے میں آئے دن بڑھتی ہی گئی تھیں، ان سے تنظیم کے چوٹی کے لیڈروں جن میں نور الاسلام صاحب اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب پیش پیش تھے سے مسلسل جلسے ہونے لگے تھے، بعد میں جہاں تک معلوم ہوا کہ میجر صاحب کی چاہت تھی کہ:

(۱) سرزمین ارکان کے حوالے سے اے آراین او کے ذریعے ایک متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کردیا جائے۔

(۲) کسی بھی طریقے سے مجاہدین کے دونوں گروپوں کو انضمام کرلیا جائے۔

(۳) اس مجوزہ متوازی حکومت میں جناب مجیب الرحمن صاحب کی بھی شراکت ہو۔

(۴) لیڈران روہنگیا میجر صاحب کے کہنے پر اٹھے بیٹھے، کودے ناچے۔

اس حوالے سے کرنل صاحب نے اے آراین او کے لیڈران کے علاوہ ازسر نو اعلان شدہ آرایس او کے لیڈران شیخ مولانا دین محمد اور مولانا سلیم اللہ وغیرہ سے بھی مختلف ملاقاتیں کیں، ایک موقع پر

موخرالذکر مولانا صاحب سے تلخ کلامی کی نوبت بھی آئی تھی، میجر صاحب سے اے آر این او والوں کا قدرے اتفاق ہی ہو چکا تھا، اس درمیانی مدت میں ڈاکٹر صاحب امریکہ کے دورے پر چلے گئے اور واپسی کا نام تک نہ لے رہے تھے، ایسی حالت میں محترم جناب نور الاسلام صاحب اور اے آر این او والے پریشان ہو گئے تھے، بالآخر میجر صاحب کے شدید اصرار پر ڈاکٹر صاحب امریکہ سے واپس آ گئے تھے، علاوہ ازیں سب سے بڑی بات یہ ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی چاہت تھی کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا ہائی کمانڈ جناب میجر مجیب الرحمن کے ہاتھ میں دے دیا جائے، لیکن جناب نور الاسلام صاحب اس چاہت کے بالکل برخلاف تھے۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے علیحدگی:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب امریکہ سے واپس آنے کے بعد ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے لیڈران بشمول میجر مجیب الرحمن صاحب نے چند جلسے کئے تھے، اس دوران جہاں تک اندازہ کیا گیا کہ ڈاکٹر صاحب اگرچہ میجر صاحب کے شدید اصرار پر امریکہ سے واپس آ گئے تھے، مگر آپ اے آر این او سے خاصے بدظن ہو چکے تھے، موصوف چاہتے نہ تھے کہ آپ کی شمولیت مزید اس تنظیم میں رہے، ان مذکورہ جلسوں میں ڈاکٹر صاحب نے لیڈران اے آر این او کے خلاف مختلف سوالات اٹھائے، خصوصی طور پر مجاہدین آر ایس او کے خلاف کئے جانے والے اقدامات پر ان کی خاصی شکایات رہیں، آپ کی گفتگو اور طرز عمل سے یہ بات سورج کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی سازش اور چال ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے کافی حد تک کام کر گئی تھی۔

۲۰۰۲ء کے کسی ایک مہینے میں ڈاکٹر صاحب نے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے علیحدگی اختیار کر لی، آپ کے ساتھ روہنگیا نیشنل آرمی (RNA) کے نائب چیف آف کمانڈر جناب محمد یونس بھی اس تنظیم سے نکل گئے تھے۔

مجھے ابھی بھی وہ لمحہ یاد آ رہا ہے کہ جس وقت ڈاکٹر صاحب اور برادر محمد یونس صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے صدر دفتر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل جا رہے تھے، میں نے ان

دونوں کو دروازے پر روکا، اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب! اب بھی سدھرنے سدھارنے کی گنجائش باقی ہے نا! جواب میں ڈاکٹر صاحب نے معذرت کر لی اور کہا کہ مولانا صاحب! اللہ حافظ، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کی بھلائی کا فیصلہ کرے۔

اس کے چند دن بعد محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے متعلق ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن نے ایک اعلامیہ جاری کیا، جس کے بعد پوری قوم کے سامنے یہ واضح ہو گیا کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور آپ کے داماد کمانڈر جناب برادر محمد یونس صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے بچھڑ چکے ہیں۔

اطلاع برائے متعلقین واحباب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم اپنے تمام متعلقین واحباب کو بڑی اہمیت کے ساتھ یہ مطلع کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی حالیہ کارکردگی اور ان کی ہمارے قائدین اور تنظیموں کو سب وشتم پر مشتمل تحریریں اور بیانات جو خود ان کے خیر اندیشوں اور ارکانی قوم کی ناراضگی اور برہمی کے سبب بنے ہیں، ان سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کی تمام دلخراش کارکردگی وسرگرمی، بیانات اور تحریروں سے مرتب ہونے والے انجام کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے تب سے نائب صدارت کے عہدہ پر فائز تھے، جب سے یہ متحدہ محاذ نومبر/ ۱۹۹۸ء میں تمام تنظیموں کو اپنے اندر شریک کرتے ہوئے ارکانی قوم کی واحد نمائندگی کا فریضہ انجام دے رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اتحاد وانضمام ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دھڑوں کے درمیان ہوا تھا۔

یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ جنہوں نے مذکورہ اتحاد وانضمام کے دوران اپنے احباب اور خیر اندیشوں کے سامنے قوم وملت سے وفاداری نبھانے کا عہد وپیمان کیا تھا، انہوں نے مئی/ ۲۰۰۰ء سے اپنی پوزیشن کو تبدیل کرتے ہوئے تنظیم سے تعاون کا ہاتھ اٹھا لیا ہے، پھر ہم سمجھتے

ہیں کہ انہوں نے غیر متوازن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے دستور آساسی، اس کے مختلف اداروں وانجمنوں اور قوم کے احساس وشعور اور ضمیر کی بے احترامی کی ہے، جوان کے لئے سزاوار نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب کسی بھی اسباب ووجوہات کے بغیر قوم اور تنظیم کے تمام خیر اندیشوں، اراکین اور ممبران کو بڑی حد تک پریشان وششدر کرتے ہوئے ایک خفیہ ایجنڈے کے تحت اپنی غیر واضح پوزیشن سے مشکوک اور مشتبہ منزل کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں، اسی لئے ہم اپنے خیر اندیشوں اور متعلقین کو بڑی اہمیت کے ساتھ ان کے غیر معتدلانہ کردار سے آگاہ کرتے ہیں، اور ساتھ ساتھ ان کی پریشان کن سرگرمیوں سے ہشیار رہنے کی گذارش بھی کرتے ہیں۔

نورالاسلام

صدر/ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)

ارکان (برما)

ڈاکٹر صاحب میڈیکل چیمبر میں:

ادھر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے مکمل علیحدگی کے بعد ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی معاشی حالت بہت ہی ابتر ہو چکی تھی، ادھر ۲۰۰۳ء کے دوران ہمارے مجاہدین اور منظمات کے حوالے سے بنگلادیشی حکومت کا رویہ بھی بالکل بدل چکا تھا، ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے محترم چیف آف کمانڈر محمد سلیم صاحب شجاع فاروی گرفتار ہو چکے تھے، تمام لیڈروں کے لئے بنگلادیش کی زمین تنگ ہو چکی تھی، ایسے حالات میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب سعودی عرب چلے گئے، جہاں آپ نے تقریباً ڈیڑھ دوسال گزار دیئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا قیام مکہ مکرمہ کا معروف محلہ نکاسہ میں تھا، جہاں موصوف اپنے چہیتے داماد برادر محمد یونس صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے، راقم سطور نے آپ سے وہاں چند ملاقاتیں کیں، دیکھا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کی طرح اب بھی مایوس نہیں ہیں، موقع کی تلاش میں تھے کہ کس طرح منظم طریقے سے قومی وملی کام کیا جاسکے، اور قوم کو اس مشکل بحران سے نکالا جاسکے۔

پھر بنگلادیش میں ہماری حالت کچھ سدھر سی گئی تو ڈاکٹر صاحب بنگلادیش واپس آئے، اور اپنی معاشی حالات کو سدھارنے کے لئے بی بلاک حوالی شہر چاٹگام کے مقام پر ایک میڈیکل چیمبر کا افتتاح کیا، قریب میں ایک مکان اپنی رہائش کے لئے کرایہ پر لیا، جہاں آپ مع اہلیہ محترمہ رہا کرتے تھے، باقی فیملی کے ممبران چاٹگام کے معروف رہائشی علاقہ چاندگاؤں میں مقیم تھے۔

۲۰۰۴ء/ ۲۰۰۵ء کی درمیانی مدت میں راقم سطور چھ مہینے کی چھٹی پر بنگلادیش پہنچا تو ڈاکٹر صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر ترس آیا تھا، میں نے ڈاکٹر صاحب سے آپ کے میڈیکل چیمبر اور رہائش گاہ میں مختلف ملاقاتیں کیں، بعض ملاقاتوں میں محترم حبیب الرحمن صاحب سائندہ فاروی بھی تھے، اس دوران ہم سوچتے رہے کہ قوم کے اس مشکل حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے، اس دوران جہاں تک اندازہ کیا گیا کہ ڈاکٹر صاحب ایسے مشکل حالات میں بھی بڑے حوصلہ مند تھے، اب بھی اپنے ملک وقوم کے لئے کچھ کرنا چاہتے تھے، غرض ناامیدی آپ کے چہرے میں نہیں دیکھی گئی تھی۔

ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم (ALJF) کا قیام:

سن ۲۰۰۵ء یا اس کے کے کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم (ALJF) نامی ایک تنظیم کا اعلان کیا، جس میں برادر محمد یونس کے علاوہ ریاض میں مقیم ہمارے ایک دانشور مسٹر جانی عالم معروف بہ ''جانی'' بھی شامل تھے، مذکورہ پارٹی کے اعلان کے بعد ڈاکٹر صاحب از سر نو قومی امور کے حوالے سے بڑے متحرک ہو گئے، اس زمانے میں لکھا گیا ڈاکٹر صاحب کا ایک طویل مقالہ میرے سامنے ہے، جس میں سن تو ہے لیکن تاریخ ثبت نہیں، یہ مقالہ محترم نور الاسلام صاحب صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے نام لکھا گیا تھا، جو ایک رسالہ/ مقالہ کی شکل میں ہے، اور جہاں تک مجھے یاد ہے کہ یہ مقالہ آپ نے ۲۰۰۶ء/ اور ۲۰۰۷ء کی درمیانی مدت میں لکھا تھا، چوں کہ اس زمانے میں محترم نور الاسلام صاحب کی تحریک سے تھائی لینڈ کے دار الحکومت بنکاک میں قومی یک جہتی کے حوالے سے ایک قومی اجلاس منعقد ہو رہا تھا، ڈاکٹر صاحب تو اس میں حاضر نہ ہو سکے، تاہم اس حوالے سے یہ رسالہ محترم نور الاسلام صاحب کے نام بھیجا گیا تھا، جس میں آپ نے روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے مختلف امور پر طول طویل گفتگو کی، جس میں ان مسلمانوں کی تاریخ، سیاست، سماجی زندگی، دینی حالات کے علاوہ ان کے مسائل و مشکلات اور ان کے حل پر خاصی باتیں چھیڑی گئیں، دیکھنے میں تو یہ ایک رسالہ (خط) ہے، مگر خط نہیں ایک کتابچہ بن گیا ہے، جو ایک حیثیت سے مفید تو ہے لیکن اس رسالے کے بعض مندرجات خطرناک بھی تھے اور ہیں، کیوں کہ اس میں آپ نے روہنگیا علمائے کرام اور مدارس اسلامیہ پر ناروا الزامات اور اتہامات کا بوچھار کیا ہے، جس کی وجہ سے اس وقت روہنگیا مسلمانوں کے دینی حلقوں میں طوفان بپا ہو گیا تھا، نہ جانے آپ نے کس مناسبت سے اپنے اس رسالہ میں ایسی ناروا باتیں تحریر کیں، جن کی وجہ سے روہنگیا مسلمانوں کے دینی اور مذہبی حلقوں میں ایک کہرام سا مچ گیا تھا، جبکہ اس قسم کی نازیبا باتیں آپ کے موضوع بحث سے خارج تھیں، یہ رسالہ/ مقالہ منظر عام پر آتے ہی روہنگیا علماء نے مختلف مقامات میں ڈاکٹر صاحب کے خلاف جلسے کئے، آپ کے خلاف مختلف تحریریں شائع کیں، اس سلسلہ کا ایک جلسہ جدہ میں بھی

منعقد کیا گیا تھا، راقم سطور اس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ علمائے کرام میں آپ کے خلاف غم و غصے کا طوفان بپا ہے، یوں اس رسالہ کے شائع ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک آپ کی شخصیت ہمارے دینی حلقوں میں متنازعہ بن چکی تھی، غالباً اس کے اثرات اب بھی بعض حلقوں میں پائے جاتے ہوں، بطور خاص جبھی علماء حلقوں میں ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے کوئی بات ہوتی تو آپ کے مذکورہ رسالہ/ مقالہ کے ان مندرجات کا حوالہ بڑے آن بان اور شان سے دیا جاتا ہے۔

بہر حال ڈاکٹر صاحب نے ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم کے بطور صدر چند سال کام کئے، آپ نے ۲۰۰۸ء کے دوران لال خان بازار والے قومی کنونشن میں موخر الذکر تنظیم کے صدر کی حیثیت سے شرکت کی تھی، اس کے بعد آپ نے اس تنظیم کو چھوڑا یا کالعدم کر دیا، پھر ۲۰۰۹ء یا اس کے کچھ عرصہ بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دوبارہ عہدۂ صدارت پر براجمان ہو گئے، جس کا سلسلہ تا حال سن ۲۰۲۴ء تک باقی ہے۔

آر ایس او میں دوبارہ واپسی:

مولانا شیخ دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی کی سعودی دار الحکومت ریاض میں اچانک موت کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے قائم مقام صدر مولانا سلیم اللہ صاحب مرنگلوی مقرر ہوئے، اس کے بعد اس تنظیم میں داخلی خلفشاری شروع ہو چکی تھی، بالآخر تنظیم مختلف گروپوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس دوران خود مولانا سلیم اللہ صاحب نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے نام سے ایک جماعت کا اعلان کر دیا تو مولانا موصوف کے ساتھ جو رشتہ مجاہدین آر ایس او کا تھا وہ ختم ہو گیا، اب آر ایس او میں مزید بگاڑ آیا کہ خود یہ تنظیم مختلف گروپوں میں بٹ گئی تھی:

(۱) ایک کی قیادت ڈاکٹر دین محمد بن مولانا سید الامین منگنماوی صاحب کر رہے تھے، جن کے ساتھ محمد ایوب نامی ایک کمانڈر بشمول مجاہدین تھے، یعنی اگر چہ اس گروپ کا صدر ڈاکٹر دین محمد صاحب تھے لیکن عملاً اس کی روح رواں کمانڈر محمد ایوب متصور تھے۔

(۲) دوسرے گروپ کی قیادت مولوی سلامت اللہ لاوادنگی بوسیدنگی متخرج جامعہ اسلامیہ مدینہ منورۃ کررہے تھے، یہ گروپ غیر مسلح تھا، اس گروپ میں درج ذیل حضرات بھی شامل تھے:

(۱) جناب ابوصدیق ارمان صاحب، طالب جامعہ محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض۔

(۲) جناب رشید احمد صاحب ممبراوی۔

(۳) کمانڈر حافظ محمد جابر/ جابر احمد صاحب۔

(۴) کمانڈ حافظ نور البشر صاحب۔

ایک مدت گزرنے کے بعد موخر الذکر گروپ سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا رابطہ استوار ہوا، بالآخر اس گروپ نے آر ایس او کی قیادت ڈاکٹر صاحب کو سونپ دیا، یوں ڈاکٹر صاحب از سرنو آر ایس او کے (اگرچہ ایک غیر مسلح گروپ ہی سہی) صدر بن گئے تھے۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں ڈاکٹر صاحب کی واپسی کے بعد مذکورہ ان دونوں گروپوں کے درمیان رسہ کشی بڑھ گئی تھی، ہرایک گروپ اپنے آپ کو آر ایس او کے زیادہ حق دار ہونے کا دعوی کررہا تھا، اس سلسلے میں بہت ساری باتیں ہوئیں اور مخاصمتیں دیکھی گئیں، اس حوالے سے ایک بڑا معرکہ ان دونوں گروپوں کے مابین اس وقت نظر آیا کہ جب ۲۰۱۱ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے صدر دفتر جدہ میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے تاسیسی اجلاس منعقد ہوا تھا، اس وقت مولانا سلیم اللہ صاحب تو آر ایس او آر (RSOR) کے نمائندہ تھے، لیکن روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مذکورہ دونوں گروپوں کے نمائندے بھی وہاں حاضر تھے، ایک گروپ کی نمائندگی ڈاکٹر دین محمد صاحب کررہے تو دوسرے گروپ کی نمائندگی ڈاکٹر محمد یونس صاحب کررہے تھے۔

اس معرکہ کے متعلق ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ محترم نور الاسلام صاحب صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ڈاکٹر دین محمد صاحب کے حامی تھے، ان کے خیال میں آر ایس او کا زیادہ حق دار دین محمد صاحب کا گروپ تھا، وہ اس لئے بھی ہے کہ:

''ڈاکٹر دین محمد صاحب کا گروپ ایک مسلح گروپ تھا، اس کے ساتھ آر ایس او

کی ایک حیثیت سے ماضی کا ایک تسلسل ہے، جب کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے گروپ ماضی کے تسلسل والا گروپ نہیں تھا، ڈاکٹر صاحب خود عرصۂ درازہ سے ایک سے زیادہ تنظیموں میں شمولیت اور ان سے علیحدگی کے بعد اچانک روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے صدر ہونے کے مدعی تھے''۔

بایں ہمہ ان مذکورہ دونوں گروپوں کے اس معرکہ میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی جیت ہوئی، اس جیت میں صرف اور صرف ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی شخصیت کا ڈاکٹر دین محمد صاحب کی شخصیت پر زیادہ بھاری ہونا تھا، ظاہر ہے کہ آپ کے مقابلے میں ڈاکٹر دین محمد صاحب کی شخصیت اتنی قدآور نہ تھی جتنی آپ کی تھی، حتی کہ ڈاکٹر دین محمد والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو ارکان روہنگیا یونین (ARU) میں اس بہانے سے شامل نہ ہونے دیا گیا کہ وہ ایک مسلح گروپ ہے، یاد رہے کہ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے دستور کے مطابق ارکان روہنگیا یونین (ARU) میں کسی بھی مسلح گروپ کی شمولیت کی گنجائش نہیں تھی اور نہ اب بھی ہے، یوں ارکان روہنگیا یونین میں آر ایس او کے نام سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب والے گروپ کو شامل کرلیا گیا، جس کا تسلسل ممکن ہے کہ اب بھی باقی ہے۔

پھر چند مہینے گزرتے نہ گزرتے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے گروپ سے مذکورہ سارے حضرات نکل گئے، بالآخر ۲۰۱۶ء/ یا ۲۰۱۷ء تک آپ کی پارٹی میں قابل ذکر شخصیات ڈاکٹر صاحب کے علاوہ آپ کے چھوٹا بھائی محمد طاہر صاحب اور چہیتے داماد برادر جناب محمد یونس صاحب رہ گئیں۔

ڈاکٹر محمد یونس کا ایک منفرد کام:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے اپنی تاریخی روایات سے ہٹ کر ایک عجیب وغریب کام یہ کیا کہ عہدۂ صدارت پر اب کی بار براجمان ہونے کے بعد آپ نے اپنی بنی بنائی مجلس عاملہ اور مجلس شوری کو برخاست کردیا، جس پر خود تنظیم کے اندر ردعمل ہوا، ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ اب کی بار صرف اور صرف امیر جماعت کے پاس مرکزی پاور رہے گا، نہ عاملہ ہے یہاں اور نہ کوئی شوری، جس کسی سے امیر صاحب چاہیں گے اس سے مشورہ لیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ ہرایک فرد کو امیر کے ہاتھ پر

بیعت کرنا پڑے گا، اور جو بھی امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کرے گا اسے تنظیم سے خارج تصور کیا جائے گا، چنانچہ راقم سطور نے ایسے حالات میں آپ سے مکہ مکرمہ اور جدہ میں چند مرتبہ ملاقاتیں کیں، ایک ملاقات کے دوران آپ نے یہ فرمایا کہ:

''ہم اپنے علم وبصیرت اور ماضی کے طویل تجربات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے مسائل جہاد وقتال کے بغیر کسی اور طریقے سے حل نہیں ہونے والے، ماضی میں ہم نے اپنی تنظیم کی کتنی مجلس شوری بنائی، کتنی مجلس عاملہ کی تشکیل دی مگر ان سے فائدے کے بجائے نقصان زیادہ ہوا، اس لئے میں نے اپنی تنظیم جس کا امیر اب میں ہوں یہی فیصلہ کرلیا کہ میں اپنی تنظیم کے بحیثیت امیر تمام امور (بشمول سیاسی، عسکری، مادی اور تنظیمی وغیرہ) کا فیصلہ بلا شرکت غیرے خود ہی کروں گا، یعنی سارے کے سارے اختیارات میرے پاس ہوں گے، کسی کے لئے کوئی مجال نہیں ہوگی میرے یعنی امیر کے سامنے دم بھی مارے، البتہ میں ضرورت پر اپنی جماعت کے اصحاب رائے سے مشورہ کروں گا، مگر اجتماعی طور پر نہیں بلکہ انفرادی اور خصوصی طور پر، جو جس کام پر یا جن امور میں مہارت رکھتا ہوگا اس کام یا ان امور پر بوقت ضرورت اس سے مشورہ کیا جائے گا، میری جماعت ایک اسلامی اور نظریاتی جماعت ہے، جسے اسلامی تحریک بھی کہا جا سکتا ہے، قرآن وسنت اس کا دستور اور سیرت پاک وتعامل صحابہ اس کے مشعل راہ ہیں، یوں میں نے جو کچھ بھی سیکھا ان سے سیکھا ہے، اور عمل بھی ان کے مطابق کیا جائے گا، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ڈاکٹر صاحب کے مطابق) شوری اور عاملہ نامی کوئی مجلس نہیں بنائی تھی، اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی، سو ہمارے لئے بھی اس کی کوئی ضرورت نہیں، یوں ساری طاقت اور اختیارات (پاور) امیر کے پاس ہوں گے، وہ جسے جس کام کے لئے مناسب سمجھیں گے استعمال کریں گے، میرے مذکورہ ان اصولوں پر سوچ سمجھ

کر کوئی متفق ہوگا تو وہ میرے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے جماعت میں داخل ہو سکے گا، اس کے بغیر اور کسی دوسرے طریقے سے نہیں''۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ان مذکورہ خیالات کے خلاف قوم کے اہل فکر و دانش کے علاوہ خود تنظیم کے اندر بھی ہلچل مچ گئی تھی اور سوال اٹھایا گیا کہ:

(۱) جناب من! چوں کہ آپ کی تنظیم آپ کے مطابق ایک اسلامی تنظیم بلکہ ایک اسلامی تحریک ہے تو قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ''**وامرھم شوری بینھم**'' کا کیا مطلب اور کیا مفہوم ہوگا؟ کہیں **شوری بینھم** سے شوری بنانے کی طرف اشارہ تو نہیں؟۔

(۲) اللہ کے برگزیدہ اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تو وقت وقت پر وحی آیا کرتا تھا، جس کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ختم، لیکن آپ؟؟۔

(۳) خلفائے راشدین بشمول تمام صحابہ رضوان اللہ تعالی **علیھم اجمعین** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، جبکہ حضور آپ؟؟؟۔

(۴) آپ کے مذکورہ خیالی اصولوں کو ڈکٹیٹر شب کا نام نہ دیا گیا تو بھلا ڈکٹیٹر شب کس بلا کا نام ہوگا، آیا وہ کوئی خیالی عنقاء تو نہیں جس کا وجود اب دنیا میں نہیں بلکہ صرف اور صرف انسان کے ذہن میں ہے؟؟؟؟۔

خوبی ہمیں کرشمہ وناز حرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ممکن ہے کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب اب بھی اپنے ان اصولوں پر عمل پیرا ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو مزید توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

ایک پائدار اسلامی تحریک کی بنیاد کی کوشش:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب بنیادی طور پر ایک اسلامی ذہنیت کا آدمی ہیں، سرزمین ارکان میں آپ اسلام کا بول بالا چاہتے ہیں، آپ نے اپنی تحریکی زندگی کی ابتداء سے یہ کوشش کی کہ تحریک اسلامی کے حوالے سے کام کرنے والوں کی ایک صحیح الفکر جماعت تشکیل ہو، روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل ہوئی تو مولانا سیف الاسلام کے دور قیادت میں اس تنظیم کا رشتہ جماعت اسلامی سے استوار ہوا، یوں ڈاکٹر صاحب کی توقع میں چار چاند لگ گئے تھے، آپ جماعت اسلامی کی لٹریچر سے خوب خوب مستفید ہوئے اور ساتھ ساتھ دنیا میں پائی جانے والی دیگر اسلامی الفکر تحریکوں سے بھی متعارف ہونے کی کوشش کی، آپ نے بطور خاص جماعت اخوان المسلمین مصر کی لٹریچر کا بھی خوب خوب مطالعہ کیا، یوں آپ کا ذہن ایک اسلامی ذہن بن چکا ہے۔

۲۰۰۹ء کے بعد جب ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے دوبارہ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی قیادت سنبھالی تو ببانگ دہل اعلان کیا کہ:

> ''ہم ارکان کے حوالے سے ایک صحیح الفکر اور صحیح العمل تحریک اسلامی کی بنیاد کے خواہاں ہیں، جہاں بیعت کی شکل میں اطاعت امیر ہو، امیر کے سامنے سارے کے سارے اراکین اور ممبران سر تسلیم خم کرنے والے ہوں، امیر جو بھی حکم کرے اس کی بجا آوری کے لئے جان کی بازی لگانے والے ہوں، قربانی اور ایثار کے جذبے رکھنے والے ہوں، قوم وملت کے دل وجان سے خیر خواہ ہوں''۔

اس حوالے سے راقم السطور سے بھی مختلف جلسوں میں تفصیلی گفتگو ہوئی، آپ کا کہنا تھا کہ:

> ''جناب من! اس تحریک کے حوالے سے ہم نے کام کیا اور اب بھی انشاء اللہ تعالی کام کرتے جائیں گے، اگر چہ میں اکیلا ہی کیوں نہ ہوں، انشاء اللہ کارواں ضرور بنتا جائے گا''۔

ڈاکٹر صاحب بحیثیت خطیب ومصنف:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب ایک قابل قدر خطیب بھی ہیں اور قابل قدر مصنف بھی، تحریک اسلامی کے حوالے سے آپ کے خطابات میں جان بھی ہوتی ہے اور تاثیر بھی، آپ اپنی تحریروں میں قرآن وحدیث سے استشہاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اتحاد واتفاق اور قومی ہم آہنگی سے قریب تر، اور انتشار اور تفرقہ سے دور رہنے کے حوالے سے آپ کی تقریر بڑی جان دار اور موثر ہوتی ہے، خطابات کے دوران ایسا لگتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک طبیب نہیں بلکہ دینی معلومات سے مخمور ایک قد آور عالم دین ہیں، حاضرین مجلس دانشوراں ہوں یا علماء آپ کے خطاب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، علماء اور طلباء کو میں نے بذات خود یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ:

> ''ڈاکٹر محمد یونس کو کون کہتا ہے کہ وہ ایک طبیب ہیں، وہ طبیب سے زیادہ ایک عالم دین ہیں، کیوں کہ آپ باتوں باتوں میں قرآن وسنت سے استشہاد کرتے ہیں، جو ایک عالم دین کے سوا ایک طبیب کی بس کی بات نہیں ہے''۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب ایک بلند پایہ کے مصنف بھی ہیں، آپ کی چند تصانیف انگریزی میں چھپ کر منظر عام میں آچکی ہیں، جن کے مندرجات مجموعی طور پر تاریخ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات، مسائل، مشکلات اور ان کے حلول پر مشتمل ہوتے ہیں، جو پر مغز بھی ہیں اور بالعموم بیانات صحت پر مبنی بھی، رسائل، مقالات، یادداشتیں اور مختلف کتابچوں کے علاوہ آپ کے چند کتابیں قابل قدر ہیں:

ARAKAN PAST AND PRESENT ارکان کا ماضی وحال (بہت جان دار کتاب ہے، معلومات سے پر ہے، مندرجات علی العموم صحت پر مبنی ہیں، اس کتاب کے بعض مندرجات سے راقم کا اگر چہ اختلاف ہے، مگر تاریخ کے حوالے سے نقطۂ نظر صحت پر ہے، حال میں ایک کتاب ''نسل کشی'' کے عنوان سے چھپ کر منظر عام میں آئی ہے جو بہت مفید اور موضوع کو احاطہ کرنے والی تصنیف ہے۔

۲۰۱۲ء کا المیہ اور ڈاکٹر صاحب:

ارکان میں یوں تو مظالم کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے، لیکن ۱۹۴۲ء کے بعد قتل عام کے حوالے سے ۲۰۱۲ء کا قتل عام بھولے سے بھی کبھی بھلایا نہیں جا سکتا، جس میں لاکھوں مسلمان بے گھر ہو گئے اور بیس ہزار سے زائد مسلمان شہید ہو گئے ہیں، اول الذکر قتل عام تو ایسے ایک دور میں تھا کہ جس وقت ذرائع ابلاغ بالخصوص ارکان میں نہیں تھے، اور تاریخ میں جتنی تحریریں ملتی ہیں ان سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس قتل عام میں ایک لاکھ سے زائد ارکانی مسلمان شہید ہو چکے تھے، رہا موخر الذکر قتل عام کا جہاں تک تعلق ہے، یہ ایک ایسے دور میں ہوا کہ اگرچہ ذرائع ابلاغ ارکان میں بہت ہی کم ہیں لیکن اتنے کم بھی نہیں کہ پتہ ہی نہ چلے کہ ارکان کے اندر مظالم کے حوالے سے کیا کچھ ہو رہا ہے، آج کل تو ما شاء اللہ ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں موبائل فون ہے، واتساب اور دیگر الکٹرونک ذرائع سے سکنڈ سکنڈ میں پتہ چل جاتا ہے کہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمان کن حالات سے دو چار ہیں، غرض ارکان کے حوالے سے آج کل سوشل میڈیا کی فراوانی ہو گئی ہے، جن سے کافی فائدہ ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے ۲۰۱۲ء کے دوران اور اس کے بعد بھی ارکانی مسلمانوں کے مسائل کے حوالے سے بہت ہی کام کیا ہے، مختلف ممالک کے سفر بھی کئے اور دنیا کی چند بڑی بڑی شخصیات سے ملاقاتیں بھی کی ہیں، اسی طرح مختلف نفرنسوں میں شرکت کر کے ارکانی مسلمانوں کے حالات زار سے دنیا کو آگاہ بھی کیا ہے، ۲۰۱۱ء کے بعد آپ کے زیادہ تر سفر ملائشیا، متحدہ عرب امارات اور ترکی میں رہے، عرب امارات کا مستقل ویزا بھی آپ کے پاس تھا، اسی لئے عرب امارات کو آنے جانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح ملائشیا اور ترکی کے اسفار میں بھی کس قسم کی پریشانی نہیں ہوتی، آپ نے ۲۰۱۲ء اور اس سے پہلے اور بعد میں بھی ترکی اور عرب امارات میں پائی جانے والی جماعتوں اور غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کے تعاون سے روہنگیا مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں، بطور خاص ترکی کے ایک سے زیادہ فلاحی تنظیموں کے مادی تعاون کے ذریعے روہنگیا مسلمانوں کی تعلیمی، فلاحی، اور بہبود عامہ کے مختلف میدانوں کی آبیاری کی ہے اور آج کل بھی ان میدانوں میں کام کر رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ آپ کی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) آج کل مسلح نہیں ہے، البتہ آپ نے آر ایس او کو پھر سے مسلح کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے، بالا بالا سننے میں آ رہا ہے کہ اس حوالے سے آپ کی تنظیم کو نقصانات سے بھی دو چار ہونا پڑا ہے، پھر بھی آپ ہمت ہارنے والے نہیں، اگرچہ فلاحی اور رفاہی میدانوں میں آپ اور آپ کی تنظیم کی خدمات ہیں، لیکن آپ کی نظر ماضی کی طرح آج بھی جہاد کی طرف ہے، سرزمین ارکان کی آزادی یا خود مختاری آپ کی نظر میں جہاد اسلامی کے بغیر ممکن نہیں ہے، آپ کی نظر میں جہاد کی جتنی اہمیت ہے اور دوسرے کام کی اتنی اہمیت نہیں، عمر کے اس آخری مرحلے میں آپ میں جتنی بلند حوصلگی، امید کی کرن نظر آتی ہے شاید آپ جیسے ہمارے مابین دوسرا کوئی لیڈر نہیں ہے، اللہ تعالی کامیاب فرمائے۔

ساتوں باب

ڈاکٹر محمد یونس سے چند ملاقاتیں:

ابھی میرے طالب علمی کا زمانہ تھا، اور لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے میرا بچپن، اسی زمانے کی سرزمین ارکان کی ایک عہد آفرین ہستی حضرت محمد جعفر حبیب کا نام سننے میں آیا، ان کو میرے نانہال سے قریبی رشتہ تھا، محمد جعفر حبیب کے والد مرحوم چوہدری حبیب الزمان صاحب میرے نانا جناب مفصل احمد صاحب مرحوم کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں، میں بہت ہی چھوٹا تھا کہ قائد حبیب شاید ارکان کو آخری مرتبہ الوداع کہتے وقت میرے نانا جان کو دیکھنے میرے نانہال کے یہاں تشریف لائے تھے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب آپ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شامل ہو کر ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، تاہم میں اس سے قبل بھی ان کی عظمت سے کسی قدر مانوس تھا، بعد میں ان کے علاوہ جن چار ہمارے قومی لیڈروں کے ناموں سے واقف ہو چکا تھا وہ ہیں:

(۱) پروفیسر محمد ذکریا صاحب تنگ بازاری۔

(۲) شبیر حسین صاحب فوئمالوی۔

(۳) اڈووکٹ جناب نورالاسلام صاحب شیل خالوی۔

(۴) جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب بانگونوی منگڈوی۔

بعد میں میں تعلیم کے سلسلے میں بنگلا دیش آیا، یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے پہلی مرتبہ میری کب اور کہاں ملاقات ہوئی تھی، میں ایک طالب علم تھا اور وہ ایک منجھے ہوئے قومی لیڈر، دور سے چند مرتبہ دیکھنے کا موقع تو ہوا، لیکن بعد میں آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ کی مجلس میں باضابطہ طور پر بیٹھنے

کی سعادت اس وقت نصیب ہوئی جب میں حضرت مولانا محمد سلطان ذوق ندوی کی تاسیس کردہ جدید درسگاہ دارالمعارف الاسلامیہ چاٹگام (جو آج کل ماشاء اللہ جامعہ دارالمعارف الاسلامیہ کے نام سے بڑی شہرت کی حامل ہو چکی ہے) میں پڑھتا تھا، میں اپنے شفیق استاد محترم مولانا حسین احمد ابوالفضل لمبابیلی بوسیدنگی (جو اس زمانے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مرکزی دفتر سراج منزل بودرہاٹ چاٹگام میں صرف جمعہ کے دن بعد عصر درس قرآن دیا کرتے تھے) کے ساتھ جایا کرتا تھا، ویسے ایک دن ڈاکٹر صاحب کی ایک خصوصی مجلس میں بیٹھنے اور آپ کی کچھ گفتگو اگرچہ طویل نہ سہی سننے کی سعادت نصیب ہوئی، اس خصوصی صحبت میں آپ کو جتنے قریب سے دیکھا اور آپ سے جتنی بھی باتیں سنیں وہ ساری کی ساری یاد تو نہیں ہیں، مگر اس صحبت کے کچھ اثرات باقی ضرور رہ گئے ہیں، وہ مختصر الفاظ میں یہ ہیں کہ:

> ”میں آپ کی شیریں گفتاری، شگفتہ بیانی، خندہ پیشانی اور چہرۂ نورانی جس پر امید و امنگ کی بہاریں صاف اور نمایاں طور پر نظر آ رہی تھیں سے بہت ہی متاثر ہوا، اور آپ کی شخصیت میں ایک قسم کی جاذبیت اور دلکشی نظر آئی، دل گواہی دے رہا تھا کہ سرزمین ارکان کی اس دلکش، جاذب نظر، دلاویز اور من موہنی شخصیت کبھی بھی بری اور بدعنوان نہیں ہو سکتی، اسی مجلس میں آپ کی موجودگی اور آپ کی معنی خیز اور شیریں گفتگو سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ آپ ایک عام انسان نہیں ہیں، آپ ایک بلند و بالا ہستی ہیں، جس میں ذکاوت، لگن اور بلند حوصلگی کی جھلکیاں صاف طور پر نظر آ رہی ہیں، اور دل کہہ رہا تھا اور نظر گواہی دے رہی تھی کہ ایسی عالی مرتب ہستی سے لو لگانے سے کسی بھی انسان کو نقصان اٹھانے کے بجائے اس سے اس کے اندر بہت ساری خوبیاں منتقل ہو سکتی ہیں، اس صحبت میں آپ کی گفتگو سے طبیعت کو کسی قسم کی گرانی محسوس نہیں ہوئی اور ایسا لگا کہ آپ اپنے حلقۂ احباب میں بڑے محبوب انسان ہیں، اس مجلس میں آپ اپنے احباب اور رفقائے کار سے مخاطب تھے، جس طرح گزارش کی گئی ہے کہ وہ

ساری باتیں اب تک حافظہ میں محفوظ نہیں ہیں، لیکن اب اتنے سے تاثرات اور مزید ہیں کہ آپ سے مل کر میرے اندر کسی قسم کی دوری، بے گانگی اور پستی محسوس نہیں ہوئی، جو عام طور پر ایک طالب علم کو کسی بڑے قائد ولیڈر سے ملاقات کے دوران ہونا ممکن ہے، یوں بھی عام طور پر بڑے بڑے لیڈروں اور قائدوں میں یہ مرض لاحق ہوجاتا ہے کہ وہ ہر کجا حتی کہ اپنے قریب سے قریب ترین احباب کے حلقے میں بھی اپنے کو برتر اور دوسروں کو فروتر سمجھنے لگتے ہیں، الا ماشاءاللہ، جس طرح بعض علماء، ادباء، شعراء، انشا پرداز بھی ایسی کمزوری کے شکار ہوجاتے ہیں کہ ہر جگہ اپنے کو ایک ادیب، شاعر، عالم اور نقاد وغیرہ وغیرہ سمجھتے ہوئے اپنے کو ساروں پر برتر سمجھنے لگتے ہیں، مگر ڈاکٹر صاحب کی رفتار وگفتار، انداز واداسے اس قسم کی کمزوری ظاہر بالکل نہیں ہوئی، آپ کو اپنے احباب میں دوسروں پر بھاری بناتے ہوتے نہیں دیکھا گیا، آپ کی اس وقت کی گفتگو میں ایک قسم کی دلسوزی اور دلنوازی محسوس کی گئی، خاص طور پر آپ نے ہم جیسے ہیچمداں سے جو شفقت اور پیار کی برتاؤ کی ،اسے زندگی بھر بھولے سے بھی بھلایا نہیں جاسکتا''۔

اس ملاقات کے بعد ڈاکٹر صاحب سے ۱۹۹۵ء تک اگرچہ اور چند مرتبہ ملنے کی نوبت ہوئی، لیکن میرے تعلقات کی نوعیت ایسی تھی کہ میں ایک طالب علم اور آپ ایک قدآور قومی لیڈر وقائد، یوں اسی دوران آپ کی بلند وبالا کی شخصیت کے رازہائے سربستہ سے واقفیت بھی میرے لئے ممکن نہیں تھی، اگرچہ میں ایک جذباتی حد تک کہہ لیجئے کہ آپ کے مدح سراؤں میں ہوگیا تھا، لیکن اس وقت بھی محمد جعفر حبیب کہ عہد آفرین، قدآور، دلاویز، دلکش اور جاذب نظر شخصیت کی تصویر میرے دل و دماغ میں جاگزین تھی، الحمدللہ جو آج بھی ہے، قائد حبیب کی جگہ پر کسی بھی ہمارے قومی لیڈر وقائد کو ان کے مرتبہ کا خیال کرنا بھی میرے لئے دشوار تھا، اس کا سبب کچھ اور بھی تو ہوسکتا ہے، مگر ان کو میرے درماندہ حالات اور طالب علمی کے مشاغل سے کسی قدر بزرگانہ شفقت اور دلچسپی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اس محسن کے احسانات ہمیشہ یاد رہتے ہیں جو اس کی درماندگی اور بے کسی کے وقت ملے ہوں، محمد جعفر حبیب کے انتقال ۱۹۸۷ء کے بعد جناب شبیر حسین اور محترم نور الاسلام صاحب کے علاوہ میری خاص دلچسپی اور دلی لگاوٹ جس شخصیت سے رہی تھی وہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب ہیں، یاد رہے کہ قائد حبیب کے انتقال کے بعد مجھے جناب شبیر حسین اور محترم نور الاسلام صاحب سے قریب ہونے کے خاصے مواقع ملے تھے۔

بعد میں تعلیم کے سلسلے میں راقم سطور ہندوستان چلا گیا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دل فریب علمی وفکری ماحول کے علاوہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر بلند پایہ کے علماء، مشائخ اور اساتذہ کی صحبتوں نے مجھے اگرچہ ایک گونہ یکسو بنادیا تھا، مگر اس وقت بھی آئے دن نت نئے مسائل ومشکلات سے دو چار ارکان کے مظلوم مسلمان اور ان کی معروف قیادتوں اور جماعتوں خاص طور پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے حالات سے میں بے خبر نہ تھا، ویسے اس وقت آر ایس او کی قیادت کی باگ ڈور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی ہاتھ آچکی تھی، اور یہ تنظیم ہماری قومی سطح بہت معروف ہوچکی تھی، در اصل یہ زمانہ اس تنظیم کے باغ وبہار کا زمانہ تھا، یہ تنظیم بہت عروج پر تھی، ہماری سیاسی، انقلابی اور فکری حلقوں میں آر ایس او اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے خوب گن گائے جارہے تھے، اس تنظیم کی بڑی لن ترانی کا زمانہ تھا، ہمارے اکثر علماء، دانشوران، طلباء اور دل جلے افراد اس تنظیم اور اس کی قیادت سے امیدیں وابستہ کر چکے تھے، ہر کہیں ڈاکٹر صاحب کے حالات زندگی، آپ کی مساعی اور کارکردگی سے دلچسپی لی جارہی تھی۔

ندوے سے فراغت کے بعد میں جب چاٹگام پہنچا تو اس وقت آپ بحیثیت ایک قدآور قومی لیڈر و قاعد بڑے مصروف ومشغول تھے، جس طرح عرض کی گئی ہے کہ یہ زمانہ اس تنظیم کے عروج کا زمانہ تھا، یوں آپ کی قربت سے ایک طالب علم کو فائدہ اٹھانا بہت مشکل کام ہوگیا تھا۔

۱۹۹۲ء سے آر ایس او میدان کارزار میں اترنے یعنی ۱۹۹۴ء تک ڈاکٹر صاحب خاصے مصروف عمل تھے، اس کے بعد آپ سے ملنے کے مواقع ہونے لگے، ۱۹۹۴ء اور اس کے بعد آپ بڑے

پریشان تھے، تنظیم کا عروج زوال سے بدل گیا، اس وقت آپ سے ملنے پر تین چیزوں کا احساس ہوا کہ:

(۱) آپ کی قیادت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن حالات ومشکلات کی شکار ہونے کے باوجود آپ کے اندر مایوسی اور ناامیدی کی لہر دوڑنے کے بجائے بلند حوصلگی اور سعی مسلسل کی تمنا دیکھی گئی تھی۔

(۲) دینی اور فکری ذوق کے ساتھ ساتھ میدان کارزار کے حوالے سے تاریخ اسلام کی بعض بلند ترین ہستیوں کی زندگیوں اور کارناموں سے اگرچہ مطالعاتی حد تک سہی ایک قسم کا لگاؤ دیکھا گیا، جو قابل صد ستائش ہے۔

(۳) ان تمام چیزوں کے ساتھ مسلمانان ارکان اور برما کی افسردگی، احساس کمتری، مایوسی، اداسی، بدحواسی اور مغلوبانہ وغلامانہ زندگی جو بدلتے ہوئے حالات اور نت نئے مسائل نے ان پر طاری کر دی تھی کو دور کر کے ان کے اندر از سرنو امید وامنگ کے ساتھ بیداری اور آزادی کے جذبات پیدا کرنے کی آرزو اور تمنا دیکھی گئی، اس وقت آپ کو ایک حد تک دینی حمیت، اسلامی غیرت ونخوت میں ڈوبا ہوا دیکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اور نورالاسلام صاحب کی افتادِ طبع پر ایک نظر:

میرا یہ یقین ہے کہ محترم نورالاسلام صاحب اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب ملت وقوم کے مفاد کے حوالے سے اپنے اپنے انداز فکر وعمل سے کام کرنے میں مخلص ہیں، اور دونوں نے اپنی مستعار زندگی میں ملت وقوم کے مفاد کے لئے نمایاں خدمات بھی انجام دی ہیں، انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ تاریخ کے اوراق میں کسی قدر محفوظ بھی ہے۔

بایں ہمہ ان دونوں نے اس میدان عمل وتطبیق میں اختلافات بھی بہت کئے ہیں، لیکن ان کے اختلافات جو تھے اور ہیں یہ کوئی ذاتیات کی بنیاد پر نہیں، یا یوں کہئے کہ یہ اختلافات کسی ذاتیات کی تسکین پر مبنی نہیں ہیں، جو تھے اور ہیں یہ سب کے سب قومی امور کے متعلق تھے اور ہیں، در حقیقت میں نے ان دونوں کے قریب رہ کر اندازہ کیا کہ دراصل قومی امور پر ان دونوں بزرگوں کے مابین رائے اور نقطۂ نظر کے اختلافات کا سوال ہے، تاہم یہ ضرور سچ ہے کہ ان دونوں کے افتاد

طبع انسان ہونے کا ناطے مختلف ہیں، ان دونوں کی رائے میں اختلاف طبیعت اور اختلاف مزاج وکیفیت کا عمل دخل تھا اور ہے، ان دونوں بزرگوں کی طبیعت میں عزت نفس اور وقار کا خیال ضرور ہے، بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اگر کسی معاملہ میں شکست سے دو چار ہونا پڑے تو موصوف کسی طرح برداشت کر لیتے اور اس کے اعتراف میں عار محسوس نہیں کرتے ہیں، اگر آپ کو کسی ناخوشگوار حالات سے واسطہ پڑا تو وہ صاف صاف اور علانیہ طور پر اس صورت حالات کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے اور حرف شکایت زبان پر بہت کم لاتے پھرتے ہیں۔

لیکن جناب محترم نورالاسلام صاحب ایسے حالات میں سپر نہیں ڈالتے بلکہ ان حالات کے علاج کے لئے درپے ہو جاتے ہیں، ان کے مزاج میں حالات کے سامنے سر جھکا لینا ایک عیب ہے، موصوف اپنے لئے کسی عیب کے سامنے سپر ڈالنے کو عیب محسوس کرنے لگتے ہیں، نورالاسلام صاحب کی طبیعت میں ایسی چیز بھی دیکھی گئی ہے جو مجھے بہت پسند ہے، وہ یہ ہے کہ ان سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دل میں کچھ ہو اور زبان میں کچھ اور، اگر ان کے دل میں کسی کے خلاف کسی وجہ سے غصے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو وہ ان سے محبت کے الفاظ سے گفتگو نہیں کرتے بلکہ برملا اظہار ذرا غصیلے انداز میں کر دیتے ہیں، برخلاف ان کے ڈاکٹر صاحب ایسے حالات میں اپنے غصے پی جاتے ہیں اور حتی المقدر صفائی قلب کے ساتھ اس سے دوستی اور بہی خواہی کا معاملہ کرتے ہیں، حتی کہ بسا اوقات آپ کو ایسا بھی دیکھا گیا تھا کہ وہ اپنے مخالف کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، بہر حال یہ ان دونوں بزرگوں کی طبیعتوں کی بات ہے، جن میں اخلاص وللّٰہیت کی جھلکیاں بہر حال صاف صاف نظر آتی ہیں۔

ان دونوں بزرگوں کے اختلاف طبائع پر اور کچھ سن لیجئے کہ ڈاکٹر صاحب میں ذہانت اور دوراندیشی ودوربینی ٹپکتی ہے، اور آپ کی صورت وشکل میں شان جمالی جلوہ نما ہے، جب کہ محترم نورالاسلام صاحب کے چہرۂ زیبا میں ہیبت ورعب اور وقار نمایاں ہے، اور ان کا پورا جسم شان جلالی کا آئینہ دار ہے، ان دونوں کے اختلاف طبائع اور اختلاف مزاج کو سامنے رکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں ایک ہی پلیٹ فارم پر رہتے ہوئے کام کرنا چاہتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے، اور تو اور مجھے تو محال لگتا

ہے، چنانچہ ماضی کے تجربات ہمارے سامنے ہیں، دونوں مدت طویل تک اختلافات کے گرداب و بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، اگر کبھی اس سے نکلنے کی کوشش کی تو اور ایک حادثہ کے شکار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالی دونوں کو توفیق سے نوازے۔

امانت داری پر ایک جائز:

میں اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر یہ کہنے پر مصر ہوں کہ محترم ڈاکٹر اور یونس صاحب پر کسی بھی قسم کی خیانت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا، ۱۹۸۵ء کے بعد کے اس طویل عرصے میں آپ کے ہاتھ میں قوم کی لاکھوں نہیں بلکہ ایک انداز کے مطابق کروڑوں رقوم آئیں، لیکن آپ نے سب کے سب قوم و ملت اور ملک وطن کی بہبودی و کامیابی کی راہ میں صرف کر دیں۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنا ئزیشن (ARNO) میں وہ نائب صدارت کے عہدے پر فائز تھے، اس دوران آپ کو کسی وجہ سے امریکہ کا سفر پیش آیا، اس وقت ہوائی جہاز کی ٹکٹ کے لئے بیاسی ہزار بنگلہ تاکے کی ضرورت تھی، اس دوران ایک ٹکٹ کے بندوبست کی راہ میں آپ کو جو مشکل پیش آیا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہونے والا واقعہ تھا، اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے علیحدگی اختیار کی تو آپ کی حالت معاشی اعتبار سے بڑی مشکلات کی شکار ہو گئی تھی، حتی کہ چاٹگام کے معروف علاقے حوالی شہر کے مقام پر ایک میڈیکل چیمبر کھولنے پر مجبور ہو گئے تھے، تاکہ اس سے حاصل ہونے والی تھوڑی سی آمدنی سے زندگی گزاری جا سکے، اس حوالے سے میرا ایک بیان شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو ذرا سن لیجئے کہ:

”سن ۲۰۰۴ء کی بات تھی کہ میں سعودی عرب سے چند مہینے کے لئے اپنے اہل وعیال کے پاس چاٹگام پہنچا تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے حوالی شہر میں جو میری رہائش گاہ کے قریب تھی ایک میڈیکل چیمبر کھول رکھی ہے، اور اس چیمبر کے قریب میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا ہے، جہاں دونوں میاں بیوی رہا کرتے تھے، جب کہ آپ کے گھر کے دیگر افراد چاندگاؤں بودار ہاٹ کے

رہائشی علاقے میں رہتے تھے، اس وقت اندازہ ہوا کہ معاشی اعتبار سے ڈاکٹر صاحب کی حالت ناگفتہ بہ ہے، وہ انسان جس کہ ہاتھ میں کروڑوں رقوم آئیں اور جو ملت دقوم کی راہ میں صرف کی گئیں، اگر وہ چاہتے تو اپنی اگلی زندگی اور اپنے بال بچوں کے مستقبل کے لئے لاکھوں رقوم اپنی نجی تجوری میں ضرور رکھ سکتے تھے، ڈاکٹر صاحب کے اس وقت کے حالات سے بجا طور پر اندازہ ہوا کہ آپ ایک عظیم امانت دار انسان ہیں، اگر ڈاکٹر صاحب قومی اموال میں معاذ اللہ تھوڑی بھی خیانت یا غبن کئے ہوتے، تو آپ کی خانگی زندگی اتنی بڑی مشکلات کی شکار گئی نہ ہوتی، ایسے حالات میں اتنی بڑی بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا“۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اوائل نومبر/ ۲۰۱۵ء کا واقعہ ہے کراچی پاکستان سے نکلنے والا ایک ”ہفت روزہ“ میں ڈاکٹر صاحب کی امانت اور دیانت کے حوالے سے ہرزہ سرائیاں کی گئی ہیں ،اس کے چیف ایڈیٹر کوئی جمال حسین نامی آدمی ہے، شنید ہے کہ مکہ شریف میں ان کی رہائش ہے، انہوں نے اپنی قلم کاری سے ڈاکٹر صاحب کے خلاف ناگفتہ بہ ہرزہ سرائیاں کی ہیں، جب کہ بعض حقیقت پسندوں کے مطابق ان ہرزہ سرائیوں کے پس منظر کا حقیقی واقعہ یہ ہے کہ:

”کہتے ہیں کہ ۲۰۱۵ء کے دوران کی بات ہے کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے اپنے چند جونیئر ساتھیوں کو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے اس لئے نکال باہر پھینکا کہ انہوں نے اس تنظیم کے رکن ہونے کے باوجود اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نام نہاد فلاحی و رفاہی تنظیمیں کھول رکھی ہیں، تاکہ روہنگیا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے نام پر لاکھوں کروڑوں رقوم ہڑپ کر اپنی اپنی زندگیوں کو روشن اور تابان بنا سکیں، روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے دستور کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے انہیں ان ناروا کاموں سے روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے آپ سے بگڑ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ ڈاکٹر صاحب کام کے آدمی نہیں ہیں، وہ

کروڑوں روپئے تنظیم میں لاتے تو ہیں لیکن جن کے حساب وکتاب کسی کو نہیں دکھاتے ، وغیرہ وغیرہ، بالآخر ڈاکٹر صاحب نے مجبور ہو کر ان کو تنظیم سے نکال باہر کیا، ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کل تک دانے دانے کے محتاج تھے آج کوکس بازار اور دیگر علاقوں میں ان کی کروڑوں مالیت کی جائدادیں ہیں، ان کے مکانات ہیں، اب سوال آتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس اتنی مالیت کی جائدادیں کہاں سے آئیں؟ ان کی چال چلن سے عیاں طور پر نظر آتا ہے کہ یہ لوگ کوئی شہزادے ہیں، کروڑ پتیوں کی اولاد ہیں، ان کے پاس لاکھوں رقوم سے خریدی گئی گاڑیاں ہیں، آخر یہ سب آئے کہاں سے؟ یہ لوگ ڈاکٹر صاحب کی شہرت اور نیک نامی کو استعمال کر کے مزید لاکھوں کروڑوں کمانا چاہتے ہیں، ڈاکٹر صاحب چند دن کی رفاقت کے بعد ان کے کردار واعمال اور ان کے خبث نیتی سے باخبر ہو گئے تو خود ڈاکٹر صاحب کے خلاف ان لوگوں نے یہی کہنا شروع کر دیا کہ موصوف ان لوگوں کا محاسبہ کرنا چاہتے ہیں، جب کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی قیادت کو اس حیثیت سے تسلیم کیا تھا کہ وہ تنظیم کے امیر اور مختار کل ہیں، ہر حالت میں آپ کی اطاعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ کسی گناہ کا حکم نہ دیں، لیکن آج ان کے امیر نے ان لوگون کی اپنی خیانت پر سرزنش شروع کی تو آپ پر انہوں نے الٹا الزام لگانا شروع کر دیا کہ وہ بذاتِ خود خائن ہیں، وہ دوسروں کو سرزنش کرنے کے لائق نہیں ہیں، کیا اطاعت کا یہی مطلب ومفہوم ہے کہ کسی کی اطاعت اس شرط پر کی جائے کہ وہ گنہگاروں کی بد اعمالیوں، خیانتوں اور نازیبا حرکات کو کلی طور پر نظر انداز کر دیں، چشم پوشی سے کام لیں؟ لعنت ہو اطاعت کی ایسی شرائط پر کہ جن کی وجہ سے گنہگاروں کو گنہگار بھی نہیں کہا جا سکے، یہ اطاعت تو نہیں بلکہ اطاعت کے لبادے میں اپنی خطاؤں ، گناہوں اور خیانت کو چھپانے کا ایک بہانہ ہے، یہاں اطاعت بظاہر اس لئے تھی

کہ ڈاکٹر صاحب کی پاک دامنی، نیک نامی اور بلند کردار کی چادر کو استعمال کر کے اپنی خطاؤں، گناہوں، خیانتوں اور ان جیسی بداعمالیوں کو چھپایا جائے، کیوں ڈاکٹر صاحب ان کے ان برے خیالات سے آگاہ ہو چکے ہیں، یہ موصوف کا جرم ٹھہرا ہے، ورنہ ان ضمیر فروشوں، قوم فروشوں اور قومی اموال پر غبن کرنے والوں کے نزدیک ڈاکٹر صاحب امیر المومنین تھے، آج ان لوگوں کی کالی کرتوتوں پر تھوڑا دھچکہ لگا تو ان کے نزدیک خود ڈاکٹر صاحب خائن ہو گئے ہیں‘‘۔

بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان لوگوں کو محاسبہ کرنا چاہے تھے، اور بحیثیت امیر تنظیم آپ پر ایک ذمے داری بھی ہے کہ جن لوگوں نے اتنی اتنی جائدادیں بنائیں وہ کہاں سے اور کس طریقے سے آئیں، چونکہ یہ لوگ سب تنظیم کے اراکین ہیں، کوئی شوری اور کوئی مجلس عاملہ کے ممبران ہیں، کل کی بات تھی کہ یہ لوگ دانے دانے کے محتاج تھے آج ان کے پاس کروڑوں مالیت کی جائدادیں، انوکھی انوکھی قسم کی گاڑیاں ہیں، بظاہر انہیں کوئی تجارت کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا گیا، آیا تجارت کرتے بھی ہیں تو راس المال کہاں سے آئے؟ غرض انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم آر ایس او میں بھی رہیں گے اور علیحدہ علیحدہ تنظیمیں بھی چلاتے رہیں گے، مگر دستور آر ایس او کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے انہیں اس قسم کے کام سے روکنا چاہا تو وہ بگڑ گئے، بالآخر ان کو تنظیم سے نکال باہر کرنا ڈاکٹر صاحب کے لئے ایک فریضہ بن چکا تھا۔

اب ہوا یہ تھا کہ ان بدعنوانوں کو تنظیم سے نکالے جانے کے بعد انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف پروپیگنڈے شروع کر دیئے، اپنی بدعنوانیوں کو چھپانے کے لئے الٹے آپ پر خیانت کا الزام لگانا شروع کر دیا، چنانچہ ایک ہفت روزہ جس کا اشارہ پچھلی سطور میں کیا گیا ہے کے ذریعے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ ڈاکٹر صاحب کو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے عہدۂ امارت برطرف کر دیا گیا ہے (وغیرہ وغیرہ۔) یہاں ایک بات بطور تذکرہ یاد رہے کہ یہ چند ان قومی بدعنوانوں کے پروپیگنڈے تھے، ورنہ مجلس عاملہ وشوری کا فیصلہ تھا کہ جن لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف اس قسم کے پروپیگنڈے ایک غیر معروف اخبار کے ایڈیٹر کو خرید کر کیا تھا، ان لوگوں کو اس سے مدتوں

پہلے خیانت کے الزام میں تنظیم سے نکالا جا چکا تھا، مزید برآں کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب پر خیانت کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ:

’’ڈاکٹر صاحب مرکزی صدر بھی ہیں اور تنظیم کے مرکزی خازن بھی، آپ کسی کو حساب دکھاتے ہیں اور نہ کسی کو اجازت دیتے ہیں کہ حساب کی جانچ پڑتال کی جائے‘‘۔

اب اس الزام کا تھوڑا جائزہ لیا جائے کہ:

(۱) ڈاکٹر محمد یونس صاحب اس تنظیم کے امیر ہیں، آپ کے خلاف محاذ آرائی کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی قیادت اس حیثیت سے تسلیم کی کہ وہ اس تنظیم کے امیر اور مختار کل ہیں، ہر حال میں ان کی اطاعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ گناہوں کا حکم نہ دیں۔

(۲) ڈاکٹر صاحب اپنی تنظیم کے امیر ہیں، عہد و پیمان کے مطابق امیر کے لے جائز ہے کہ وہ جس کو چاہئے اپنی مجلس عاملہ میں سے کسی اہم ذمے داری کے لئے انتخاب کریں، ان کی نظر میں جو جس ذمے داری کے لائق ہے اس کو وہ ذمے داری سونپ دیں، اور امیر ہونے کا مطلب یہی ہے کہ:

’’امیر اپنی تنظیم کے تمام امور پر نظر رکھے، سکریٹریوں کے اعمال اور کردار پر ان کا کنٹرول رہے، کوئی اگر ذمے داری کو بحسن وخوبی انجام دی رہا تو اس کی حوصلہ افزائی کرے، اگر ذمے داری کو بحسن وخوبی انجام نہ دے پا رہا ہو تو اس کو اس کام سے علیحدہ کر کے دوسرے پتے کے فرد کو اس کام کا ذمے دار بنائے، امانت داروں کے ہاتھ پر قوم کی امانتیں سونپے، خیانت کرنے والوں کی سرزنش کرے، پھر وہ خیانت سے باز نہ آئے تو اس کو معزول کر دے، اگر کوئی خیانت پر خیانت کر رہا ہو تو امیر تنظیم اس کو پھولوں کی ہار نہ پہنائے، گل دستوں سے اس کا استقبال نہ کرے‘‘۔

یہاں بھی ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے یہی کچھ کیا تو ان بدعنوان خائنین نے آپ کے خلاف واویلا مچانا شروع کر دیا، آپ پر ہرزہ سرائی کے ساتھ مالی غبن کا الزام لگایا، اور اپنی کالی کرتوتوں کو ڈھانپنے کے لئے الٹی الزام تراشی کی گئی تھی، دراصل بات یہاں ایسی ہوئی ہے کہ ان بدعنوانوں کو

تنظیم سے نکال باہر کیا گیا تو انہوں نے واویلا شروع کیا کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی خائن ہیں، آپ خود بھی بدعنوان اور مالی غبن کے شکار ہیں، الامان والحفیظ۔

(۲) ڈاکٹر صاحب اس تنظیم کے امیر ہیں، وہ جس کو چاہیں تنظیم کے بیت المال کی ذمے داری سونپ سکتے ہیں، یوں آپ نے درحقیقت قوم کی امانت کو خیانت ہونے سے بچایا ہے، حساب کا جہاں تک سوال ہے، وہ اس پر کنٹرول رکھے ہوئے ہیں، بات یہ ہے کہ جب آپ کی آنکھوں کے سامنے بعض افراد تنظیم نے قوم کی امانت پر ڈاکے ڈالے تو وہ آپ کی نظر سے کلی طور پر گر گئے، کیا ایسی حالت میں ڈاکٹر صاحب کے لئے جائز ہے کہ خیانت کے الزام میں تنظیم سے معزول کئے جانے والے افراد کا دوبارہ استقبال کریں، ان کے سروں پر محبت کا سہرا باندھیں، تمام قومی اور تنظیمی حسابات کا جائزہ ان کے سامنے پیش کر دیں، یہ کہاں کا اصول اور کہاں کا دستور ہے؟ اور یہ کہاں کا آئین ہے کہ تنظیم کے امیر کے سامنے جوابدہ ہونے کے بجائے مجرمین امیر تنظیم سے یہی مطالبہ کریں کہ امیر ان مجرمین کے سامنے جوابدہ ہو، امیر کے ایسے نہ کرنے پر طرح طرح کے واویلے شروع کر دیئے جائیں کہ امیر صاحب خائن ہیں بدکردار ہیں، نہ جانے ان کی نظر میں اور کیا کیا ہیں، الامان والحفیظ؟

یوں تو ظاہر ہے کہ ہمارے حافظے بہت کمزور ہیں، ہم جیسے حافظہ کے کمزور لوگوں سے بطور یاددہانی گزارش ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے ماضئ قریب میں مجدد تحریک آزادی حضرت محمد جعفر حبیب جیسے انسان پر یہ الزام لگایا کہ:

’’انہوں نے قومی اموال میں ہیرا پھیری سے کام لئے تھے، ان کے پاس دو تین بحری جہاز تھے، چند مجوہرات کی دکانیں تھیں، مختلف مقامات میں چند عالی شان کے مکانات تھے، جن میں ایک اپنی نجی رہائش کے لئے تھا اور باقی تجارتی‘‘۔

مگر حقیقت کیا تھی؟ یہ تھی کہ وہ دنیا سے جاتے وقت بچوں کے لئے دو وقت کے کھانے تک رکھ نہیں گئے، آخری مرض کے دوران ان کے پاس ڈاکٹر سے معائنہ کرانے کے لئے پیسے نہ تھے، بالآخر ان کے چاہنے والوں نے چاٹگام کے سرکاری میڈیکل ہسپتال میں ان کو بھرتی کرایا، جہاں آپ داعی

اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے حقیقی مالک سے جا ملے تھے۔

چلتے چلتے ان ہرزہ سراؤں میں سے ایک کرم فرما کی ایک بات یاد آ گئی ہے کہ ۲۰۱۰ء کی بات تھی کہ (اس وقت میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے عاملہ کا رکن اور مرکزی سکریٹری برائے امور تنظیم کے علاوہ سعودی برانچ کا صدر تھا) اس کرم فرما نے جدہ کے ایک ہوٹل میں خود ڈاکٹر صاحب کے سامنے راقم سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

’’مولانا طاہر صاحب! اگر آپ ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں تو ہمارے لئے بڑی خوش قسمتی ہوگی، آپ جیسے آدمی ہماری اس تحریک کے لئے بہت ضروری اور اہم ہیں، دعا ہے کہ وہ اپنی خاص عنایات سے ہمیں اور آپ کو راہ راست پر چلنے کی توفیق سے نوازے‘‘۔

لیکن آج نظر آ رہا ہے کہ جس آدمی نے مجھے ڈاکٹر صاحب کی امارت پر کام کرنے کی طرف دعوت دی تھی کہ وہ خود ڈاکٹر صاحب کا ایسا مخالف ہو گیا کہ جیسے پانی اور آگ۔

دراصل ہماری تنظیمی روایات کے حوالے سے عرض ہے کہ ہمارے بعض لوگوں کی وفاداری و وفاشناسی کسی صحرائی ریت کی طرح اڑتی بدلتی رہی ہے، آج یہاں اس نے فاداری کا خلف اٹھایا تو کل اسے نظر آیا کہ مخالف صف میں کھڑا ہے، ہماری تحریکی تاریخ کے دور آخر میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے بعض اراکین کو نظر آیا کہ اس کی حالت کسی صحرائی ریت کی حالت سے کوئی مختلف نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے خلاف دشنام طرازی کرنے والوں نے آپ کے خلاف یہ الزام لگایا کہ آپ نے ان کو علانیہ طور پر تنظیم سے اخراج نہیں کیا ہے، اگر کیا بھی ہے تو ایسا اخراج کرنا تنظیم کے دستور اور قانون کی خلاف ورزی ہے، تو اگر چہ ڈاکٹر صاحب بذات خود ان ہرزہ سراؤں کے خلاف کوئی بیان دیا اور نہ کوئی تحریری جواب لکھا، مگر آنجناب کی طرف سے مدافعت کرنے والوں نے دستور کے مندرجہ دفعات کا حوالہ پیش کیا ہے کہ:

’’دفعہ (۵) شق (۲) کے رکن (ھ) کے مطابق تنظیم کا کوئی بھی فرد مرکزی عاملہ کی اجازت کے بغیر کسی اور تنظیم میں حصہ نہ لے‘‘۔

تو جن لوگوں کو تنظیم سے اخراج کیا گیا تھا، ان میں سے ہر ایک نے (اطلاعات کے مطابق) اپنی اپنی ایک ایک خیریہ تنظیم بنا رکھی تھی، اور اُن منظمات سے ہر ایک نے اپنی اپنی نجی زندگی کے گیسوئے پریشان کو سنوارنے کے لئے مختلف طریقوں اور حربوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ذاتی طور پر فائدہ اٹھایا، اور اس اجمال کی قدرے تفصیلات پچھلی سطور میں گزر چکی ہیں، جبکہ خود روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا ایک رفاہی وفلاحی شعبہ بھی موجود ہے، چہ جائیکہ وہ لوگ تنظیم کے موخر الذکر شعبہ میں کام کرتے، لیکن انہوں اپنی اپنی نجی خیریہ تنظیم بنا رکھی تھی، جو تنظیم کے آئین وقوانین اور دستور العمل کی علانیہ خلاف ورزی تھی۔

’’اسی طرح دستور کے دفعہ (۷) معطلی، تنزلی اور اخراج کی شق (۲) میں واضح ہے کہ تنظیم کا کوئی بھی فرد تنظیم کے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کسی بھی پروگرموں میں حصہ لیا ہو تو اس کے خلاف اخراج، تنزلی اور معطلی کا اقدام کیا جا سکتا ہے‘‘۔

یہاں اس دفعہ کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کو ڈاکٹر صاحب نے تنظیم سے خارج کر دیا تھا، وہ جو اقدامات اپنی اپنی نجی خیریہ تنظیموں کے زیر سایہ جاری رکھے ہوئے تھے، ان اقدامات نے تنظیم اور اراکین تنظیم کی نامی کو شدید نقصان پہنچایا تھا، جب کہ ان کے ان اقدامات کو روکنے صدر تنظیم نے بڑی حد تک کوشش کی، لیکن پھر بھی وہ لوگ باز نہیں آئے تو انہیں تنظیم سے اخراج کیا گیا تھا۔

مذکورہ ان دفعات کی طرح روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے دستور میں اور بھی چند دفعات موجود ہیں، جن کے پیش نظر امیر یا صدر تنظیم کے پاس وہ اور ان جیسے افراد کو تنظیم سے اخراج کرنے کا نہ صرف جواز موجود ہے بلکہ ان کے فرض منصبی کا تقاضا ہے کہ ان قومی لٹیروں پر سرزنش کے تازیانے برسا کر ان کو عبرت کا نشان بنایا جائے۔

ادھر بڑا افسوس کا مقام ہے کہ جبھی ان ہرزہ سراؤں نے امیر تنظیم ڈاکٹر محمد یونس کے خلاف عدم امانت کا شوشہ چھوڑا تو قوم کے بعض وہ افراد جن کا شیوہ ہی کسی آدمی کی دشنام طرازی ہوتا ہے، جن کی زندگی ہی اپنے محسنوں کو داغ دار بنانے میں صرف ہوا کرتی ہے، انہوں نے اس شوشہ کو ہاتھوں ہاتھوں لیا، اور بغیر کسی بھی جانچ پڑتال اور بغیر کسی بھی تحقیق وجستجو کے قوم اور عوام میں افواہیں پھیلا

نی شروع کر دیں۔

بات کہنے کی یہ ہے کہ مسلمانان ارکان کے وہ عظیم محسنین جنہوں نے اپنی اپنی زندگیاں قوم وملک کی بہبودی اور نجات کی جستجو میں قربان کر دیں، اگر ان پر اس قسم کے الزامات لگے اور لگتے رہیں تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ایسی قوم کی تقدیر میں آزادی ونجات کبھی نہیں آسکتی، اور قوم کی اگلی نسل میں سے کوئی کام کرنے والا آنا چاہے تو وہ ہزار بار سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اگر حضرت محمد جعفر حبیب مرحوم جیسے بزرگوں پر الزامات اور دشنام طرازی کے پہاڑ توڑے جاسکتے ہیں تو بھلا میں کون ہوں اور میری کیا حیثیت ہے کہ اگلے دن مجھ پر اس قسم کے الزامات عائد نہیں کئے جائیں گے؟

چلتے چلتے اس سلسلے میں ایک بات یاد آ گئی ہے، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا مسعود علی ندوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے، جسے آپ بھی ملاحظہ کر کے اسے اپنی قومی حالت پر چسپاں کرنے کی زحمت گوارہ کیجئے کہ:

> ''تحریک خلافت کے آخری دنوں میں مسلمانوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا تھا کہ بلا تحقیق اپنے زعماء اور کارکنوں پر شبہ کرتے اور چلی ہوئی روایات اور افواہیں مجلسوں میں بیان کرتے، یہ اس گرانمایہ ہدایت نبویؐ کی سراسر خلاف ورزی تھی جس میں کہا گیا ہے کہ ''انسان جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو سنے اس کا چرچا کر دے'' مولانا مسعود علی بھی اس سرگوشی اور افواہ بازی کا شکار ہو گئے، مگر وہ آسانی سے شکست ماننے والے نہ تھے، ان کو معلوم ہوا کہ فلاں صاحب مجلسوں میں یہ کہتے ہیں کہ مولانا نے خلافت کے نام پر جو رقم جمع کی تھی وہ کھا گئے، وہ ان کے گھر پہنچے اور ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ کہا ہے؟ انہوں نے بڑی سادگی سے کہا کہ میں نے تو فلاں صاحب کی بات نقل کر دی ہے، کہنے لگے کہ ذرا میرے ساتھ ان کے پاس چلئے، وہ شرما حضوری ساتھ ہولئے، وہاں پہنچے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ خاشا وکلا میری کیا مجال ہے؟ میں تو فلاں صاحب سے سنا تھا، کہنے لگے ذرا تکلیف کیجئے میں اس کی

> تصدیق چاہتا ہوں، وہ بھی کچھ کہہ نہ سکے اور ساتھ ہو لئے، وہ اسی طرح سے باری باری لوگوں کو اپنے ساتھ لیتے رہے، یہاں تک کہ ایک جلوس بن گیا، اب جس کے گھر جاتے وہ پریشان ہو جاتا کہ کیا قصہ ہے؟ آخر میں سب کو شرمندگی ہوئی، اس بات کی کوئی اصل نہ نکلی، اور لوگوں کے منہ بند ہو گئے، اور اس طرح ایک محدود حلقے میں اس متعدی مرض کا استیصال ہو گیا، جس نے اس دور میں وبائے عام کی شکل اختیار کر لی تھی''۔(۱)

بڑی شرمندگی اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی اس قسم کی زلات اور افواہیں وبائے عام سے بڑھ کر بلائے تام بن گئی ہیں، قوم میں دشنام طرازوں اور افواہ بازوں کی آج کل ہر کہیں بھر مار ہوگئی ہے، ہر کجا ان کے یہ متعدی امراض آئے دن نت نئے رنگ لا رہے ہیں، ان کی دشنام طرازی سے قوم وملت کا کوئی بھی خادم اپنا دامن نہیں بچا پا رہا ہے، ہر کوئی ان کی نظر میں چور ہے، ڈاکو ہے، خائن ہے، لٹیرا ہے، نہ جانے یہ اور ان جیسے کتنے الفاظ ان خدامان قوم وملک پر چسپاں کر دیتے پھرتے ہیں؟ استغفر اللہ تعالی۔

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، جلد دوم، ص: ۱۰۴-۱۰۵۔

ڈاکٹر صاحب پر الزام اور اس کا جواب:

ہماری نظر میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب ایک دور اندیش اور مبصر سیاست دان ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایک بلند پایہ کے مصنف اور مورخ بھی، آپ سر زمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی تاریخ کے پس منظر میں حالات وواقعات کا جائزہ لینے اور ان سے نتائج آخذ کرنے کے ماہر بھی ہیں، علاقائی اور بین الاقوامی سیاسیات کے پس منظر میں سر زمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کو ایک خاص نقطۂ نگاہ سے جائزہ لے کر ان سے سبق سیکھنے اور سکھانے کے گویا استاد ہیں، اس حوالے سے آپ اپنی قوم کے دانشوران عظام اور علمائے کرام سے کئی قدم آگے ہیں۔

بایں ہمہ ڈاکٹر صاحب پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ قوم میں پائے جانے والے اتحاد کو تفرقہ میں بدل دیا تھا، مگر یہ الزام صحت پر مبنی نہیں ہے، دراصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے سیاسی وانقلابی کردار وسرگرمیاں ایک خاص افکار اور مخصوص نقطۂ نظر کی حامل ہیں، جن کی تفصیلات اس کاوش کے بعض اوراق میں دیکھی جاسکتی ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے کہ آپ کسی بھی قیمت پر اپنے نظریات وافکار کو خون ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے، اور آج کل بھی آپ کا حال اس حقیقت پر مبنی ہے، اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے اپنوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کو دور کرنے اور صلح وآشتی کے ذریعے اپنی قومی قوت کو مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، قومی اتحاد کے ہر موقع پر حامی رہے ہیں، اس حوالے سے ہماری تحریکی تاریخ میں بہت ساری مثالیں موجود ہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بے اعتمادی جو جانبین کی طرف سے ہوا کرتی تھی، ہمیشہ اعتماد باہمی، صلح وآشتی، اتحاد واتفاق کے سامنے ایک خطرناک دیوار بن کر کھڑی ہوجاتی تھی، اور اب بھی ہمارا حال اس سے کوئی مختلف نہیں ہے، خدا جانے کہ ہمارا یہ قومی سفینہ کہاں جا کر رو کے گا، خدا جانے آیا ساحل سے لگے گا یا نہیں، مگر امید ہے کہ:

حفاظت جس سفینے کی اسے منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی حیات میں اللہ تعالیٰ برکت دے، آپ کی عمر اگلے چند سال کے بعد اسی

کو پہنچنے والی ہے، الحمد للہ تعالیٰ عمر کے اس مرحلے میں بھی آپ کا عزم وہمت جوان ہے، اور آپ کی عالی ہمتی وبلند حوصلگی ایک دیکھنے کی چیز ہے، آپ عمر کے اس حصے میں بھی چاک وچوبند اور مستعد نظر آتے ہیں، جب کہ عام طور پر اس عمر کے لوگوں کا قوی جواب دے جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب تن کر بڑی سنجیدگی کے ساتھ چلنے میں نہایت شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، آپ کی ان عادات واطوار کی وجہ سے آپ کی شخصیت بڑی متین اور باوقار نظر آتی ہے، ان سب کے ساتھ ملک وقوم کے حوالے سے آپ کو فکر مند نظر آتا ہے، کہیں آپ کے چہرۂ زیبا میں غم وغصے کا سایہ نظر آتا ہے، ہاں آپ کے اندر پریشانیاں بہت ہیں، لیکن یہ ساری پریشانیاں آپ کی اپنی قوم کے مسائل اور ان کے حل کی خاطر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب پر آپ کے بعض دیرینہ ساتھیوں کی طرف سے یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ آپ آر ایس او جیسی ایک قومی اور بین الاقوامی سطح پر شہرت یافتہ تنظیم کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور آپ کے بعض کردار وسرگرمی کی وجہ سے آر ایس او بدنامی کی شکار رہے، لیکن اس الزام کا جواب آپ کے اور ایک دیرینہ ساتھی کی زبانی سنئے کہ:

> ''اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی روح رواں خاص طور پر ۱۹۸۵ء کے بعد ڈاکٹر محمد یونس صاحب ہیں، اس طویل مدت میں آپ کی دیگر پریشانیوں میں ایک پریشانی اپنے ساتھیوں کی بدعنوانیاں ہیں، آپ نے ان بدعنوانیوں کو روکنے کی ہر چند کوشش کی تھی، مگر بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا، اور اس میں شک نہیں ہے کہ آپ کی جماعت میں بڑی بڑی بدعنوانیاں ہوئیں، آپ کے ساتھیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ کل تک ان کے پاس کچھ نہیں تھا، آج امیر سے امیر ترین بن گئے ہیں، ایسے حالات میں حسب معمول ایک مخلص قائد کی طرح ڈاکٹر صاحب کو ان بدعنوان لوگوں کی وجہ سے بڑی بڑی پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ویسے آخر میں آپ کو ان بدعنوانوں کی بدعنوانیوں

سے شدید نفرت ہوگئی، آپ کو کبھی اپنی مجلس عاملہ وشوری کو توڑ بھی دینا پڑا، بات یہ ہے کہ آر ایس او میں بعض ایسے لوگ بھی شامل ہو چکے تھے جن کا مقصد صرف اور صرف دنیا کمانا تھا، ملت وقوم کی فلاح وبہبود سے ان کو دور دور کا رشتہ بھی نہیں تھا، ان کے لئے یہ تنظیم اور اس کے اموال ایک قسم کے مال غنیمت تھے، جن سے وہ لوگ محفوظ ہونا چاہتے تھے، آر ایس او ان کے لئے ''بلی کے بھاگوں میں چھینکا ٹوٹا ہے'' کی مصداق بنی ہوئی تھی، ان کے خلاف ڈاکٹر صاحب نے اقدام کیا تو ان لوگوں نے واویلا مچانا شروع کردیا کہ ڈاکٹر صاحب بذات خود بد عنوان ہیں، ایسے ہیں ویسے ہیں، اب آخر ہم کیا کریں اور کیا کر سکتے ہیں، کن کن کی زبانوں میں لگام دینے کی کوشش کر سکتے ہیں؟ حال ہی میں آپ نے بعض بدعنوانوں کو پارٹی سے اخراج کیا تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب پر الٹا بد عنوانیوں کا الزام لگانا شروع کردیا ہے، حتی کہ انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی دشنام طرازیوں پر اتر آئے ہیں، ہمارے خیال میں یہاں ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کا معاملہ ہے، باقی اللہ جانے''۔

دل جوئی کا عالم:

ڈاکٹر صاحب طبعا بڑے نفاست پسند آدمی ہیں، خود بھی اچھے کھاتے اور دوسروں کو ممکنہ حد تک اچھے کھانے پینے کی تاکید کیا کرتے ہیں، آپ کی اہلیہ محترمہ میں ماشاء اللہ اچھے کھانے پکاتی ہیں، آپ کی رہائش گاہ میں آپ ہی کے ساتھ چند مرتبہ کھانے پینے کی نوبت ہوئی تھی، غالباً ۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر صاحب نے بلاک بی حوالی شہر چاٹگام کے مقام پر ایک نجی چیمبر کھولی تھی، جو چند مہینے تک بحال تھی، اس وقت ڈاکٹر صاحب کے گھرانے تو بودار ہاٹ چاٹگام کے رہائشی علاقے میں تھے، مذکورہ چیمبر کے قریب میں آپ نے اور ایک رہائشی مکان کرایہ پر لے رکھا تھا، راقم السطور عرب سے چاٹگام پہنچا تو آپ نے از راہ کرم مجھے اپنی قیام گاہ میں دعوت پر بلایا، چونکہ راقم کی

رہائش گاہ بھی اے بلاک حوالی شہر میں تھی، تو ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کو چھوڑ تو دیا لیکن دوسری کسی تنظیم میں شامل ہوئے نہ اور نئی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، آپ قوم وملت کے حوالے سے از سرنو سوچ بچار کرتے تھے، اس سلسلہ میں راقم السطور کی شمولیت میں محترم جناب حبیب الرحمن صاحب سائندہ فاروی نے بھی آپ سے حوالی شہر والی رہائش گاہ میں چند مرتبہ ملاقاتیں کیں، اور مستقبل میں ملک و قوم کے حوالے سے کچھ کرنے پر طول طویل گفتگو ہوتی رہتی تھی، اس دوران ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ کا بنایا ہوا کھانے کھانے کا بہت موقع ہوا تھا، جہاں تک دیکھا کہ آپ بڑے نفاست پسند آدمی ہیں، اور اہلیہ محترمہ بھی۔

ڈاکٹر صاحب کو جہاں تک دیکھا کہ آپ کھانے پینے کے حوالے سے اتنے نفاست پسند ہونے کے باوجود کسی بھی کھانے پر عیب نہیں لگاتے ہیں، اس سلسلے میں تذکرہ کردیا جائے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی ایک خفیہ مرکزی دفتر شوگندہ چاٹگام میں تھا، آپ دوپہر کے کھانے اکثر ہمارے ساتھ کھایا کرتے تھے، عباس نامی ایک مجاہد کھانا پکایا کرتا تھا، کھانا حاضر کیا جاتا تو جیسا ہی کیوں نہ ہو آپ عباس کا حوصلہ بڑھاتے اور دلجوئی کیا کرتے تھے، کسی دوسرے کو اگر کھانا پسند نہیں ہوتا تو ڈاکٹر صاحب کے سامنے عباس پر انگلی اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، اس حوالے سے اور ایک واقعہ کا تذکرہ کردیا جائے کہ:

> ''غالباً ۲۰۱۱ء کا واقعہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب سعودی عرب کے دورہ پر آئے ہوئے تھے، یہ دورہ بڑی اہمیت کا حامل تھا، جس کا تذکرہ کسی موقع پر انشاء اللہ کیا جائے گا، مکہ مکرمہ میں ارکان لبریشن آرگنائزیشن (ALO) نے آپ کو عشائیہ دیا، جس میں راقم السطور بھی مدعو تھا، میرے ساتھ میرے ایک بہت قریبی دوست جناب محمد عثمان نندا خالوی بھی تھے، اللہ تعالی اے ایل او والوں کو جزائے خیر دے، اگر چہ کھانا بہت کوشش سے بنایا گیا مگر میرے علاوہ بھی خود اس تنظیم کے بعض اہم لوگوں کو پسند نہیں آیا، جس کی شکایتیں چھپ چھپا کے ہوتی بھی رہیں،

مگر ڈاکٹر صاحب نے بر سرِ مجلس دوران کھانے بہت سی تعریفیں کر دیں، جن سے لوگوں کی زبانیں بند ہوگئیں، میرا اندازہ تھا کہ خود کھانے ڈاکٹر صاحب کو بھی پسند نہیں آیا تھا، مگر آپ نے دل شکنی کے بجائے دل جوئی کرنے کو پسند کیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کھانے کی تعریفیں شروع کر دیں تو خود مجھے شبہ ہو چلا تھا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب کی نفاست پسندی میں کچھ خرابی تو نہیں، مگر بعد میں سمجھ آیا کہ نہیں آپ نے صرف اور صرف دلجوئی کے لئے حرف تعریف زبان سے نکال رہے تھے‘‘۔

مقصد کے ساتھ لگن:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب اس حیثیت سے بڑے دلیر انسان ہیں کہ جس مقصد کے لئے وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتے ہیں، اس مقصد کی راہ پر آپ کا پائے استقلال کبھی بھی ڈگمگا نہیں جاتا ہے، اس مقصد پر پہنچنے کے لئے بڑی جراتمندی سے کام لیا کرتے ہیں، جہاں تک دیکھا گیا کہ آپ کے اقدام میں مصلحت ناپسندی تو نہیں ہوتی مگر ان کے ممکنہ خطرات سے قسماً بے نیاز رہتے ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں بعض مواقع پر غیر معمولی استقلال کا مظاہرہ کیا، بہرحال میری اس بات سے اختلاف تو ضرور کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۹۴ء کی بظاہر ناکامی و نامرادی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی، اور اس افتاد کے بعد آپ پہلے سے زیادہ کندن بن نکلے تھے، جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ آپ کے اندر استقلال کی غیر معمولی قوت ہے، کوئی مقصد متعین کرنے کے بعد اس کے حصول کے لئے مسلسل کوشش میں کبھی اکتا نہیں جاتے، اور نفسیاتی طور پر مقصد سے آپ کی شدید وابستگی ہو جاتی ہے، اور مقصد کے ساتھ آپ کے غیر معمولی لگن نے آپ سے مخالفت کرنے والوں کو آپ کے ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

کتنے لوگ ہیں جو ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ذہین وفطین، خوب صورت اور پارسا ہوں، ظاہر ہے کہ اگر آپ ۱۹۷۵ء میں اس میدان عمل وتطبیق میں اترے نہیں ہوتے تو وہ اور بھی زیادہ مشہور ایک ڈاکٹر ہوئے ہوتے، یوں آپ کی زندگی عیش وآرام میں گزر جاتی، آج تک کسی گمنام بستی یا کسی شہر

کی گلی کوچے میں زندگی کے بیتے ہوئے دنوں کی یادیں کر کر کے گزارتے، آپ نے اس میدان میں اتر کر جو قربانیاں دی ہیں، ان کی صلہ تو اللہ تعالی کے یہاں ضرور ملے گا انشاء اللہ، باقی دنیا میں بھی ان کی نیک نامی خدا کرے تو رہتی دنیا تک باقی رہے گی، اور تو اور ہماری برادری میں کتنے ڈاکٹر ہیں، کتنے انجینئر ہیں کہ جنہوں نے صرف اپنی نجی زندگی کی رنگ رلیوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش میں اپنی زندگیاں گزار دی ہیں، آج ان کی حیثیت عام لوگوں کے یہاں کتنی ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی کتنی وہ ظاہر ہے؟

ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم خطاب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، امابعد:

حاضرین مجلس! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،،

ظاہر ہے کہ ہم سب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے کارکن ہیں، ہم اس تنظیم میں کام کرتے ہیں، آئندہ بھی ہمیں کام کرنا ہے تو ہمارے مابین کام کے حوالے سے باتیں صاف شفاف ہونی چاہئے، ورنہ کام کرنے میں بڑی بڑی مشکلات سامنے آئیں گی۔

اس کام کے حوالے سے ماضی میں ہمیں بہت سارے تجربات ہوئے ہیں، ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی، آپ حضرات جانتے ہیں کہ جہادی تحریک مرحوم شہید محمد جعفر حسین قوال کی رہنمائی میں ۱۹۴۷ء میں شروع ہوئی تھی، وہ اور ان کے ساتھیوں نے قوم اور ملت کے لئے اپنے زمانے میں بہت کچھ کیا، اللہ تعالی ان محسنوں، بزرگوں شہداء اور ملت کے غازیوں کو بلند درجات عطا کرے، ان حضرات کو دشمن کی بہت ساری سازشوں اور پروپیگنڈوں کا مقابلہ کرنا پڑا، ان کے بعد ہم میدان میں آئے تو اسی طرح ہمیں بھی بہت ساری داخلی اور خارجی سازشوں اور پروپیگنڈوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور اب بھی پڑ رہا ہے۔

رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم ہمارے کتنے ساتھی تھے راز ونیاز کے، ہم جب میدان عمل میں

آئے تو ویسے کتنے چاہنے والے ساتھی ہم سے بکھر گئے، حتی کہ چند ان میں سے جان کے دشمن تک بن گئے ہیں، ماضی میں جو ہماری جان کے رکھوالے تھے وہ اب جان لیوا دشمن بن چکے ہیں۔

ہم روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہوئے تو ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ اس تنظیم کے ایک آدمی نے رشید احمد (کراٹے) وغیرہ کو حکم دیا کہ ہمیں جان سے مار ڈالا جائے، لیکن اللہ تعالی کا خاص کرم تھا کہ ان لوگوں نے ایسے ناجائز، غیر شرعی وغیر قانونی حکم کی تعمیل نہ کی، اس کے بعد جناب نور الاسلام صاحب سے مل کر ہم نے روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی بنیاد ڈالی، آپ حضرات کو علم ہے کہ انہوں نے ہم سے کیا تھا۔

دراصل یہ اللہ تعالی کی رحمت تھی کہ اس نے ہماری زندگی طویل کردی، ہم نے اس کے بعد جناب مولانا سیف الاسلام صاحب کے ساتھ کام کیا، آپ حضرات جانتے ہیں کہ اسی زمانے میں تنظیم اور خاص طور پر میرے خلاف کیسی کیسی سازشیں، پروپیگنڈے اور دشنام طرازیاں ہوئیں، حتی کہ معسکر میں افراتفریاں ہوئیں، جن کے نتیجے میں بعض لوگوں کو اپنی زندگی سے ہاتھ تک دھونا پڑا۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ انقلابی جماعت اور سیاسی جماعت میں کتنا فرق ہوتا ہے، ایک انقلابی جماعت جس کے پروگرام میں مسلح جدو جہد ہو اور دوسری ایک سیاسی جماعت جس میں مسلح جد جہد کا پروگرام نہ ہو، کتنا ہی فرق ہوتا ہے، میری نظر اخوان المسلمین اور جماعت اسلامی پر ہے، اخوان المسلمین آپ حضرات جانتے ہیں کہ وہ ایک انقلابی جماعت ہے جس کے پروگراموں میں مسلح جدو جہد بھی ہے، جسے مذہبی زبان میں جہاد اسلامی کہا جاتا ہے، جبکہ جماعت اسلامی میں اس طرح کے پروگرام نہیں ہیں، جو دراصل ایک سیاسی جماعت ہے، جس کا منشاء بنگلا دیش میں دستور کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام کے لئے کام کرنا ہے، ایک جملہ میں فریضہ ''اقامت دین'' کے حوالے سے جدو جہد کرنا ہے، اس حوالے سے آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ہماری جماعت کس نوعیت کی جماعت ہے۔

بہر حال جماعت اسلامی ہو یا اخوان المسلمین یا اس طرح کی دیگر جماعتیں، ان میں افرادی قوت بہت زیادہ ہے، اس لئے وقت آنے پر ان میں انتخابات ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہماری جیسی

جماعت میں دراصل انتخابات بیکار ہے، یہ ہمارے تجربات سے ثابت ہوا ہے، ماضی میں ہمارے مابین انتخابات ہوئے، جن کے نتیجے میں ایسے ایسے لوگ قیادت کے افق پر پہنچ گئے جو درحقیقت تنظیم کے ممبر ہونے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے تھے، ویسے بھی اس تنظیم میں کام کرنے والے بہت کم ہیں، اس لئے بھی یہاں سردست انتخابات کی بات بے فائدہ ہے۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تاسیس کے حوالے سے لوگ ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ نے دوبارہ نور الاسلام صاحب کے ساتھ کیوں انضمام کیا، جبکہ آپ ایک اسلامی نظریہ کے حامل اور وہ جوہر میں ایک سیکولر انسان ہیں؟ دراصل روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن میں ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ جس میں سوچا گیا کہ ہمیں قوم کی بقاء کی خاطر کیا کرنا چاہئے، آخر میں بات طے پائی تھی کہ ہمیں مجبوراً ان سے انضمام کرنا ہی ہے، ہماری تنظیم میں میں امیر تھا جب کہ مجاہدین کے معسکر میں ہمارے خلاف سازش ہوگئی تھی، جس کی طول طویل تفصیلات ہیں، ان سے صرف نظر اس وقت ہم نے دیکھا کہ اب نور الاسلام صاحب سے اتحاد ناگزیر امر ہے، جس کے بعد انضمام عمل میں آیا تھا۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تاسیس کے لئے ہم نے ڈیڑھ سال تک پرزور محنت کی، جس کے نتیجے میں نہ صرف اتحاد کا ایک خوب صورت فارمولہ تیار ہوا بلکہ آئندہ مل جل کر کام کرنے کے لئے ایک روشن راستہ ہموار ہوگیا تھا، ہم نے روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کی مجلس شوری بلائی، شوری ممبروں میں چند اس ممکنہ اتحاد کے بڑے مخالف تھے، حتی کہ ایک دو افراد نے یہاں تک کہا کہ نور الاسلام صاحب سے اتحاد کیسا؟ وہ تو ایک سیکولر آدمی ہیں، اس قسم کی مخالفت کے خلاف ہمارا جواب بس یہی تھا کہ:

> ''شوری کی اکثریت کی رائے اتحاد و انضمام کی موافق ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ یوں بھی ہم نے اس اتحاد کے لئے بڑی تگ ودو کی اور کام آج تک آخری مرحلہ پر پہنچا ہوا ہے، ایسے حالات میں ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے، اگر یہی مجلس شوری اس ممکنہ اتحاد و انضمام کے خلاف رائے دے تو میرے لئے خود تنظیم سے سبکدوش ہونا ناگزیر ہو جائے گا، آخر کار آپ حضرات جانتے ہیں کہ ہمارے درمیان اب

تک کسی قدر اتحاد ہو بھی چکا ہے‘‘۔

دراصل خودغرضی ایک خطرناک بیماری ہے، ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تشکیل کے فوراً بعد ایک طرف تنظیم کے خلاف اور دوسری طرف ہمارے خلاف سازش شروع ہوگئی تھی، دونوں گروپوں کے مجاہدین کے اتحاد عمل میں نہ آنا دراصل ہمارے بعض لیڈروں کی خودغرضی کا نتیجہ تھا، مولانا دین محمد صاحب نے جب یہ دیکھا کہ ڈاکٹر محمد یونس ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے نائب صدر ہیں، جو آر ایس او میں واپس آنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، تب مولانا کے لئے راستہ صاف ہوگیا کہ آر ایس او کے مجاہدین کو متحدہ پلٹ فارم پر لانے کے بجائے اگر الگ تھلگ رکھا جائے تو آر ایس او کے اعلان نو کے ذریعے کرسی صدارت کا حصول ان کے لئے یقینی ہے، اس حوالے سے مولانا کا کردار آپ حضرات کے سامنے ہے، ملاحظہ کیجئے کہ ہمارے خلاف کتنی بڑی بڑی سازشیں ہوئی تھیں، ایسے حالات میں ہم کیا سکتے ہیں۔

میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے نائب صدر کی حیثیت سے امریکہ کے دورے پر تھا، اچانک وہاں خبر ملی کہ دونوں گروپ کے مجاہدین کے درمیان خونی تصادم ہوا، اب میں سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آخر ہم نے کیا کیا اور ہوا کیا؟ اور سوچتا رہا کہ آیا اس حالت میں امریکہ سے واپس جاؤں یا نہ جاؤں، ایسے میں میجر (ر) مجیب الرحمن صاحب کا ٹیلیفون آتا رہا، انہوں نے ٹیلیفون کے ذریعے مجھ سے بار بار رابطہ کیا، ان کا مطالبہ تھا کہ میں جلد از جلد بنگلادیش واپس آجاؤں، اور یقین دلا رہا تھا کہ میں وہاں پہنچوں تو معاملہ ٹھیک ہوجائے گا، بالآخر میں امریکہ سے واپس پہنچا، میجر صاحب کی معیت میں میں نے جناب نورالاسلام صاحب سے ملاقات کی، ان سے میں نے پوچھا کہ آخر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے مجاہدین کی گولیوں سے دو آر ایس او کے مجاہد کیوں جاں بحق ہوئے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ دراصل ہمارے مجاہدین دفاع کررہے تھے، گولی چلانے کا پہل آر ایس او والوں کی طرف سے ہوا تھا، آخرکار میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سردست میرے لئے تنظیم سے علیحدگی ہی بجا ہے۔

اس کے بعد میں نے حالی شہر کے مقام پر طبابت شروع کی اور عملاً کسی بھی تنظیم سے علیحدہ رہا، چند

مہینے جاتے نہ جاتے ایک نئی تنظیم کی تشکیل کی سوجھی، مولانا سیف الاسلام صاحب بھی ذہنی طور پر ساتھ ہو لئے، پانچ اسلحہ بھی مہیا ہوگئی تھے، پھر ان اسلحہ جات کو محفوظ مقام میں چھپا کر بعض وجوہات کی بنیاد پر میں سعودی عرب چلا آیا، اور ’’ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم‘‘ کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، بعد میں بنگلادیش میں معین الدین فخرالدین کی حکومت قائم ہوئی تو ایک میجر جنرل نے ہمارے کام/امور کو اپنے ہاتھ لیا، ان کا پہلا خیال تھا کہ روہنگیا تنظیموں کو ایک کرنے کے بجائے ایک امبریلا (AMBRELLA) آرگنائزیشن قائم ہو، مگر برادر نورالاسلام صاحب اور پروفیسر حبیب اللہ صاحب نے ان میجر جنرل کو اپنا کر ان کو یہ مشورہ دیا کہ ساری تنظیموں کو کالعدم کرکے صرف اور صرف ایک تنظیم کو وجود میں لایا جائے، جو اس وقت کے حالات کے پیش نظر انہونی چیز تھی، آخرکار میجر جنرل حبیب الرحمن صاحب نے یہاں تک کہہ دیا کہ سب جماعتیں ایک ہوجانا چاہئے، یوں میں نے ہاں میں ہاں کہہ دیا تھا، بالآخر ۲۰۰۸ء میں چاٹگام میں ایک کنونشن ہوا، لیکن آپ حضرات جانتے ہیں کہ وہ بھی بری طرح ناکام ہوگیا تھا۔

مولوی سلامت اللہ کی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی صدارت کے زمانے میں حافظ سلطان صاحب نے ایک رول ادا کیا، جس کے نتیجے میں میں آر ایس او کا پھر سے قریب گیا، اس کے بعد اسی تنظیم کو تجدید نو کرکے کام کرنا شروع کیا، بعد میں اراکین نے بذریعہ انتخابات مجھے عہدہ صدارت کی کرسی سونپی، ویسے مجھے ان اعلیٰ ممبروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ہوا تو کیا دیکھا کہ ہر ایک کے پاس ایک علیحدہ علیحدہ خیریہ تنظیم ہے، اب میری حیرانی کی حد نہ رہی، میں نے ایک دن ان سب کو بلا کر کہا کہ خود روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے پاس خیریہ پروگرام ہے، کیوں نہ اسے آگے بڑھایا جائے؟ اس میں سب سے بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ ان رفاہی تنظیموں میں سے ایک بھی شاید ایسی تھی جو حقیقی معنی میں رفاہی تنظیم ہو، بعد میں ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ تنظیم کے کارکن رہتے ہوئے ان نام نہاد رفاہی تنظیم کے پروگرام کو آگے بڑھایا نہیں جاسکتا، بعد میں ان پر مزید دباؤ بڑھا گیا تو مولوی سلامت اللہ نے ہماری تنظیم کے دفتر آنا بند کردیا، اس کی یہ اور اس جیسی دیگر نافرمانیوں کو دیکھ کر ہم مجبور ہوگئے کہ اس کو تنظیم سے نکال دیا جائے، آخر اسے نکالا گیا، بات یہ تھی کہ

یہ لوگ سراسر بے لگام ہو گئے تھے، تنظیم کے اصول، ضوابط اور دستور ان لوگوں کے سامنے کوئی چیز نہیں رہے، بقرعید کے دوران کیا ہوا؟ ان لوگوں نے قربانی کے چند بقرے چوری کر لئے، بعد میں یہ قربانی کے بقرے مجھے ادا کرنے پڑے، ان جیسے واقعات سامنے آنے کے بعد تنظیم کے بڑے بڑوں کو بلا بلا کر میں نے سمجھایا مگر وہ لوگ میری سچی بات کو سمجھنے کے بجائے الٹے مجھ پر الزام لگانا شروع کر دیا، خاص طور پر ابوصدیق ارمان، حافظ جابر احمد اور رشید احمد (ممبر ارشید) کو میری بات سمجھ ہی نہ آئی، حتی کہ موخر الذکر نے مجھ پر برستے ہوئے انداز میں یہاں تک کہہ دیا کہ: ’’آپ ہمارا آقا بننا چاہتے ہیں‘‘۔

چند دن کے بعد ابوصدیق ارمان نے دوبارہ بیعت کی، اویس اور عبدالرحیم کے علاوہ حافظ جابر نے بھی دوبارہ میری طرف رجوع کرتے ہوئے بیعت کی، روح الامین وغیرہ نے آخر تک رجوع نہیں کیا، اسی دوران مجھے ملائشیا کا دورہ پیش آیا، ملائشیا میں دوران قیام سعودی عرب سے برادر محمد عالم (ابوسلمان) وہاں پہنچے، انہوں نے سب کو اتحاد کی طرف دعوت دی، میں نے زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ ہم ایسے فضول اور بے معنی کے اتحاد نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے فائدے سے نقصان زیادہ ہونے کا امکان ہو، اس دوران ابوصدیق ارمان وغیرہ نے مولوی ابوسلمان سے ساز بازی شروع کر دی، حتی کہ انہوں نے ہمارے ساتھ جو بیعت کی اس کو توڑ پھوڑ کر ایک علیحدہ دھڑا بنا لیا اور ہماری مخالفت کرتے ہوئے حافظ جابر کی صدارت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے نام پر علیحدہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ میری یہ جماعت دراصل ایک انقلابی جماعت ہے، ہمیں پچھلے زمانے کے تجربات سے بہت کچھ سیکھنا ہے، درس عبرت لینا ہے، یہ جماعت ہمارے پچھلے طریقۂ کار پر چل نہیں سکتی، ہم انتخابات کے سرے سے مخالف نہیں ہیں، انتخابات ضرور ہوں گے بشرطیکہ پتے کے لوگ تنظیم کو مل جائیں، ورنہ انتخابات کیسے؟ پتے کے افراد ملیں گے تو ہم پہلے انہیں مجلس شوری میں شامل کریں گے، میرے سامنے چند افراد ضرور ہیں، ان میں سے چند حضرات نے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے، اور چند حضرات نے اب تک وعدے تو نہیں کئے مگر ان کا ذاتی ر

جحان ہماری طرف ہے، ہمارے ساتھ مولانا ابوالفیاض صاحب جیسے لوگ ہیں، ہم ان جیسے لوگوں سے توقع وابستہ رکھتے ہیں، دیکھیں آئے دن کیا ہونے والا ہے۔

حاضرین مجلس! میرا اندازہ اور خیال ہے کہ ہمارے اگلے پروگرام موت وحیات پر مبنی پروگرام ہیں، اگر ہماری تنظیم کی شروعات امیر کی اطاعت پر نہیں ہوں گی تو ہمارے اگلے پروگرام سرے سے چل ہی نہیں سکیں گے، آغاز اچھا نہیں ہوا تو انجام اچھے ہونے کی امید کیسی؟۔

ہمارے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب نہ شوری چاہتے ہیں اور نہ عاملہ، یہ خیال صحیح نہیں ہے، صحیح بات وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے، یہاں شوری اور عاملہ دونوں ہوں گی بشرطیکہ پتے کے لوگ مل جائیں، اور تو اور ایک سپریم کونسل بھی انشاء اللہ تعالی رہے گا، سردست ضرورت اس بات کی ہے کہ تنظیم کے صدر کے ہاتھ میں سارے کنٹرول رہے، بغیر اس کے تنظیم کا کوئی بھی پروگرام نہیں چلنے پائے گا، کوئی میری ان گزارشات کو غلط ٹھہرائیں تو ٹھہرائیں، لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ میری یہ ساری گزارشات قرآن وسنت کی منافی نہیں ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم پچھلے دردناک تلخ تجربات کو دھرانا نہیں چاہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال بھی صحت پر مبنی نہیں ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس کسی سے مشورہ نہیں لیتے ہیں، نہیں اور بالکل نہیں، میں مشورہ لیتا ہوں، اور ضرور لیتا ہوں، کام کی نوعیت کو دیکھ کر جس سے مشورہ لینا ہوتا ہے اس سے ضرور مشورہ لیتا ہوں، مثال کے طور ایک آدمی میدان کارزار کے حوالے سے خبیر ہے تو اس سے میدان کارزار کے متعلق مشورہ لیتا ہوں، بخلاف اس کے ایسے افراد سے مشورہ لینا ہی بے کار ہے جو اس میدان کی راہ ورسم سے سرے سے واقف نہیں، نبی اکرم صلی اللہ نے الیکشن نہیں کیا، البتہ مشورہ ضرور کیا تھا، اس حوالے سے میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس پر مطمئن ہوں، اگر میں قرآن وسنت کے منافی کچھ کرتا ہوں تو مجھے دکھائیے! آئندہ بھی مشورہ مجرب لوگوں سے کیا جائے گا ہر کس وناکس سے نہیں۔

اب ہمارے زوال واضمحلال کے حوالے سے کچھ گزارشات آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، ممکن ہے کہ ان سے کچھ فوائد مرتب ہوں گے:

حیات انسانی میں دو ایسے واقعات ہیں جن کا ٹھیک ٹھیک وقت بتایا نہیں جا سکتا، جن میں سے ایک کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے جسے ہم نیند کہتے ہیں، کسی نے بھی آج تک اس خاص لمحہ کا تعین نہیں کر سکا جب جاگنے والا سو جاتا ہے، اور دوسرے کا تعلق قومی زندگی سے ہے، جسے ہم تنزل اور زوال سے تعبیر کر سکتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کس تاریخ سے شروع ہوا، سب کو اس کی خبر اس وقت ہو جاتی ہے جب وہ زور پکڑ جاتا ہے۔

دراصل یہ حقیقت صرف سرزمین ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کے متعلق نہیں، اس قوم پر جو زوال آیا ہے اس کا وقت ہم صحیح طور پر نہیں بتا سکتے، بلکہ حقیقت میں اکثر قوموں کے بارے میں یہ حقیقت منطبق ہے، پھر ملاحظہ کیجئے کہ امت مسلمہ کی زندگی کے زوال واضمحلال دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں زیادہ واضح اور روشن ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں قیادت کی باگ ڈور ان بزرگوں کے ہاتھوں میں تھی جو ایمان وعقیدے، اعمال واخلاق، سیرت کی بلندی، نفس کی آراستگی اور کمال اعتدال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ تھے، وہ حضرات دین ودنیا کے کامل نمونے تھے، وہ بیک وقت نمازوں کے امام، مسجدوں کے خطیب، عدالت کے قضاۃ، سرکاری خزانے کے امین اور لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے، ان میں سے ہر ایک فرد متقی، زاہد، عالم، مجاہد، معاملہ فہم، وقت شناس، صاحب نظر اور پختہ کار سیاست دان تھے، اس لئے ان میں سے ہر ایک ذات میں دین وسیاست کا اجتماع تھا، اور سب کے سب ایک ہی سوچ اور ایک ہی سیرت کے مالک تھے، ان کی روح تمدن کے پورے ڈھانچے، حکومت کا پورا انظام اور لوگوں کی پوری زندگی اور عوام کی معاشرت واخلاق میں جاری تھی، ان کے دور میں روحانیت اور مادیت میں کوئی کشمکش نہیں تھی اور نہ دین وسیاست میں کوئی تصادم تھا، نہ دین ودنیا کی کوئی تفریق تھی، اور نہ ہی اغراض واخلاق میں کوئی مزاحمت تھی، اور نہ طبقوں اور گروہوں کی باہمی جنگ تھی اور نہ خواہشات نفسانی میں باہمی مسابقت، غرض ان کے تمدن اور سلطنت اسلامیہ کی زندگی اس کے بانیوں کے اخلاق وخصوصیات کی پوری آئینہ دار تھی۔

لیکن یہ مسلم دنیا کی بڑی بدقسمتی تھی کہ پیغمبر اسلام کے خوشہ چینوں کے گزر جانے کے بعد مسلمانوں

کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جن کی ہمارے بزرگوں کی طرح اعلی وارفع دینی و اخلاقی تربیت نہ تھی، ان کے دینی، روحانی اور اخلاقی معیار بھی کچھ بلند نہ تھا، ان میں جہاد اسلامی کی وہی روح نہ تھی جو پیغمبر اسلام اور آپ کے خوشہ چینوں میں تھی، اور نہ ان کے ہاں اجتہاد کی وہی قوت تھی جو اسلام ان سے تقاضا کرتا تھا، ان میں جوہر شناسی کا زبردست فقدان ہو گیا تھا، ان میں دین کی صحیح صحیح نگرانی کرنے کا جذبہ مفقود ہو چکا تھا، ان میں تفریحات اور افراتفری کی گرام بازاری ہو گئی تھی، اور ان میں لذت اندوزی اور نفس پروری کا مرض پوری طرح سرایت کر چکا تھا، نیز آگے چل کر بعض لوگوں نے دین وسیاست میں تفریق پیدا کر دی تھی، ان میں مشاورت کا جو اصول تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا، جس کا لازمی نتیجہ یہ رونما ہوا کہ ان میں زوال شروع ہو گیا اور رفتہ رفتہ ان اسلامی مملکتوں پر غیر مسلم دشمنان اسلام کا قبضہ ہو گیا تھا۔

دراصل ہم مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا زوال واضمحلال کا حقیقی سبب خدا فراموشی ہے، دنیا کے اکثر زوال یافتہ یا زوال پذیر مسلمانوں کی طرح ہم ارکانی مسلمانوں نے بھی اپنی انفرادی اور قومی زندگی سے خداشناسی کا عنصر نکال دیا ہے، ہم اپنی تاریخ کے ذریعے یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک ہمارے اسلاف اور بزرگوں میں خداشناسی تھی اس وقت تک ہم اپنے وطن میں دیگر غیر مسلم قوموں اور ان کی زندگی پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے، جب سے ہمارے یہاں خداشناسی کا جذبہ ختم ہوا، تب سے ہم اپنے وطن میں برباد ہونے شروع ہوئے، آج ہم دنیا کی بدترین زوال پذیر قوموں کے صف اول میں آ گئے ہیں۔

اسی طرح ہم مسلمانان ارکان کے انفرادی واجتماعی اخلاق کے زوال واضمحلال کا دوسرا اہم سبب رزق حلال کی طلب کا فقدان ہے، ہم مسلمان ہیں، اور اسلام میں رزق حلال کو ایمان کی کسوٹی اور اعمال صالحہ کا معیار قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ ایمان، کردار اور عمل کے لئے حرام رزق وہ خطرناک سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے جس کے اثرات سے اچھے اخلاقی رجحانات مرجھا جاتے ہیں، اگر کچھ عبادات، بندگی اور نیکیوں کا نمائشی ڈھانچہ رہے بھی تو خدا کا قانون اسے مسترد کر کے بے نتیجہ بنا دیتا ہے، روہنگیا قوم میں انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے رزق حرام کی دوڑ لگی ہوئی ہے، اور ہم یہ بھول

چکے ہیں کہ رزق حلال نہیں تو کچھ بھی نہیں، رزق حلال کے مقابلے میں رزق حرام بربادی اور تباہی کا ذریعہ ہے، یہ خدا فراموشی اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے واضح طور پر سرکشی اور نافرمانی ہے، یہ قرآن کریم سے بےتعلقی اور اپنے ایمان کی بربادی کا راستہ ہے، آج ہمارے معاشرے میں رزق حرام کے ذرائع اس قدر عام ہوچکے ہیں کہ ان سے نجات حاصل کرنا گویا ناممکن سا ہوگیا ہے، یہ ہمارے اخلاق کی تباہی و بربادی کا سب سے اہم سبب ہے۔

ہم مسلمانان ارکان کے زوال کا اور ایک سبب، ہم میں عدل وانصاف کا فقدان ہے، ظاہر ہے کہ برمی اور مگھ ظالموں نے ہمارے تاریخی اور روایتی عدل وانصاف کو سرے سے مٹا کر رکھ دیا ہے، تاہم اجتماعی عدل وانصاف کے فقدان کے ساتھ ہم نے اپنے انفرادی عدل وانصاف کو بھی بھلا دیا ہے، ہم مسلمانوں نے اپنی ذات اور اپنے معاشرے میں رہنے والے بھائیوں کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لینا چھوڑ دیا ہے، جس معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی عدل وانصاف کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے اس میں حقوق اور فرائض کی ادائیگی کا توازن بگڑ جاتا ہے، اور جس کے نتیجے میں معاشرہ ظلم وستم، خرابات اور فسادات اور دوسرے جرائم کی آماجگاہ بن جاتا ہے، ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا روز کا معمول بن جاتا ہے، اس صورت میں ظالم طاقتوروں کے مقدر جاگ جاتے اور کمزوروں کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، انسان کی انفرادی اور قومی زندگی میں عدل سے کام لینا بہت ضروری ہے، خداوند قدوس نے ہمیں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس حکم کی تعمیل نہایت ضروری ہے۔

ظالموں نے سرزمین ارکان میں جو مظالم ڈھائے ہیں وہ تو عیاں ہیں، وہ تو ظالم ہیں اس لئے وہ ظلم کرتے ہیں، لیکن ہم تو مسلمان ہیں، اور دنیا میں مسلمانوں نے اسلامی عدل وانصاف کے ذریعے سارے کام چلائے ہیں، انہوں نے دنیا میں انسانیت کو اعلی معیار سے ہمکنار کیا ہے، رنگ ونسل اور وطن وقوم کی دوری کو مٹا دیا ہے، مگر آج ہم مسلمانوں نے اسلام کے عدل وانصاف کو نظرانداز کر کے خود اپنے کو برباد کرلیا ہے، ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری منزل رضائے خدا ہے، اور خدا کی خوشنودی اور رضامندی تک پہنچنے کا راستہ عدل وانصاف ہے، ہم زندگی میں کتنی ہی تگ ودو کریں

اور کتنی نہیں عبادت کریں تب تک منزل کو پہنچ نہیں سکتے جب تک انفرادی اور اجتماعی عدل وانصاف سے کام نہ لیا کریں گے، آج کل معاشرہ میں جو بگاڑ اور فساد ہے، ظاہر ہے کہ اس کا واحد سبب عدل وانصاف کا فقدان ہے۔

ہمارے اجتماعی اور انفرادی اخلاق کے زوال کا اور ایک سبب جھوٹ ہے، ہمارے معاشرہ اس کا تعلق داخل وطن سے ہو یا خارج وطن سے، اس میں جھوٹ اور دروغ گوئی کی وباء پوری طرح پھیل چکی ہے، ہمارے معاشرہ کے تقریبا ہر طبقے میں جھوٹ بولنا ایک شیوہ بن گیا ہے، خرید وفروخت میں جھوٹ، روزی کمانے میں جھوٹ، سیاست وقیادت کے میدان میں جھوٹ اور تو اور دینی کاموں کی انجام دہی میں بھی جھوٹ سے کام لینا گویا ہماری زندگی کا معمول بن گیا ہے، ہماری معاشرتی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں جھوٹ اور دروغ بیانی سے کام نہ لیا جاتا ہو، یاد رہے کہ جھوٹ سے انسان میں ناپاکی اور خیانت کی روح سرایت کرجاتی ہے، جھوٹ ایمان ویقین کے بڑھتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیتی ہے، جھوٹا آدمی الفت ومحبت، اتحاد واتفاق کے رشتے کو توڑ دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معاشرہ میں عداوت اور نفاق کی بیج بو دیتا ہے، یاد رہے کہ سید الانسانیۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔

مسلمانوں کے زوال واضمحلال کا اور ایک سبب فرض شناسی میں غفلت اور کوتاہی کرنا ہے، فرض شناسی ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو مادی اور روحانی لحاظ سے اوج کمال پر پہنچا دیتا ہے اور انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے اوپر عاید شدہ فرائض میں کوتاہی برتتا یا عمدگی سے عہدہ برآ نہیں ہوتا تو وہ کسی بھی حیثیت سے کامران نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ قابل احترام انسان بن سکتا ہے، اگر ہر انسان اپنے فرائض سے غفلت ولاپرواہی کرنے لگ جائے تو نہ صرف اس کی اپنی زندگی برباد ہو جاتی ہے بلکہ قوم وملت کی تباہی بھی یقینی ہوجاتی ہے، روہنگیا قوم کو میرے خیال میں سب سے زیادہ نقصان اس فرض ناشناسی نے پہنچایا ہے، خاص طور پر قومی زندگی کے معاملات میں روہنگیا قوم کے ہر طبقہ کے لوگ فرض ناشناسی کی بیماری میں مبتلا ہیں، گستاخی معاف کہ علمائے کرام فرض شناسی سے گویا نابلد ہوچکے ہیں، اہل ثروت اپنے فرائض سے بیزار ہوچکے ہیں، دانشوران قوم اپنی ذمے

داریوں سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، پھر اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہر ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو ملزم ٹھہرانے میں مشغول اور مگن ہے، ایسے حالات میں ہماری قومی زندگی کی اس ڈوبتی اور ڈگر کھاتی ہوئی کشتی کا سنبھالا کون دے گا؟ اس لئے اب ضرورت یہی ہے کہ ہر طبقہ اپنی اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کی طرف مائل ہو جائے اور سمجھ لے کہ ہماری اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو اگر بچانا ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں تیار ہونا پڑے گا، ورنہ بچانا ممکن نہیں ہے، دعا ہے کہ ہر ایک کو میری بات سمجھ میں آجائے۔

ہمارے زوال کا اور ایک سبب اسراف اور فضول خرچی ہے، فضول خرچی ہماری قومی زندگی میں ایک لعنت بن چکی ہے، جسے شیطانی کام قرار دینا چاہئے، فضول خرچی انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور نتیجے میں بسا اوقات دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، فضول خرچی کبھی کبھار انسان کو کاسہ لیسی کرنے پر مجبور بنا دیتی ہے، جس قوم میں فضول خرچی کی بیماری راہ پا جائے، وہ برباد ہو کر رہ جاتی ہے، اس فضول خرچی نے ہمارے معاشرے کے ایک بڑے حصے کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تباہ کر دیا ہے، ہر کجا فضول خرچی کی دوڑ لگی ہوئی ہے، اور تو اور اس دوڑ نے بے شمار تعمیری کام کرنے والوں کو تعمیری کاموں سے ہٹا کر تخریبی کاموں میں لگا دیا ہے۔

اسلام نے حصول دولت اور اس کے مصرف پر جو پابندیاں عائد کی ہیں، ان کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اسلام انسانوں کو حسب ضرورت خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے، اور بے دریغ خرچ کرنے کو منع کرتا ہے، کیوں کہ جب انسان کی معاشی خودغرضی حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں اور جرائم جنم لینے لگتے ہیں، اور معاشرتی نظام برباد ہو جاتا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فضول خرچی کی مہلک اور جان لیوا بیماری سے بچنے کی کوشش کی جائے، اس میں ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عافیت ہے، ورنہ مزید تباہی و بربادی یقینی ہے، الامان والحفیظ۔

ہماری اجتماعی اور انفرادی زندگی کے زوال کا اور ایک سبب پیار و محبت کا فقدان ہے؟ جہاں تک میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے علماء، دانشوران، رہنمایان اور اہل ثروت غرض ہر ایک طبقہ میں پیار و

محبت کا جوہر عنقاء بن گیا ہے، ورنہ یہ لوگ اپنی خودغرضانہ زندگی کو ترجیح دے کر پوری قوم کے مفاد کو نیلام کر دینے پر تیار نہیں ہو سکتے، اگر ان کے اندر پیار و محبت کا جذبہ ہوتا تو وہ اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتے، ظاہر ہے کہ معاشرہ کی ترقی اور وحدت انسانی کا مدار اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے، اگر معاشرے میں ایک دوسرے کا ادب و احترام باقی نہ رہے تو ایسے معاشرہ میں پیار و محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات مفقود ہو جاتے ہیں، ایسے معاشرہ میں تفرقہ، ظلم اور زیادتیاں عام ہو جاتی ہیں، اگر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کے لئے ہمدردی، محبت اور الفت نہ ہو تو ایسا معاشرہ امن و امان کا گہوارہ نہیں بن سکتا، آپ حضرات اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے مابین افراتفری، نااتفاقی اور توڑ جتی کہ باہمی عداوت کا طوفان کیوں بپا ہے ؟ خاص طور پر قومی کاموں میں سرگرمی دکھانے والوں کے مابین اتنی افراتفریاں اور عداوتیں کیوں رونما ہیں؟، دراصل وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں نے شیوۂ محبت و الفت سے اپنے آپ کو کوسوں دور کر لیا ہے، اگر ان کے اندر قوم و ملت کے لئے پیار و محبت ہوتی تو وہ ضرور محض اپنی نجی زندگی کو سنوارنے کے نشے سے دور اپنی قوم و ملت کی فلاح و بہبودی کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے، اللہ تعالی ہم سب کو قوم کی بھلائی کے لئے کام کرنے کی توفیق سے نوازے، **وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین**، والسلام علیکم۔

(ڈاکٹر/محمد یونس)

مکہ المکرمۃ ۲۲ / ۲ / ۲۰۱۴ء

بعض خطابات سے کچھ اقتباسات:

ڈاکٹر محمد یونس صاحب ماشاءاللہ مخاطب کی نفسیات سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، آپ کے بے شمار خطابات سننے کا موقع ملا، کاش آپ کے سارے خطابات ریکارڈ کئے گئے ہوتے، آج آپ کے پرمغز خطابات کا ایک بڑا مجموعہ مرتب ہوسکتا، ایک موقع پر آپ نے ارکان کے علمائے کرام کی خدمات کے اعتراف کرتے ہوئے ان سے ایک گزارش اس صورت میں کی ہے کہ:

''سرزمین ارکان کے مسلمان پچھلی نصف صدی سے جن حالات کے شکار ہیں وہ تو ظاہر ہے، یہاں کے علمائے کرام نے علم دین کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل رشک ہے، ایسے حالات میں علماء نے جو قربانیاں دیں، اور علم دین کی خدمات کے میدان میں جو جانفشانیاں کیں انہیں بھلائے جانے کے قابل نہیں ہے، عمومی طور پر انہوں نے سادہ زندگی اختیار کی، اور یہ بھی سچ ہے کہ سادگی کے بغیر کسی بھی طرح کے ایثار وقربانی ناممکن ہے، انہوں نے اپنی زندگی کے لئے اسراف کا راستہ کبھی بھی نہیں چنا، بسا اوقات یوں بھی مسرف انسان کو اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرانے کے لئے ضمیر فروشی کی ضرورت ہوتی ہے، چوں کہ ان حضرات نے سادگی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی، اس لئے انہیں کہیں اور کبھی بھی ضمیر فروشی کی ضرورت نہیں ہوئی، انہوں نے ہر حال میں کفایت شعاری کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنا رکھا اور اپنے تلامذہ کو بھی کفایت شعاری کی تعلیم دی۔

مدارس دینیہ کی بات آئی تو ایک بات یہ بھی دل میں گزر رہا ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ میں علم دین کے حصول کے ساتھ اور ایک تعلیم ہوتی تو سونے پر سہاگہ ہوتا، یہاں ان تمام امور سے صرف نظر کہ یہاں کے نظام تعلیم میں کونسی خامیاں ہیں، جن کی وجہ سے بہت سی پریشانیاں لاحق ہوجاتی ہیں، اگر یہاں دینی تعلیم کے ساتھ کسی بھی نوعیت کی صنعت وحرفت کی تعلیم ہوتی تو مدارس دینیہ سے فارغ شدہ طلباء زندگی کی بہت ساری پریشانیوں سے بچ گئے ہوتے، اور طلباء کے معاشی مستقبل کا سوال بھی حل ہوجاتا، اس حوالے سے مدارس دینیہ کے ارباب

بست وکشاد سے التجا ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاری یا کسی بھی صنعت و حرفت کی طرف توجہ مبذول کی جائے، تا کہ ہمارے علماء اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے دردر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جائیں، اور زندگی کی دوڑ میں دنیا کے کسی بھی مکاتب فکر سے نکلنے والے انسانوں سے پیچھے نہ رہ پائیں، اور یاد رہے کہ اگر دنیا میں جینا ہے تو معاشی واقتصادی مشکلات کو حل کر کے ہی جینا ہے۔ طلبائے مدارس دینیہ کے معاشی مسائل کا حل خود معلم کے ذریعے سے ہوجائے تو بہت بڑا کام ہوگا، مگر اس بات پر خاص توجہ رہے کہ جدید اسکولوں اور کالجوں کے بعض فارغین کی طرح صرف مادہ ہی مقصد نہ ہونے پائے، اور حال تو یہ ہے کہ ان جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو مادیات اور دنیاداری نے کسی بھی انسانی مشکلات کے حل کے لئے عملی قدم اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے، بعض جدید تعلیم یافتہ لوگ ہر چیزوں کا حل مادیت ہی میں دیکھتے ہیں، ادھر ہمارے اکثر علمائے کرام بھی ضروریات زندگی یا دوسرے الفاظ میں مشکلات زندگی کے حل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک عالم جمود میں ہی پڑے ہوئے ہیں، اگر علمائے کرام علم دین کے ساتھ ضروریات زندگی کے حل سے واقف ہوجائیں تو وہ دنیا کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے کے قابل ہو جائیں گے، اور خود ان حضرات کا وجود انسانیت کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہوگا، میں اللہ تعالی سے ہمیشہ یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے ہمارے علمائے دین اور مدارس دینیہ کے ساختہ پرداختہ حضرات کو مزید فعال اور کام کے بنادے۔

محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے اپنے ایک بیان کے دوران کہا ہے کہ:

''ہماری قوم پر مجموعی طور پر مادیت پسندی کا غلبہ ہوگیا ہے، ہر کجا لوگ صرف اور صرف مادی ترقی کے لئے کوشاں نظر آرہے ہیں، علماء ہوں یا دانشوران، دیگر

طبقے کے لوگ ہوں یا عوام ہر کوئی مادیت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، یوں تو بہت سے لوگ یہ کہتے ہوئے پھرتے ہیں کہ ہماری کامیابی اور کامرانی علم کے حصول کے بغیر ممکن نہیں، لیکن میرے ناقص خیال میں ان لوگوں کا یہ بیان زبانی جمع و خرچ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں، بات یہ ہے کہ ہمارے لوگوں میں علم کا شوق بہت کم پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں ہماری قوم میں جتنے بھی لکھنے والے افراد پائے جاتے ہیں، وہ بڑی مشکلات ومعضلات کے شکار ہیں، زندگی گزارنے کے سروسامان کے لئے ترس رہے ہیں، ان کے لئے ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح مشکل حالات سے دامن بچا نہیں پا رہے ہیں، یہ تو ظاہر ہے کہ علمی زندگی کی ترقی و تطویر کی ضمانت دو چیزوں پر منحصر ہوتی ہے، یا تو اہل علم کے پاس اتنی دولت و ثروت ہو جس کے بل بوتے پر وہ علم کی خدمت کرسکے، وہ تصنیف وتالیف اور دراسہ وتحقیق کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرسکے، یا تو وہ دنیاوی امور کے حوالے سے بس قوت لایموت پر اکتفاء کرتے ہوئے مادی ترقی وسربلندی سے آنکھیں پوری طرح بند کرکے علم وفن کی خدمات انجام دے۔

ہمارے اہل دولت وثروت علم کی اہمیت بہت ہی کم دیتے ہیں، ان کے نزدیک حصول دولت کے لئے کوشش ہی سب کچھ ہے، اس حوالے سے مغرب اور اہل مغرب بڑی داد کے قابل ہیں، وہاں کی قوموں نے علم اور اہل علم کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں، ان کی قدر کی ہیں، علم کی ترقی کے لئے ان اہل علم کی سہولیات کے تمام سروسامان مہیا کئے ہیں، ان کو دیگر امور سے کلی طور پر فارغ البال بنایا ہے، ویسے وہاں کے اہل علم ودانش نے وہ خدمات انجام دیں جو ممکن ہے کہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اور ساری دنیا نے ان کی ان کاوشوں سے فائدہ اٹھایا تھا، اور آئندہ بھی اٹھائے گا، مغرب میں علم اور اہل علم پر اتنی دولتیں لٹائی

گئیں اور ان اہل علم سے علم کی خدمت لینے کے لئے ان پر اتنی ثروتیں نچھاور کی گئیں جن کے تصور سے بھی دل خوش ہوجاتا ہے، آخرکار انہوں نے علم وفن کی وہ خدمت کی جو ہمیشہ قابل داد اور لائق صد آفرین رہے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کو ترقی کے لئے تین چیزوں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، ان میں سے ایک صحت جسمانی، دوسری ہوش وخرد، اور تیسری کیرکٹر، ان تینوں کے بغیر انسان کسی صحیح اور برمحل مقصد اور کامیابی کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا، تاہم ان تینوں چیزوں میں کیرکٹر کی سب سے بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے عزائم بلند نہ ہوں، ان بلند عزائم کی تکمیل کے لئے شوق، محنت، مستعدی، قربانی، ارادے کی پختگی، ایمان کامل اور طبیعت پر قابو پانے کے جذبات نہ ہوں تو وہ کتنے بھی قوی الجثہ، مضبوط جسم کا مالک کیوں نہ ہو، کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، اور یہ بھی یاد رہے کہ قومی معاملہ میں صرف ا ورصرف تیز وطرار دماغوں سے فائدہ اٹھایا نہیں جاسکتا ہے، اس کے لئے اعتدال کی اہمیت سے انکار کبھی نہ کیا گیا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

اب گزارش ہمارے اہل ثروت سے یہی ہے کہ وہ اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی کوشش کریں، علم اور اہل علم کی طرف توجہ دیں، علم کی ترقی کے لئے ان کو فارغ البال بنائیں، اور یاد رہے کہ جس طرح ایک معاشرہ کی ترقی کے لئے دولت کی ضرورت ہے اسی طرح علم کی بھی نہایت اہمیت ہے"۔

ہمارے قومی رہنماؤں کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے ایک بیان کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

"میرے خیال میں ہمارے قومی رہنماؤں نے بعض چھوٹی چھوٹی چیزوں کو قوم کے سامنے نہایت بڑا بنا کر پیش کیا تھا، سیاسی اور انقلابی نقطۂ نظر سے دراصل وہ چیزیں تھوڑی اہمیت بھی نہیں رکھتی تھیں، انہوں نے اس نکتے کو سمجھنے میں خاصی غلطی کی کہ ایک جزوی اور مشکوک سیاسی ومعاشرتی امر کے لئے پوری قوم کے

مستقبل اور سارے سیاسی وانقلابی پروگرام کو خطرے مـیں ڈالنا قومی ہمدردی، ملی حمیت کا مترادف بالکل نہیں ہے، ایک انسان کو اپنی معاشرتی و سماجی اور سیاسی وانقلابی زندگی کے لئے ہر وقت مفاہمت باہمی کا راستہ اختیار کرنا گزیر ہے، انسان کو انسان بن کر رہنا چاہئے، اجتماعی زندگی میں رہتے ہوئے کام کرنے والوں کو کام کرنا چاہئے، ویسے باہمی مفاہمت اور ایک دوسرے کے نقطۂ نگاہ سمجھنے ہی پر تو انسان کی احتماعی زندگی کی بنیاد ہے ، ہمارے قائدین میں سے بعض حضرات کو ایسا بھی دیکھا گیا کہ وہ ایک مشکوک مقصد کے حصول کے لئے کمزوری کی حد تک مگن ہو گئے، اور اس کی تکمیل کے لئے اتنے مصر ہو گئے جیسا کہ اس کے بغیر ان کے جذبات کی تسکین نہیں ہو پا رہی تھی، اور جب اس راہ پر وہ نامراد ہو گئے تو ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ ان کی تمام تر کاوشیں ایک غیر ضروری امر پر ہوئی تھیں، نامرادی کے بعد افسوس پر افسوس کرنے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟۔

اسی طرح اور اقتباس بھی ملاحظہ ہو کہ:

’’یہ ایک عجیب وغریب حیرت کی بات ہے کہ آج ہماری برادری کے جوانان اور نوجوانان ان کا تعلق وطن مقدس کے اندروں سے ہو یا دنیا کے گوشے گوشے سے، ہر کجا ان کی زندگیاں ایک طرح کی بے مقصد کی زندگیاں ہو گئی ہیں، سرزمین ارکان کے مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ ہمارے کتنے جوانان اپنے عزم و ہمت اور قوت ارادی کی کمی کی وجہ سے اپنی قوتیں بے کار چیزوں میں ضائع کر رہے ہیں، اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ ہمارے ان آورگان فکر و عمل کو اگر صحیح راستے پر لایا جائے، اور خداوند قدوس کی توفیق سے انہیں بھی صحیح قدم اٹھانے کی توفیق ہو جائے تو ہمارے جوانان ونوجوانان انشاء اللہ بہت جلد منزل مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔

اے جوانان ارکان! یاد رکھو کہ تمہیں اپنا کام خود کرنا ہے، کام بذات خود کئے بغیر دوسروں پر امیدیں وابستہ رکھنا ایک طرح کی بزدلی کی علامت ہے، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے اگلی نسلوں کو بزدلوں میں شمار کیا جائے، خدانہ خواستہ اگر تمہاری یہ حالت نہ بدلی، اور تم غفلت میں پڑ کر اوروں پر اپنی امیدیں وابستہ کر رکھو گے تو تمہاری اس حالت کو بدلنے کے لئے دنیا کے کوئی لوگ نہیں آئیں گے، اللہ تعالی کے اس فرمان کو ہمیشہ مدنظر رکھو کہ: ’’ **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر ما بأنفسهم** ‘‘ اور یوں بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ کمزور اور شکستہ خوردہ قوموں کا ساتھ کوئی نہیں دیتا ہے، جو قوم طاقتور ہو، اپنا دفاع آپ کرنا جانتی ہو، اس نے اپنا مستقبل اور اپنی تقدیر کو خود سنوارنا سیکھا ہو، دنیا بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔

آج ہماری زندگی خود اپنے ہی وطن میں موت وحیات کی کشمکش میں پڑی ہوئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنی بقاء واستحکام کے لئے کتنے کام کر سکتے ہیں، ہمارا مطالبہ جو ہم نے عرصۂ دراز سے کر رکھا ہے وہ کس طرح پورا سکتا ہے، ایک قوم کی حیثیت سے ہمارا غصب شدہ حق کس طرح واپس لیا جاسکتا ہے، ہمارا چھینا ہوا وطن ہمیں کس طرح واپس لینا ہے، ہماری قومی خود مختاری، آزادی اور قومی سالمیت کس طرح بحال ہوسکتی ہے؟ یہ تمہیں سوچنا ہے‘‘۔

آٹھواں باب

ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA)

ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی ناکامی اور شدید ناکامی کے بعد روہنگیا لیڈروں نے بین الاقوامی چند دانشوروں کے عموما اور بنگلا دیشی چند دل جلے مصرین، قومی لیڈران اور سابق چند جنرلوں کے تعاون سے ۲۰/نومبر/۲۰۲۲ء میں ایک سیاسی الائنس قائم کیا، جس کے روح رواں محترم نورالاسلام صاحب اور ڈاکٹر محمد یونس صاحبان سمجھے جاتے ہیں، اور اس الائنس کے موسس چیرمین جناب نورالاسلام صاحب جب کہ چند نائب صدور میں محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب نمایاں ہیں۔(۱)

ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کا منشور:

ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) ایک سیاسی یونین ہے، جس کی بنیاد ۲۰/نومبر/۲۰۲۲ء کو رکھی گئی تھی، اس الائنس کی تشکیل روہنگیا سیاست دانوں اور مختلف روہنگیا تنظیموں سے

(۱) یہاں ایک گزارش ہے کہ میری بعض کاوشوں میں بعض باتیں اور بعض پیراگراف یا مقالات دہرائے بھی جاتے ہیں، وہ اس لئے بھی ہے کہ جن بعض افراد وشخصیات کی زندگیاں زیرقرطاس کی جاتی ہیں ان کی اکثریت ایک ہی زمانے کے ایک ہی کام میں سرگرم عمل تھے اور ہیں، اس لئے باتیں دہرائی جاتی ہیں، پھر بھی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ میری اس جرات زندانہ اور ایک قسم کی مجبوریوں کو نظرانداز کیا جائے۔(مولف)

تعلق رکھنے والے کارکنوں، بیرون ملک مقیم روہنگیا افراد اور روہنگیا وطن کے بزرگوں کے درمیان وسیع بات چیت کا نتیجہ ہے۔

روہنگیا کو دنیا کے سب سے زیادہ ستائے جانے والے افراد کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، انہیں برمنائزیشن کے تحت غیر قانونی قرار دینے، ادارہ جاتی ظلم وستم اور بدترین بدسلوکی کے مسلسل عمل کا سامنا ہے، ۲۰۱۷ء میں اکیسویں صدی کی سب سے بڑی نسل کشی میں سے ایک کے نتیجے میں ارکان سے ایک ملین سے زیادہ روہنگیا کسی طرح زندہ بچ جانے والوں کو بنگلادیش میں پناہ لینے پر مجبور کیا گیا، جہاں وہ کمزور پناہ گزین کیمپوں میں رہتے ہیں، حکومت بنگلادیش بین الاقوامی امدادی تنظیموں کی امداد سے انسان دوستی کا حق ادا کررہی ہے، اب روہنگیا واپسی کا حق بشمول ''حق خود ارادیت'' روہنگیا کے حقوق میں سرفہرست ہے، مظالم کے خلاف اتنی کوششوں کے باوجود آج تک ارکان میں روہنگیا کے خلاف نسل کشی اور جرائم کا سلسلہ جاری ہے۔

اقوام عالم بشمول اقوام متحدہ کی اعلیٰ ترین عدالت ''انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس'' کو واضح ہو کہ ارکان کے کھلے جیل خانے میں پھنسے پانچ لاکھ سے زیادہ روہنگیا تباہی کے شدید خطرے میں ہیں، میانمار کی فوج کے پاس روہنگیا بحران کو حل کرنے کے لئے کوئی حقیقی سیاسی ارادہ نہیں ہے، کیونکہ وہ روہنگیا کی آبادی کو بے تحاشہ عصبیت کے ساتھ ختم کرنے اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی جاری رکھنے کے ساتھ اپنے مجرمانہ مقصد کو حاصل کرنے پر تلی ہوئی ہے، اس طرح روہنگیا نسل کشی عالمی برادری کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

اس مشکل صورت حال میں روہنگیا لوگوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ''ارکان روہنگیا نیشنل الائنس'' (ARNA) کی بنیاد ''حق خود ارادیت'' کے حق کی واپسی اور روہنگیا لوگوں کے دیگر تمام اہداف کے حصول کے لئے رکھی گئی ہے، فیڈرل ڈیموکریٹک یونین آف برما/میانمار کی بحالی کی خواہش کے ساتھ ہم یہاں اعلان کرتے ہیں کہ:

(1) روہنگیا بنیادی طور پر ارکان کی ایک مسلم کمیونٹی کا نام ہے، جو ارکان میں ایک طویل تاریخ اور روشن ثقافت کے ساتھ مقیم ہیں، جو برما/میانمار کے مقامی ہیں، ان کا تعلق بنگال، فارس اور عرب کی

اعلیٰ ثقافتوں سے رہا ہے، ان کی شاندار تہذیب ارکان کے تمام لوگوں کے لئے ایک تحفہ تھی، صدیوں تک ارکان بین الاقوامی تجارت میں ترقی کرتا رہا اور اپنے لوگوں کو نئے خیالات کی تعلیم دیتا رہا ہے، آج ان کی اپنے ہی وطن میں نسل کشی ہو رہی ہے، یہاں انہیں برداشت نہیں کیا جاتا ہے، اور اقوام متحدہ نے انہیں دنیا کے سب سے زیادہ ستائے جانے والے افراد قرار دیا ہے۔

(2) ارکان ہمارا وطن ہے، ہماری جان ہے، اور چونکہ ہمارے پاس کوئی دوسرا وطن نہیں ہے اس لئے ہم اس کے لئے آخری دم تک لڑیں گے، اور ہم اسے کبھی نہیں چھوڑیں گے، ہمیں اس سے جسمانی، ذہنی اور روحانی لگاؤ ہے۔

(3) روہنگیا کی شناخت ان کی حقیقی، ضروری اور موروثی خصوصیات پر مبنی ہے، جو والدین سے بچوں میں منتقل ہوتی ہیں، روہنگیا لوگوں کو آنے والی آفات کے ذریعے منتشر کرنے سے انہیں اپنی روہنگیا شناخت اور روہنگیا کمیونٹی میں ان کی رکنیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(4) روہنگیا عوام خواہ وطن میں ہوں یا اپنی پناہ گاہوں میں، ایک قومی محاذ پر ہیں، ہم کمیونٹی کی خدمت کے لئے ان کو منظم کریں گے، اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر قسم کے مثبت عمل اور سرگرمیاں جاری رکھیں گے، ہمارے نوجوان ہمارے معاشرے کے لئے ضروری اثاثہ ہیں، ہم اپنے نوجوانوں کی ترقی کے پروگرام شروع کریں گے، اور ان میں تعلیم اور صحت کو فراغ دیں گے، اور ان کی مناسب تربیت کے ذریعے ان کی انسانی خصوصیات کو بہتر بنائیں گے، تاکہ مسلسل چیلنجز کا مؤثر طریقے سے مقابلہ کیا جاسکے۔

(5) ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کی جدوجہد روہنگیا لوگوں کے ''حق خودارادیت'' اور ''حق واپسی'' کے حصول کے لئے ہے، یہ روہنگیا لوگوں کی طویل اور بہادرانہ مزاحمت کا تسلسل ہے، ناانصافی، ظلم وستم اور نسل کشی سمیت ہر قسم کے مظالم کے خلاف لڑنے والے ہم اپنے ان تمام شہداء کو سلام اور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے روہنگیا لوگوں کی آزادی، خودمختاری کے دفاع میں اپنی قیمتی جانیں قربان کیں، اور ہم انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

(6) ہم ''روہنگیا قومی چارٹر'' میں بیان کردہ اپنے تمام اہداف کو حاصل کرنے کے لئے ایک

شفاف، جوابدہ، جامع اور اصولی انداز میں متحد ہو کر کام کریں گے۔

(7) ہم ''تنوع میں اتحاد'' کے متفقہ اصول پر ''پرامن بقائے باہمی'' کو برقرار رکھنے کے لئے پرعزم ہیں، ہم برما کی تمام کمیونٹیز کے ساتھ حمایت اور یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ملک میں نسلی اور مذہبی اقلیتوں کو ستایا جاتا ہے۔

(8) اتحاد میں طاقت ہے، ہم ہر روہنگیا خواتین وحضرات کو ایک ضروری اثاثہ کے طور پر دیکھتے ہیں، خاص طور پر نوجوان ہمارے مستقبل کے اثاثے اور رہنما ہیں، ہم ان کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں، اور دعوت دیتے ہیں کہ وہ ARNA میں شامل ہو جائیں اور ساتھ ہی ساتھ ارکان روہنگیا قومی چارٹر کے تحت متحد ہو جائیں، جو روہنگیا لوگوں کی امیدوں اور امنگوں کی عکاسی کرتا ہے۔

(9) ہم مستعمرین کی کالونائزیشن پر مبنی تمام کاروائیوں کی شدید مذمت اور مخالفت کرتے ہیں، شمالی ارکان میں روہنگیا کی زمینوں پر قبضے کے ساتھ انتہائی غیر انسانی طریقے سے ان کو اپنے گھروں سے بے دخل کیا جارہا ہے، ان میں روہنگیا نسل کشی سے بچ جانے والے افراد بھی شامل ہیں، جن میں سے زیادہ تر افراد پڑوسی ملک بنگلا دیش میں پناہ لئے ہوئے ہیں، روہنگیا کے علاقوں پر دیگر نسلی گروہوں کو آباد کیا گیا اور جارہا ہے، یہاں ملک کے اندر اور باہر سے آنے والے بدھ مت کے لوگ آباد کئے جارہے ہیں، یہ ایک خطرناک اسکیم ہے جو آبادی میں سنگین تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے، یہ غیر قانونی منصوبہ قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔

(10) ۱۹۸۲ء کی برمی شہریت کا قانون روہنگیا لوگوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا سب سے ظالمانہ قانون ہے، یہ بین الاقوامی روایتی قانونی معیارات کے کئی بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی پر مبنی ہے، اور جو ۱۹۴۸ء کے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور روہنگیا کو ان کے حقوق کے حوالے سے قانونی تحفظ سے محروم رکھتا ہے، اس قانون نے روہنگیا شہریت کے بحران کو برقرار رکھا ہے، جس نے انہیں ظلم وستم اور امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا ہے، انہیں ان کے آبائی ملک میں بے وطن کر دیا ہے، اس طرح کے ظلم وستم اور انتہائی امتیازی سلوک بنیادی انسانی اصولوں کی مکمل بے توقیری پر مبنی ہے، یہ اقوام متحدہ کے مقاصد کے خلاف

ہے، یہ بچوں کے حقوق کو پورا کرنے کے میانمار کی ذمہ داری سے متصادم ہے، جیسا کہ اقوام متحدہ کے حقوق اطفال ۱۹۸۹ء کے کنونشن کے آرٹیکل 7 / 1 کے ذریعے طے کیا گیا ہے، یادرہے کہ میانمار نے ۱۹۹۱ء میں اس کی توثیق کی تھی، چنانچہ اس جابرانہ اور امتیازی سلوک پر مبنی قانون کو فوری طور پر منسوخ کیا جانا چاہئے۔

(11) ہم برما میں یکم/فروری/ ۲۰۲۱ء کی فوجی بغاوت کی شدید مذمت کرتے ہیں، اور ہم تمام جمہوری قوتوں کے ساتھ مل کرنا جائز اور آمرانہ فوجی حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے پرعزم ہیں، تاکہ ایک وفاقی جمہوری یونین کی بحالی ممکن ہو، اور تاکہ برما کے تمام لوگوں کی جمہوری امنگوں کا احترام کیا جاسکے۔

(12) ہم برما/میانمار یونین کی نیشنل یونٹی گورنمنٹ (NUG) کا احتیاط کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں اور NUG اور دیگر اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ مل کر کام کرنے کی بھرپور خواہش رکھتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بہت ضروری ہے کہ وہ ارکان میں روہنگیا کے وجود کے حق کو یقینی بنانے کے لئے مکمل اور موثر مساوات کے ساتھ ''حق واپسی'' اور ان کے ناقابل تنسیخ ''حق خودارادیت'' پر اپنی واضح پالیسیوں کا اعلان کرے۔

(13) اس کے علاوہ یہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ NUG:

(a) احتساب کی قابل اعتماد کوششوں کی حمایت کرے، اور روہنگیا کے خلاف ماضی میں کئے جانے والے تمام جرائم کو تسلیم کرے۔

(b) نیشنل یونٹی گورنمنٹ میانمار پر اقوام متحدہ کے آزاد بین الاقوامی فیکٹ فائنڈنگ مشن کے نتائج اور سفارشات کو قبول کرے، اس میں ایک غیر واضح اعتراف بھی شامل ہے کہ اقوام متحدہ کے فیکٹ فائنڈنگ مشن کے مطابق روہنگیا کے خلاف نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

(c) نیشنل یونٹی گورنمنٹ میانمار کے مقامی لوگوں کے طور پر روہنگیا کے موروثی عالمی حقوق اور نسلی شناخت کے تحفظ کے لئے ایک جامع اور پائیدار حل کا عہد کرے، بشمول وفاقی چارٹر،

نئے آئینی عمل، اور NUG کی طرف سے وضع کردہ وژن کے ذریعے۔

(14) یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ روہنگیا اور رکھائنگ صدیوں سے ارکان میں کامل دوستی اور امن وآشتی کے ساتھ رہتے تھے، لیکن میانمار کے منتظمین، سیاست دانوں اور یکے بعد دیگرے آنے والی فوجی حکومتوں نے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی منصوبہ بند پالیسی کے تحت دو مقامی کمیونٹیز کو نسلی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم کرتے ہوئے آپس میں لڑادیا ہے، بدقسمتی سے اس مجرمانہ پالیسی نے ارکان کے دو قوموں کو ان کی تاریخ کے گہرے اور مہیب گڑھے میں ڈال دیا ہے، جس کی حمایت نسل پرستوں اور عنصریت پسندوں نے کی ہے، جو بار بار ارکان کو بدھ مت کے علاقے میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھتے ہیں، اس حوالے سے ہم یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ آف ارکان (ULA)/ ارکان آرمی (AA) پر زور دیتے ہیں کہ وہ حقیقی طور پر روہنگیا لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں، تاکہ ارکان کے تمام لوگوں بشمول چن، مرو، کومی Dainnet (چکما)، تھیٹ اور ہندو، وغیرہ کے لئے ایک بہتر اور روشن مستقبل بنایا جا سکے، اور سرزمین ارکان کو دوبارہ عظیم سے عظیم ترین بنانا ممکن ہو۔

(15) میانمار کی فوجی حکومت بتدریج روہنگیا کی تاریخ، اسلامی ثقافتی ورثے اور آبادی کو تباہ اور تبدیل کر رہی ہے، مسلسل ظلم وستم کے ذریعے تاریخی طور پر روہنگیا یا مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے، دیگر غیر برمن لوگ، خاص طور پر عیسائیوں اور ہندوؤں کو بھی مذہبی ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور بنایا جاتا ہے، ہم اپنے لوگوں کے درمیان اسلامی ثقافت کے تحفظ اور ترقی کے لئے پرعزم ہیں، بغیر کسی قسم کے تعصب کے دوسروں کے تحفظ اور ترقی کے لئے بھی خواہاں اور کوشاں ہیں، تاکہ ہمارے وطن اور ملک میں مقامی اور مذہبی ثقافتیں روشن ہوسکیں۔

(16) ۱۹۴۲ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران، گمراہ برما انڈیپنڈنس آرمی (BIA) سے منسلک شاونسٹ رکھائنگ لیڈروں کے اشتعال دلانے پر بدھ رکھائنگ کے ذریعہ تقریباً ۱۰۰۰۰۰ بے گناہ مسلمان ارکانیوں کا قتل عام کیا گیا تھا، اس دوران مسلمانوں کے وسیع اور پرانے علاقوں اور بستیوں کو خالی کروایا گیا، خاص طور پر کالاڈان اور لیمرو ڈیلٹا کے علاقے، انہیں غیر مسلم یا بڈھسٹ علاقوں میں

تبدیل کر دیا گیا، لیکن پھر بھی ان کی اولادیں ان کے اپنے وطن واپس جانے کے لیے تیار ہیں۔

(17) برما کی آزادی کے بعد سے روہنگیا کی زمینوں پر قبضے کے ساتھ ان کو اپنے گھروں سے بے دخلی کا سلسلہ تیزی سے جاری رہا، اور اس کا حالیہ سلسلہ ۱۹۶۲ء کی فوجی حکومت سے زیادہ منظم ہے، ۲۰۱۷ء میں سینکڑوں اور ہزاروں روہنگیا مردوں، عورتوں اور بچوں کی ایک بار پھر اجتماعی مظالم سے فرار ہونے کی تصاویر سے دنیا حیران اور ششدر رہ گئی ہے، یہاں خاندانوں کا قتل عام ہوا ہے، مسلمانوں کی اجتماعی قبروں کے سراغ مل گئے، یہاں سینکڑوں مسلم بستیاں جھلسائی گئیں، ہزاروں مکانات کو جلا کر بھسم کیا گیا، مسلم عزت مآب خواتین کی اجتماعی عصمت دریاں کی گئیں، بچوں کو آگ میں جھونک دیا گیا، اور دس لاکھ سے زیادہ روہنگیا کو زبردستی بنگلا دیش میں دھکیل دیا گیا ہے، جس سے علاقائی عدم استحکام اور خطرات پیدا ہوئے، بین الاقوامی امن اور سلامتی خطرے میں پڑ گئی، ہم بنگلا دیش کے عوام وحکومت اور دیگر وصول کنندگان کے شکر گزار ہیں، یکجہتی اور ہمدردی کے ساتھ ہمارے بے سہارا لوگوں کو پناہ دینے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے ممالک کے بھی نہایت شکر گزار ہیں، ہم ظالموں کے انسانیت سوز اقدامات کو کبھی نہیں بھولیں گے۔

(18) آج بنگلا دیش میں ۱/۲ ملین سے زیادہ روہنگیا مقیم ہیں، جن میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ۲۵/اگست/۲۰۱۷ء سے پہلے آئے تھے، ان کے لئے اب سب سے اہم بات بنگلا دیش اور دیگر پناہ گزین ممالک سے وطن واپسی ہے، یاد رہے کہ واپسی کا حق بین الاقوامی قانون کے چار اداروں کا بیان کردہ ہے: قومیت کا قانون، انسانی حقوق کا قانون، انسانی آزادی کا قانون اور پناہ گزینوں کا قانون، ہم تمام روہنگیا پناہ گزینوں کی رضا کارانہ، محفوظ، باوقار اور پائدار واپسی کے لئے کوشش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، بشمول اکیاب اور جنوبی قصبوں میں زبردستی اور اندرونی طور پر بے گھر افراد (IDPs) کے، ہم مناسب معاوضہ کے ساتھ ارکان میں انہیں ان کے اپنے اصل گھروں اور مقامات پر واپسی کو یقینی بنائیں گے، ہر کسی کو بخوبی علم ہو کہ زمین لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے، ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام پچھلی اراضی اور زمینی جائدادیں مہاجرین کی واپسی پر انہیں مکمل طور پر واپس کیا جائے۔

(19) برما میں مستزاد اور دوسری جگہوں پر ناپسندیدہ ۲۰۰۸ء سے ہزاروں روہنگیا نے محفوظ پناہ گاہ اور تحفظ کی تلاش میں ملائیشیا سمیت دیگر جنوبی مشرقی ایشیائی ممالک کی طرف کشتیوں کے ذریعے خطرناک سفر کیا، بھاگنے والے لوگ اکثر انسانی اسمگلروں اور لالچی استحصال کرنے والوں کے نشانے بنے، ویسے بہت سے لوگ بھوکے پیاسے مر گئے ہیں، تھائی ملائشیا کی سرحد پر روہنگیا کی اجتماعی قبریں دریافت ہو چکی ہیں، اسی طرح خلیج بنگال، بحیرہ انڈمان اور آبنائے ملاکا روہنگیا کے لئے قبرستان بن گئے ہیں، اس طرح روہنگیا مہاجرین کا بحران ایک علاقائی بحران بن چکا ہے، اب مسلسل ظلم وستم اور نسل کشی کے باعث روہنگیا موت کا خطرہ مول لینے کے لئے مزید بے چین ہو گئے ہیں، خطے کے تمام ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ سمندر اور بحر بیکراں حفاظت کے متلاشی لوگوں کے لئے مزید قبرستان نہ بن جائے، اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے بنگلا دیش کو تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا، میانمار میں روہنگیا کے تحفظ کے لئے ایک مربوط علاقائی ردعمل کی اشد ضرورت ہے، بیرون ملک پناہ گزینوں کے کیمپوں میں اور سمندر میں روہنگیاؤں کو پھینکا جا رہا ہے، میانمار کے حکام پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ ان کی بحفاظت وطن واپسی کے لئے ضروری اقدامات کریں، جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کی تنظیم (آسیان) کے اراکین کو خطے کے پناہ گزینوں کے تحفظ کو بہتر بنانے کے لئے علاقائی تعاون کو بڑھانا چاہئے۔

(20) ارکان میں روہنگیاؤں کی نسل کشی راتوں رات ہوئی، اور بغیر کسی وارننگ/اطلاع کے ہوئی، تاہم روہنگیا لوگوں کی منظم تباہی کئی دہائیوں پہلے برما میں شروع ہوئی، بڑی حد تک ۱۹۶۲ء کی فوجی حکمرانوں کے دور حکومت میں ہوئی، اور اگست/۱۹۱۷ء میں بدترین ہوئی، ویسے ۲۵/اگست/۱۹۱۷ء کا دن ہمارے لئے، ہمارے لوگوں کے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ''روہنگیا نسل کشی'' کے طور پر ایک یادگار دن ہے۔

(21) ہم انصاف اور احتساب کی تلاش مسلسل جاری رکھیں گے، تاکہ روہنگیا متاثرین کو انصاف ملے اور ارکان میں تشدد کا چکر نہیں دہرایا جا سکے، تمام مجرمین کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے، جس میں میانمار کی صورتحال کی اطلاعات اور دستاویزات بین الاقوامی فوجداری عدالت (آئی سی

سی) اور دیگر بین الاقوامی ٹریبونلز اور متعلقہ فورمز کو بھیجنا بھی شامل ہے، اور دنیا کو یہ دکھانے اور بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ ایسی وحشیانہ کارروائیوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

(22) ہم سماجی، ثقافتی، اقتصادی، تعلیمی، صحت کے امور کی دیکھ بھال کے ساتھ تکنیکی شعبوں میں روہنگیا لوگوں کی بہبودی اور ترقی کے لئے ضروری اقدامات اور لازمی پروگرام شروع کریں گے، ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ تمام بچوں کو اچھے معیار کی بنیادی تعلیم تک رسائی حاصل ہو، اور ہماری طرف سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہونہار طلبہ کی مناسب حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

(23) ہم ایک مستحکم، پرامن اور فلاحی معاشرہ قائم کریں گے، جس کی بنیاد تمام لوگوں کے لئے مکمل آزادی، مساوات، جمہوریت اور انسانی حقوق پر ہو، جو نسل، رنگ، مذہب یا کسی بھی قسم کی تفریق و عصبیت سے مکمل طور پر خالی ہو۔

(24) روہنگیا خواتین اور لڑکیاں میانمار کی فوجی حکومت کے ظلم وستم کی شکار ہیں، حکومت کے افسروں، سپاہیوں اور فوج کی سرپرستی میں چلنے والے غیر ریاستی عناصر نے منظم طریقے سے ان کے ساتھ انتہائی خوفناک بدسلوکی اور زیادتی کی ہے، ہم پناہ گزین روہنگیا خواتین، بیواؤں اور یتیموں کی زندہ رہنے کی جرات مندانہ کوششوں کو سلام اور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، ہم انتہائی احترام اور مکمل حفاظت اور تحفظ کے نئے ماحول میں اقتصادی اختیارات کے ساتھ روہنگیا خواتین اور لڑکیوں کے مستقبل کے لئے تعلیم اور صحت کے حقوق کی حمایت کرتے ہیں۔

(25) میانمار سے اس کی فوجی حکومت کی مکمل شمولیت سے نکلنے والی خطرناک منشیات نے ایشیا اور دنیا کے تمام لوگوں کے لئے ایک خوفناک مشکلات پیدا کی ہیں، ہم اس مہلک اور غیر انسانی تجارت کی شدید مذمت اور مخالفت کرتے ہیں، ہم اپنے نوجوانوں کو منشیات کے خطرات (بشمول ایڈز انفیکشن) کے بارے میں آگاہ کریں گے اور اپنی سرزمین میں اس طرح کی کسی بھی منشیات کی سمگلنگ کو شدت سے روکیں گے۔

(26) ہم لالچی استحصالیوں اور میانمار کی فوجی حکومت کے ہاتھوں اپنے وطن کے جنگلات کی موجودہ سنگین تباہی کے انسداد کا مطالبہ کرتے ہیں، اپنی آنے والی نسلوں کے ورثے کے لئے ہم

اپنے ماحول کی حفاظت کرنے کا عہد کرتے ہیں، بشمول جنگلات، دریاؤں، گیلی زمینوں، ساحلوں اور سمندروں کے، ہم اپنی سرزمین کو غیر پائیدار درختوں کی کٹائی، خطرے سے دوچار انواع واقسام کے قتل، ہر قسم کی آلودگی اور ضرورت سے زیادہ ماہی گیری سے بچائیں گے، تاکہ اپنے بچوں، اگلی نسلوں اور دنیا کے لئے ایک سبز پناہ گاہ کو محفوظ رکھا جا سکے۔

(27) ہم میانمار کی فوجی حکومت کے ساتھ کی جانے والی تمام کثیر القومی کارپوریٹ سرمایہ کاری کو مسترد اور بائیکاٹ کرتے ہیں، مستقبل میں کوئی بھی سرمایہ کاری اور ترقیاتی پروگرام صرف ہمارے لوگوں کی خواہشات اور بہبود کو ذہن میں رکھ کر اور ان کی مکمل باخبری، رضامندی اور نگرانی کے ساتھ کیا جانا چاہئے، مستقبل میں ملک وقوم کی ترقی پائیدار، مناسب، صاف اور عام لوگوں کے لئے مفید ہونی چاہئے۔

(28) ہم عالمی برادری، اقوام متحدہ (UNO)، اسلامی تعاون تنظیم (OIC) اور اس کے رکن ممالک، آسٹریلیا، ولایات متحدہ امریکہ، برطانیہ، یوروپین یونین، آسیان، برما کے پڑوسی ممالک اور بنگلا دیش سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ روہنگیا دیرینہ بحران اور ان کے تمام مسائل کا پائیدار اور مستقل حل تلاش کریں۔

تاریخ: ۳۱/دسمبر/۲۰۲۲ء

روہنگیا اتحاد کے بارے میں اعلان:

1۔ کم از کم ۲۰۱۲ء کے بعد سے روہنگیا لوگوں کو جس المیے کا سامنا ہے، اس کے بارے میں وضح رہے کہ ارکان میں ۲۰۱۷ء میں کی جانے والی "روہنگیا نسل کشی" اپنے عروج کو پہنچ گئی اور جواب بھی جاری ہے، جس کے نتیجے میں ارکان سے دس لاکھ سے زیادہ روہنگیا کی بنگلا دیش اور دیگر ممالک میں تازہ نقل مکانی ہوئی ہے۔

2۔ جبکہ عالمی برادری نے ۲۰۱۷ء میں بڑے پیمانے پر نقل مکانی کے پانچ سال بعد بھی روہنگیا لوگوں کو بار بار مایوس کیا ہے۔

3۔ہم متعلقہ بین الاقوامی فورمز کے ساتھ ساتھ میانمار کے حکام، میانمار کی اپوزیشن، یا اسٹیک ہولڈرز سمیت متعلقہ فریقوں کے ساتھ کئے جانے والے تمام اندرونی اور بیرونی مذاکرات میں روہنگیا لوگوں کی متفقہ نمائندگی کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ روہنگیا نمائندوں کی موجودگی کے ساتھ ان کے مسائل کے حل تلاش کرنے کا نتیجہ زیادہ پرکشش ہوگا۔

4۔تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی منظرنامے کے تناظر میں روہنگیا کے حقوق کی بحالی کے ساتھ میانمار کی بالعموم اور ارکان کی بالخصوص آزادیوں کو یقینی بنایا جائے، اور ہمارا یقین ہے کہ روہنگیا لوگوں کے درپیش مختلف ومتنوع مسائل اور ان مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک متحدہ، مضبوط اور قابل اعتماد روہنگیا سیاسی قیادت کی اشد ضرورت ہے۔

5۔بین الاقوامی برادری، میانمار اور ارکان کی سیاست کے اسٹیک ہولڈرز، اور پڑوسی ملک بنگلا دیش کی طرف سے روہنگیا لوگوں کی واحد نمائندہ تنظیم کے قیام کی ضرورت پر زور دیا گیا اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے، تاکہ وہ صورتحال اور روہنگیا کی ضروریات، مفادات اور ان سے نمٹنے کے قابل ہو، جامع فیصلوں تک پہنچنے کے لئے مؤثر طریقے سے جائز اور نیک خواہشات کے ساتھ ہمارے زیر دستخط اندرون وبیرون ملک سے تعلق رکھنے والے مختلف روہنگیا تنظیموں کے پندرہ افراد نے متفقہ طور پر درج ذیل باتوں پر اتفاق کیا ہے کہ:

1۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کے نام سے ایک سیاسی اتحاد کا قیام ہو۔

2۔اے آر این اے کا مقصد میانمار کی دیگر نسلی قومیتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوکر روہنگیا لوگوں کے ''حق خود ارادیت'' کو حاصل کرنا ہے۔

3۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) درج ذیل چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:

(a) میانمار یونین میں بشمول علاقائی سالمیت کے ساتھ خودمختاری بحال ہو۔

(b) ایک ناقابل تقسیم ارکان ریاست جس میں روہنگیا مکمل اور موثر برابری کی بنیاد پر موجود رہ پائیں۔

(c) میانمار میں ایک جامع اور فیڈرل ڈیموکریٹک یونین کا قیام ہو۔

(d) نسلی اقلیتوں کے حقوق بشمول ان کی ثقافت، زبان، تعلیم، عبادات کی آزادی اور سیاسی

اور انسانی حقوق کی بحالی اور تحفظ ہو۔

(e) تنوع میں اتحاد کے اصول پر پرامن بقائے باہمی کی ضمانت ہو۔

(f) تمام تنازعات اور سیاسی مسائل کا سیاسی طریقے سے باہمی احترام، پہچان، بات چیت/ ڈائلاک، ثالثی اور نیک نیتی کے ساتھ گفت وشنید کے ذریعے پرامن طریقے سے حل ہو۔

(g) عالمی اور بین الاقوامی قانون کے مطابق حق رائے دہی کے حق کی بحالی ہو۔

4۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) اپنے تمام اہداف کو حاصل کرنے کے لئے شفاف، جوابدہ اور جامع انداز میں متحد ہوکر کام کرنے کے لئے پرعزم ہے، جس طرح ARNA چارٹر اور قواعد وضوابط میں بیان کیا گیا ہے۔

5۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) میانمار کے حکام اور بنگلا دیش کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ارکان میں روہنگیا پناہ گزینوں اور آئی ڈی پیز میں محصورین کی مکمل حفاظت اور مناسب معاوضے کے ساتھ ان کی رضاکارانہ، محفوظ، باوقار اور پائیدار وطن واپسی، بحالی اور ان کے اصل گھروں اور مقامات پر دوبارہ انضمام کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

6۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) پوری روہنگیا کمیونٹی کو منظم، بلند حوصلہ اور فعال کرے گا، تاکہ وہ ظلم وستم، ناانصافی اور غلامی سے خود کو آزاد کرسکیں۔

7۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) نسل کشی، انسانیت کے خلاف جرائم، جنگی جرائم، دہشت گردی اور روہنگیا لوگوں کے خلاف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے مرتکب افراد کو ہر ممکن طریقے اور قانونی چارہ جوئی کے ذریعے احتساب کے لئے ضروری اقدامات کرے گا۔

8۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) بین الاقوامی برادری بشمول پڑوسی ملک بنگلا دیش، OIC اور اس کے رکن ممالک، ولایات متحدہ امریکہ، برطانیہ، یوروپین یونین، آسیان، اقوام متحدہ اور میانمار کے تمام اسٹیک ہولڈرز سے اپیل کرتا ہے کہ ARNA کو روہنگیا لوگوں کے واحد سیاسی نمائندے کے طور پر تسلیم کریں اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے حوالے سے روہنگیا کے تمام معاملات میں جو تشویش پائی جاتی ہے اسے دور کریں، اور مقامی، قومی اور مشترکہ مفاد کے

مسائل کے جامع حل کے لئے بین الاقوامی امن، استحکام اور خوشحالی کے پیش نظر کوشش کی جائے۔

9۔ارکان روہنگیا نیشنل الائنس(ARNA)ان ہمدرد حلقوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہے گا جنھوں نے ARNA کی تشکیل کے اس تاریخی فیصلے تک پہنچنے کے لئے روہنگیا رہنماؤں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

دستخط شدہ بذریعہ:

(۱) ڈاکٹر/ ابوصدیق ارمان (۲) مسٹر امان اللہ (۳) ڈاکٹر حبیب اللہ (۴) ڈاکٹر/ لامنگ (۵) او چو مینگ (۶) ڈاکٹر/ محمد یونس (۷) او نے سین لوین (۸) مسٹر نظام الحسن (عرف) رونی (۹) مسٹر نورالاسلام (۱۰) مسٹر رشید احمد (۱۱) مسٹر رضاء الدین (۱۲) مسٹر تون کھن (۱۳) زو مین ٹوٹھ (۱۴) میانمار کے سینئر سیاستدان (۱۵) میانمار کے سینئر سیاستدان۔

تاریخ: ۲۰/نومبر/۲۰۲۲ء

روہنگیا نیشنل چارٹر:

اس چارٹر کو ۱۳/فروری/ ۲۰۲۲ء میں دنیا بھر کے روہنگیا نمائندوں کے ''روہنگیا قومی کنونشن'' میں لی گئی قراردادوں کے ساتھ منظور کیا گیا ہے۔

آرٹیکل 1

روہنگیا ارکان کے بڑے مقامی لوگوں میں سے ایک ہیں، وہ یونین آف میانمار کی نسلی قومیت کے ساتھ ساتھ میانمار کے نسلی طور پر متنوع معاشرے کا ایک لازمی حصہ ہیں۔

آرٹیکل 2

روہنگیا تحریک روہنگیا لوگوں کے ''حق خود ارادیت'' کے حصول کی جدوجہد پر مبنی ہے، جو ان کی روہنگیا شناخت کی حفاظت اور اس شناخت کے بارے میں ان کے قومی شعور کو فروغ دینے کے ساتھ کسی ایسے منصوبے کی مخالفت کرتی ہے جو ممکنہ طور پر اسے تحلیل یا نقصان پہنچا سکتا ہو۔

آرٹیکل 3

روہنگیا لوگوں کی طرف منسوب چیزیں:

(a) میانمار یونین کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری یقینی ہو۔

(b) ایک ناقابل تقسیم ارکان ریاست اور روہنگیا اس میں برابر کے طور پر حصہ دار رہے۔

(c) ایک جامع اور فیڈرل ڈیموکریٹک یونین آف میانمار کی بحالی ہو۔

(d) نسلی اقلیتوں کے حقوق کی پہچان اور تحفظ بشمول ان کی ثقافت، تعلیم، عبادات کی آزادی، اور سیاسی اور انسانی حقوق کی بحالی ہو۔

(e) تنوع میں اتحاد کے اصول پر پرامن بقائے باہمی کی ضمانت ہو۔

(f) تنازعات اور سیاسی مسائل کا سیاسی طریقوں سے باہمی احترام، پہچان، مکالمے، نیک نیتی کے ساتھ گفت وشنید کے ذریعے پرامن طریقے سے حل ہو۔

(g) عالمی اور بین الاقوامی قوانین کے مطابق یہاں حق رائے دہی کی ضمانت ہو۔

آرٹیکل 4

روہنگیا لوگ ارکان میں آباد ہیں، دریائے کالاڈان اور دریائے ناف کے درمیان بنگلا دیش کی سرحد سے متصل علاقہ روہنگیا کا روایتی وطن ہے۔

آرٹیکل 5

روہنگیا لوگوں کو اپنے وطن میں قانونی حق حاصل ہے اور انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ میانمار کی وفاقی یونین کے اندر اپنی نیک خواہشات کے مطابق اور مکمل طور پر اپنی مرضی سے اپنی تقدیر کا تعین کریں گے۔

آرٹیکل 6

مختلف مقامات میں روہنگیا پناہ گزینوں سمیت روہنگیا تارکین وطن کی مستقل اور پائیدار وطن واپسی، اپنے وطن میں بحالی اور دوبارہ انضمام کے ذریعے مکمل تحفظ کے ساتھ اپنے تاریخی وطن ارکان میں واپسی کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل 7

روہنگیا کی شناخت ایک حقیقی، ضروری اور موروثی خصوصیت ہے، یہ والدین سے بچوں میں منتقل ہوتا ہے، روہنگیا لوگوں کے منتشر ہونے سے، ان آفات کے ذریعے جو ان پر آئی ہیں یا دانستہ و شعوری طور پر لائی گئی ہیں سے وہ کبھی اور کسی بھی حالت میں ان کی روہنگیا شناخت اور روہنگیا برادری میں ان کی رکنیت سے محروم نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان کی نفی کی جاسکتی ہے۔

آرٹیکل 8

روہنگیا قوم کی مذہبی شناخت، ثقافتی ورثے اور تاریخیت کا تحفظ اور فروغ، ارکان میں دیگر مذہبی اور مقامی ثقافتوں کے تحفظ اور فروغ بغیر کسی تعصب کے ہونا چاہئے۔

آرٹیکل 9

روہنگیا لوگ خواہ وہ وطن میں مقیم ہوں یا ڈائی اسپورا میں، ایک قومی محاذ تشکیل دیتے ہیں، ارکان کے ساتھ ان کا مادی، معاشرتی، روحانی اور تاریخی تعلق ناقابل تردید حقیقت ہے، ارکان کی تعمیر نو کے لئے معلومات، تعلیم اور تربیت کے تمام ذرائع کو اپنانا ضروری ہے، روہنگیا کمیونٹی کی صلاحیت اور شعور کو بہتر بنانا اور انہیں اپنے وطن، تاریخ اور ثقافت سے انتہائی گہرے انداز میں آشنا کرانا امر لازمی ہے۔

آرٹیکل 10

ارکان کی آنے والی نسلوں کی خاطر رکھائنگ برادری کے ساتھ ہم آہنگی اور تعاون اور یونین آف میانمار کی تمام جمہوری قوتوں اور نسلی قومیتوں کے ساتھ ملک کے تمام لوگوں کے مفاد میں مل کر کام کرنا ضروری ہے۔

آرٹیکل 11

انتہائی احترام اور مکمل تحفظ کے نئے ماحول میں ہم روہنگیا خواتین اور لڑکیوں کی تعلیم، صحت اور معاشی حالات کو بااختیار بنانے کے حقوق کی حمایت کرتے ہیں، بشمول ان کی سیاست میں شرکت کے۔

آرٹیکل 12

روہنگیا لوگ انصاف، آزادی، وفاقیت، خودارادیت اور انسانی وقار کے اصولوں پر یقین رکھتے ہیں، مزید ہم یقین رکھتے ہیں کہ میانمار کے تمام لوگوں کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل 13

ہم میانمار میں مسلم اقلیتوں اور کمیونٹیز کے بہترین تحفظ کے لئے میانمار کے تمام مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

آرٹیکل 14

اگست/ ۲۰۱۷ء میں ہونے والی روہنگیا نسل کشی، تباہی کے تسلسل کا آخری مرحلہ ہے، جو کئی دہائیوں پہلے شروع ہوئی تھی، زیادہ تر میانمار میں ۱۹۶۲ء کے فوجی قبضے سے، ۱۵/ اگست کا دن ہمارے لئے، ہمارے لوگوں کے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ''روہنگیا نسل کشی'' کے طور پر سب سے بڑا یادگار دن ہے۔

آرٹیکل 15

بین الاقوامی عدالت انصاف (ICJ) کے حکم کے باوجود میانمار کی حکومت روہنگیا لوگوں کے خلاف کسی بھی تجویز کردہ نسل کشی کی روک تھام کی اپنی ذمہ داریوں میں مسلسل ناکام ہو رہی ہے، روہنگیا لوگوں کے خلاف نسل کشی، انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، اور زیادتیوں سمیت جاری بڑے پیمانے پر مظالم کے جرائم کو روکنے کے طریقے اور ذرائع تلاش کرنے کی مسلسل کوششیں کرنی ہوگی۔

آرٹیکل 16

روہنگیا متاثرین کو انصاف فراہم کرنے اور حصول انصاف کو یقینی بنانے کے لئے قابل اعتماد احتسابی کوششیں کرنی ہوں گی، تاکہ تشدد کا سلسلہ نہ دہرایا جاسکے، تمام مجرمین کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے، اس میں صورتحال کا حوالہ دینا بھی شامل ہے، میانمار کو بین الاقوامی فوجداری عدالت (ICC) اور دیگر بین الاقوامی ٹربیونلز میں لا کھڑا کرنا ہوگا، ہمیں دنیا کی طرف سے یہ یقین دلانے کی ضرورت ہے کہ وہ ایسی وحشیانہ کارروائیوں کو برداشت کرنے کے لئے مزید تیار نہیں۔

آرٹیکل 17

روہنگیا میانمار کی تمام پڑوسیوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی کے خواہاں ہیں، کئی دہائیوں تک ہمسایہ

ملک بنگلادیش کو روہنگیا کے ظلم وستم کا خمیازہ بھگتنا پڑا، روہنگیا لوگ ان تمام لوگوں اور حکومتوں کی قدر کرتے ہیں جنہوں نے طویل عرصے تک انسانی بنیادوں پر اپنے پناہ گزینوں کی بڑی تعداد کو خوراک، رہائش اور بنیادی ضروریات فراہم کی ہیں۔

آرٹیکل 18

ہمارا اپیل ہے کہ روہنگیا کی زندگی کی حالت کو بہتر بنانے اور روہنگیا بحران کا مستقل حل تلاش کرنے کے لئے بین الاقوامی برادری، اقوام متحدہ، او آئی سی، یورپین یونین، آسیان، اور دیگر علاقائی اور بین الاقوامی تعاون تنظیمیں، این جی اوز، انسانی حقوق کی تنظیمیں مزید درمزید حصہ لیتے ہوئے ضروری اقدامات کریں۔

آرٹیکل 19

اس مقصد کے لئے بلائے گئے خصوصی اجلاس میں یہ بات طے کی گئی ہے کہ روہنگیا نمائندوں کی مشاورتی میٹنگ کی کل رکنیت کے دوتہائی اکثریت کے ووٹ کے بغیر اس چارٹر میں ترمیم نہیں کی جائے گی۔(۱)

(۱) پورا یہ باب انگریزی سے اردو میں منتقل شدہ ہے، ممکن ہے کہ کچھ خامیاں اور فروگذاشتیں بھی ہوں۔

نواں باب

چند احباب ورفقاء:

جناب پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری

پروفیسر محمد زکریا کی ولادت ۱۹۴۲ء میں شمالی بوسیدنگ کے معروف ومردم خیز قصبہ تنگ بازار میں ہوئی، آپ کے والد حضرت مولانا تراب الدین صاحب ایک جلیل القدر عالم دین ومایۂ ناز معلم ومدرس ہونے کے علاوہ ایک فنافی الرسول بزرگ تھے، علاقے کے علاوہ شمالی منگڈو کے قصبہ بلی بازار اور قاضی آباد میں آپ کے شیدائی اور بڑی تعداد میں چاہنے والے دیکھے گئے۔

محمد زکریا صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں ہوئی، آپ نے اپنے نامور والد سے دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم پائی، ساتھ ہی ساتھ تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں پڑھتے رہے، بعد میں مٹرک کے امتحان امتیازی شان سے پاس کرکے اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی سے بی ایس سی پھر ایم ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں، غالبا علم النباتات میں آپ کا تخصص ہے، اس کے بعد برما اور ارکان کے مختلف کالجوں اور یونیورسیٹیوں میں بحیثیت لکچرر فرائض انجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۶۶ء کے دوران ارکان کے حوالے سے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس میں شامل ہوگئے، اور بڑی ہی رازداری کے ساتھ قومی کاموں کو آگے بڑھایا، آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہت ساری اسکولوں اور کالجوں کے روہنگیا طلباء ریف میں شامل ہوگئے تھے۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی احیاء ہوئی تو آپ ارکان کے دارالحکومت اکیاب سے اپنے

دیرینہ ساتھی ڈاکٹر محمد یونس بانگلونوی سمیت ترک وطن کرکے آر پی ایف میں شامل ہو گئے، اور ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئماٹولوی سے عسکری تربیت حاصل کی۔

۱۹۷۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں انتشار ہوا تو پروفیسر صاحب نے اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیا، اور تنظیم سے علیحدگی اختیار کرلی۔

۱۹۸۲ء کے دوران روہنگیا مسلم آرگنائزیشن (AMO) کی تاسیس اور اعلان میں پروفیسر صاحب بھی شریک تھے، اس کے بعد جناب نورالاسلام صاحب کی سربراہی میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو آپ اس میں شوری اور عاملہ کے رکن رہے تھے۔

۱۹۸۴ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں اختلافات سامنے آئے، جس کے نتیجے میں جناب نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا اور ان کے ہم خیالوں کو پارٹی سے نکال دیا تو پروفیسر صاحب ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیتے ہوئے چاٹگام آئے، جس کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا دوسرا دھڑا سامنے آیا۔

۱۹۸۵ء میں مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی کی زیر قیادت اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی رہنمائی میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اس دھڑا نے جماعت اسلامی کے تعاون سے کافی ترقی کی، تو اس دھڑے میں پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے اندرون وطن میں عسکری اقدامات کئے تو مرکزی عاملہ میں اختلافات رونما ہوئے، مولانا سیف الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے ان اقدامات کی سخت مخالفت کی، جس میں پروفیسر صاحب پیش پیش تھے۔

۱۹۹۵ء میں پروفیسر صاحب، مولانا سیف الاسلام، اظہار میاں ایم پی، اور سعید الرحمن وغیرہ نے ڈاکٹر محمد یونس سے علیحدہ ہوکر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اور ایک دھڑے کا اعلان کردیا، جس میں پروفیسر صاحب صدر مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دونوں دھڑے اور نور

الاسلام کی زیر قیادت ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) نے متحد ہوکر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان کیا تو پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری چنے گئے، لیکن چند مہینوں کے بعد آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کرلی، پھر اس کے چند سال بعد سعودی عرب چلے گئے تھے۔

سعودی عرب کے قیام کے دوران پروفیسر صاحب نے مولانا دین محمد والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا ساتھ دیا تھا، لیکن مولانا دین محمد صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے اس دھڑا سے بھی علیحدگی اختیار کرلی۔

سعودی عرب میں چند سال بڑی عسرت میں گزارنے کے بعد پروفیسر صاحب بنگلادیش چلے آئے، ضعف جسمانی تو ہے ہی، یوں آج کل صاحب فراش ہیں، اللہ تعالی آپ کی عمر میں برکت دے، آمین۔

پروفیسر صاحب نہایت دین دار، پرہیزگار اور ملت وقوم پر فدا انسان ہیں، آپ کی طویل قومی وملی خدمات کے حوالے سے لکھا جائے تو کم سے کم ایک دفتر کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے، آمین یا رب العالمین۔

☆☆☆

جناب اظہار میاں صاحب ایم پی، کمانڈر انچیف، پکتو فرانگی

محترم جناب اظہار میاں بن خلیل الرحمن صاحب دور آخر میں علاقۂ تنگ بازار سے پیدا ہونے والے بہت اعلی درجہ کے انسان ہیں، قومی سیادت وقیادت کے حوالے سے آپ کی بڑی بڑی خدمات ہیں، جن کے احاطے کے لئے طول طویل مضامین کی ضرورت ہے۔

جناب اظہار میاں صاحب کی ولادت ۱۹۳۶ء میں پکتو فرانگ تنگبازار میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم تنگ بازار میں پائی، گاؤں کے مکتب سے قرآن کریم کے ناظرہ اور دینیات کی کچھ تعلیم پاکر ۱۹۵۲ء میں بوسیدنگ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد ملی وقومی سیاست سے وابستہ ہوگئے، آپ سلطان محمود اکیابی مرحوم (سابق وزیر صحت آف برما) کے نہ صرف حامی بلکہ ان کے بہت ہی قریبی جان نثار ساتھیوں میں شمار تھے۔

۱۹۵۶ء میں برما کے عام انتخابات میں اظہار میاں صاحب شمالی بوسیدنگ کے حلقے سے کامیاب ہوگئے تھے، مقابلہ آپ کے ساتھ اڈووکٹ ناصر الدین المعروف پھوکائن سے ہوا تھا، آپ کامیاب ہوئے تو ناصر الدین صاحب نے آپ کے خلاف دھاندلی کا الزام تراشتے ہوئے مقدمہ دائر کردیا، چنانچہ عدالت نے آپ کی کامیابی کو دھاندلی کا نتیجہ قرار دے کر اس حلقے کے انتخابات کو کالعدم قرار دیا، لیکن چند مہینے کے بعد اڈووکٹ ناصر الدین پھوکائن اور سلطان محمود اکیابی صاحب کے درمیان پھر سے انتخابی مقابلہ ہوا تو اب کی بار بھی ناصر الدین ناکام ہوگئے اور سلطان محمود کامیاب ہوگئے تھے۔

اظہار میاں صاحب روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے ابتدائی ممبروں میں سے ایک تھے، اس تنظیم کے زیر سائے آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات نبھائی تھیں، ۱۹۶۹ء میں آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ ہوگئی تو آپ نے بنگلہ دیش میں پناہ لی، غالبا روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے سینئر اراکین میں آپ بھی شامل تھے، ۱۹۸۵ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں آپ مجلس عاملہ کے ممبر تھے، ساتھ ہی ساتھ عرصہ دراز تک اس تنظیم کے سپہ سالار بھی رہ چکے تھے، ۱۹۹۵ء کے دوران ارایس او میں اختلافات کی وجہ سے دھڑے پڑ گئے تو آپ نے پروفیسر محمد زکریا والے گروپ کا ساتھ دیا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو آپ پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر پھر مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے، مگر چند مہینے کے بعد بعض حالات سے مجبور ہوکر اس تنظیم سے مستعفی ہوگئے، اس کے بعد آپ سعودی عرب چلے گئے، وہاں آپ نے کئی سال گزار کر دوبارہ بنگلا دیش چلے آئے، آج کل نائکان سری میں مقیم ہیں۔

جناب اظہار میاں صاحب نہایت ہشیار، مدبر اور قومی ہمدردی رکھنے والے انسان ہیں، آپ نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی وہ خدمات انجام دیں جو ہماری برادری کے بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی تھیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے، اور آپ کا سایہ ہم غریبوں پر تادیر باقی رہے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

جناب الحاج سعید الرحمن صاحب راموبا فاروی، بوسیدنگی

محترم جناب الحاج سعید الرحمن بن عبد المجید کی پیدائش تنگ بازار کی معروف بستی راموبا فارہ میں ۱۹۴۱ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی بستی میں پاکر ساتویں جماعت تک کی تعلیم تنگ بازار کے مڈل اسکول سے حاصل کی، اس کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول سے نویں جماعت کا امتحان پاس کرکے اکیاب کے ڈانیاوڈی ہائی اسکول سے ۱۹۶۷ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے معا بعد وطن واپس آگئے تھے۔

سعید الرحمن صاحب علاقے میں چند دن گزارنے کے بعد غالبا ۱۹۶۷ء میں مغربی پاکستان چلے گئے، پاکستان کا شہر کراچی میں آپ نے ایک طرف گھڑی سازی کا کام بھی سیکھا تو دوسری طرف اپنی پڑھائی کو بھی آگے بڑھاتے ہوئے بی کم کرلیا تھا۔

سعید الرحمن صاحب ۱۹۷۶ میں بنگلا دیش چلے آئے، اسی سال زاہدہ بنت دولا میان رواسوگری جیمنگ خالوی سے شادی کی، آپ غالبا ۱۹۷۹ء میں معاش کی تلاش میں عرب امارات چلے گئے، مگر ایک سال کے بعد پھر بنگلا دیش واپس آگئے تھے۔

۱۹۸۰ء کے دوران آپ جناب نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں قائم ہونے والی تنظیم ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے ساتھ منسلک ہوگئے، پھر یہ تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں تبدیل ہوگئی تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے، بعد میں نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کی اختلافات کے نتیجے میں ارایس او دو گروپ میں بھٹ گئی تو آپ نے ڈاکٹر محمد یونس کے ساتھ ہوکر ۱۹۹۷ء تک کام کیا، جس میں آپ مجلس عاملہ کے ممبر تھے، ۱۹۹۷ء میں آرایس او میں پھر اختلافات رونما ہوئے، جن کے نتیجہ میں پھر دو گروپ میں یہ تنظیم بھٹ گئی، ایک گروپ کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے سنبھالی، جبکہ دوسرے گروپ کے سرخیل پروفیسر محمد زکریا صاحب قرار پائے، ان اختلافات کے دوران جناب سعید الرحمن صاحب پروفیسر محمد زکریا گروپ میں شامل تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو جناب سعید الرحمن صاحب اس تنظیم میں پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر پھر مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور

مالیات منتخب ہوئے، مگر چند مہینے گزرتے نہ گزرتے بعض وجوہات کے بنیاد پر آپ اس تنظیم سے مستعفی ہوگئے۔

غالبا سن ۲۰۰۰ء کے دوران سعید الرحمن صاحب نے سعودی عرب کی راہ لی، معاش کی تلاش میں سرگرداں ہیں، سعودی عرب میں العبیر نامی ایک کمپنی میں کام کرتے رہے تھے، لیکن اس دوران بھی قومی سیاست وقیادت سے قسما لگاؤ رکھتے تھے، آپ رہ رہ کر بعض قومی پروگراموں میں نظر آتے تھے، بہر حال وہاں چند سال گزار کر دوبارہ بنگلا دیش واپس آئے ہوئے ہیں۔

جناب سعید الرحمن صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۸۵ء میں ہوئی، جب سے میں نے دیکھا ما شاء اللہ ایک دیندار اور دل جلے آدمی کی حیثیت سے دیکھا، بطور خاص روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے زیر سائے آپ نے بڑی بڑی قوم وملی خدمات انجام دیں، اللہ تعالی آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، اور مزید خدمات کی توفیق سے نوازے، آمین۔

☆☆☆

جناب عبدالرشید صاحب شجاع فاروی، منگڈوی

جناب محترم عبدالرشید صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی شجاع فارہ میں ۱۹۴۶ء کو ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک صاحب دولت ہونے کے ساتھ نہایت سخاوت پسند بزرگ تھے، جنھوں نے مسلمانوں کی خدمت کو اپنی زندگی کا شیوہ بنا رکھا تھا۔

عبدالرشید صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، بستی کے سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے آپ نے مٹرک کا امتحان پاس کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا تھا۔

عبدالرشید صاحب رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لے کر پڑھائی میں منہمک ہوگئے، ساتھ ہی ساتھ اس زمانے میں روہنگیا طلباء تنظیم میں شامل ہو کر ارکان کے مسلم طلباء کی نہایت عرق ریزی سے خدمات انجام دیں، آپ نے اسی یونیورسیٹی سے علم الحیوانات میں بی ایس سی (BSC) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد برمی حکومت کے تحت نوکری لینا چاہا، اس حوالے سے ایک امتحان میں پاس بھی کیا تھا، لیکن فائنل امتحان میں ایک مسلم ارکانی نوجوان ہونے کی پاداش میں ممتحن نے عصبیت سے کام لیتے ہوئے آپ کو امتحان میں فیل کر دیا تھا۔

جناب عبدالرشید صاحب نے برما میں آئے دن قومی عصبیت کو دیکھ کر زیر زمین چلے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور عزم کر لیا کہ ارکان کو برمی درندوں اور مگھ وحشیوں سے ضرور آزاد کرنا چاہئے، اس نیت سے روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہوگئے، پھر ۱۹۷۳ء کے بعد ریف نے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا روپ دھارا تو آپ اس سے وابستہ ہو کر بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

۱۹۸۰ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی بنیاد پڑی تو جناب عبدالرشید صاحب اس میں شامل ہوگئے، بعد میں آپ کو اسی تنظیم کی مجلس عاملہ میں چن لیا گیا، یوں قومی خدمات کے میدان میں آپ ایک انقلابی لیڈر کی حیثیت سے ایک حد تک نمایاں ہو کر سامنے آئے تھے، آپ نے مجاہدین کے معسکر میں ایک طویل وقت گزارا، ویسے آپ کو ایک مجاہد قائد

بھی مانا جا سکتا ہے۔

۱۹۹۴ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) دو گروپوں میں منقسم ہوئی تو آپ نے محترم ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیا، ۱۹۹۸ء کے بعد ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام ہوا تو جناب عبدالرشید صاحب پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) پھر روہنگیا نیشنل کونسل (RNC) کا ممبر بنے، پھر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں انتشار ہوا تو آپ اس تنظیم سے علیحدگی کے بعد آر ایس او کے غیر قانونی گروپ (مولانا دین محمد گروپ) سے منسلک ہوگئے، بعد ازاں ۲۰۰۱ء میں آپ نے اس گروپ سے بھی نکل کر آر ایس او کے ایک علیحدہ دھڑے کا اعلان کر دیا تھا، لیکن اس میں آپ کو خاصی ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

جناب عبدالرشید صاحب نہایت مدبر اور پاکیزہ صفات کے انسان تھے، آپ جو بھی کام کرتے بہت ہی سوچ سمجھ کر کرنے میں مشہور تھے، لوگوں سے نہایت تپاک سے ملتے تھے، صوم وصلاۃ کے بڑے پابند تھے، اللہ تعالی نے آپ کے اندر جذبۂ قومی وملی جیسی صفات کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، آپ عرصۂ دراز تک ٹیکناف میں مع اہل خانہ مقیم تھے، بعد میں چاٹگام منتقل ہوگئے تھے، آپ سے میرا تعارف ۱۹۸۶ء میں ٹیکناف میں ہوا، اس کے بعد موصوف جب چاٹگام میں منتقل ہوگئے، آپ سے رہ رہ کر ملاقاتیں رہی تھیں، جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ نہایت شفقت اور تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے، بالآخر قوم کے اس مجاہد اور خادم بندہ نے ۲۰۰۵ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

مولانا شیخ دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی، منگڈوی

ارکان کے ایک بلند پایہ کے عالم دین، مجاہد اور قوم کی ایک رہنماء شخصیت بھی گزری ہے، جن کا نام گرامی حضرت مولانا دین محمد صاحب ہے، مولانا کی حیات پر مشتمل اور کچھ نہ ہو تو ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہے، سردست اس عجالہ میں تفصیلات کا اندراج ممکن نہیں، پھر بھی کچھ اس طرح ہے کہ مولانا دین محمد صاحب حضرت مولانا سید اکبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لائق پوتے تھے۔

مولانا کی پیدائش داروغہ ڈیل منگڈو میں ہوئی، آپ کے والد ایک دین دار اور خدا ترس آدمی تھے، جو علم دین اور علماء پسند بھی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں پائی، آپ مولانا سید الامین صاحب کے رشتے دار اور خاص شاگردوں میں تھے، فراغت مدرسہ ضمیریہ قاسم العلوم پٹیہ سے ہوئی، دوران تعلیم آپ کا رابطہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات حوالے سے زیر زمین کام کرنے والی جماعت روہنگیا فدائین محاذ سے ہو گیا تھا، محاذ کے درہم برہم ہونے کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے آپ نے رشتہ جوڑا، ۱۹۸۵ء کے دوران مولانا سیف الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی زیر قیادت آر ایس او سے پوری طرح منسلک ہو گئے تھے۔

مولانا اپنی فراغت تعلیم کے بعد جب درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے، اس دوران اندرون وطن ارکان میں اس جماعت کی نمائندگی کرتے رہے، بعد میں سعودی عرب کا سفر کیا، وہاں بھی اس جماعت کے سائے تلے کام کرتے رہے تھے۔

مولانا کو بعد میں آر ایس او کی مجلس شوری کا ممبر منتخب کر لیا گیا، ۱۹۹۵ء کے بعد آپ اس تنظیم کے مرکزی نائب صدر بنے، پھر ۲۰۰۰ء میں مرکزی صدر یا امیر منتخب ہوئے، ارکان روہنگیا نیشنل ارگنائزیشن (ARNO) کے قیام میں آپ کی کوشش سب سے زیادہ تھی، جو کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئی، لیکن موخر الذکر اس تنظیم کے قیام کے چند ماہ بعد آپ نے اس تنظیم سے کنارہ کش ہو کے روہنگیا سالیڈیریٹی ارگنائزیشن (RSO) کا دوبارہ اعلان کر دیا، جس کے آپ صدر بنے تھے۔

مولانا ۲۰۰۴ء میں حکومت سعودی عرب کی دعوت پر ریاض پہنچے، جہاں آپ کا اچانک انتقال ہو گیا تھا، سعودی حکومت نے ان کا جنازہ حرم پاک میں لایا اور حرم پاک میں نماز جنازہ کے بعد جنت المعلّی میں دفن کر دیا گیا تھا،

مولانا بڑے مدبر سیاست دان، اور بلند حوصلہ کے مالک ایک عالم دین قائد تھے، علاوہ ازیں بلند پایہ کے عالم دین اور جامع المعقول والمنقول شخصیت کے مالک تھے، ان کے اچانک انتقال کے بعد اس جماعت کا زمام اقتدار مولانا سلیم اللہ عبدالرحمن کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

مولانا شیخ سلیم اللہ صاحب میرولہ وی، منگڈ وی

مولانا سلیم اللہ حسین عبدالرحمن کی پیدائش ۱۹۶۲ء میں جنوبی منگڈو کے معروف قصبہ میرولہ (مرنگلوا) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں پائی، اس کے بعد مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ میں متوسطہ کی تعلیم پا کر مدرسہ محمدیہ فرانفور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید الامین منگنماوی اور حضرت مولانا ابوالحسین صاحب عرب شاہ فاروی، حضرت مولانا عبدالحکیم خوار بیلوی اور حضرت مولانا محمد امین وغیرہ سے استفادہ کرتے رہے، اس درسگاہ سے آپ نے دورۂ حدیث اور فنونات عالیہ کی مختلف کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، دوران تعلیم آپ نے زیر زمین کام کرنے والی نامور تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے رابطے کر کے اپنے سیاسی اور انقلابی سفر کا آغاز کیا، ۱۹۷۸ء کے بعد محترم نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی تنظیم سامنے آئی تو آپ اس کا رکن بنے، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے تھے۔

۱۹۸۶ء کے دوران انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں مولانا سلیم اللہ صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی جانب سے لیڈرشپ ٹریننگ میں شریک ہوئے، آپ کے ساتھ ہمارے ایک سے زیادہ حضرات بھی تھے، یہاں سے واپسی کے بعد آپ تنظیمی کاموں میں مصروف ہو چکے تھے۔

مولانا سلیم اللہ صاحب ۱۹۸۷ء کے دوران مولانا محمد حنیف راغب صاحب کی زیر قیادت نت نئی ابھرنے والی تنظیم ''اتحاد المجاہدین'' میں شامل ہو گئے، اس دوران آپ نے اندرون وطن میں رہتے ہوئے ان علماء سے شدید اختلاف کیا جو مولانا سید ابوالاعلی صاحب مودودی کے افکار وخیالات رکھتے تھے، اس ضمن میں آپ کو جیل بھی جانا پڑا تھا، لیکن مولانا راغب صاحب سے اختلاف کی بنیاد پر مولانا اس سے بھی علیحدہ ہو گئے۔

اتحاد المجاہدین سے علیحدگی کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب ''مؤسسۃ الحرمین'' نامی ایک این جی

او (NGO) سے منسلک ہو گئے، جس میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے، اس مؤسسہ کے زیر سائے آپ نے مختلف دینی، سماجی، فکری، فلاحی اور ثقافتی خدمات انجام دیں، لیکن بعد میں الحرمین کے کالعدم ہو جانے کی وجہ سے آپ کی سرگرمی رک سی گئی تھی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب اندرون وطن کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، جن میں مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ ناقابل فراموش ہے، تدریس کے دوران آپ نے علماء وطلبہ کی رہنمائی کی تھی، جس میں آپ کامیاب رہے تھے۔

۱۹۹۱ء کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب دوبارہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی زیر قیادت چلنے والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے، جس کے بعد آپ کافی سرگرم عمل ہو گئے، ۱۹۹۴ء میں اس تنظیم نے اندرون وطن میں جہادی سرگرمی دکھائی، جس میں اس کی بری طرح ناکامی ہوئی تو بڑے بڑوں کے درمیان اختلاف رونما ہوا، جس کے نتیجے میں یہ تنظیم دو متحارب گروپ میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس کر رہے تو دوسرے کی قیادت پروفیسر محمد زکریا اور مولانا سیف لاسلام صاحب کر رہے تھے، ایسی حالت میں مولانا سلیم اللہ صاحب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ رہے۔

۱۹۹۶ء والے روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) کے قیام میں مولانا سلیم اللہ صاحب کی خدمات پیش پیش تھیں، اس دوران آپ نے قومی سطح پر کام کرنے والی جماعتوں کو ہم آہنگ رکھنے کی حد درجہ کوششیں کی تھیں، لیکن آخر کا معاہدہ کی شکل میں ہونے والا یہ متحدہ الائنس کالعدم ہو گیا تھا۔

مولانا سلیم اللہ صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس والے آر ایس او گروپ میں کافی سرگرمیاں دکھائیں، مجلس عاملہ میں آپ کا شمار ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا دین محمد داروغہ ڈیلی کے بعد تیسرے نمبر پر تھا، اس دوران مولانا سلیم اللہ صاحب تنظیم کی جانب سے مختلف ملکوں کے سفر کرتے رہے تھے۔

۱۹۹۸ء کے دوران متحرک مختلف قومی جماعتوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لانے کی ایک بڑی کوشش شروع ہوئی تو مولانا سلیم اللہ صاحب اس میں پیش پیش رہے، اس حوالے سے ۳۳/ رکنی ایک قائمہ کمیٹی (NSC) بنی تو مولانا اس کے متحرک ممبر رہے، اس اتحاد کی کوشش کے نتیجے میں اس

سال کے اواخر میں پچھلی تمام تنظیموں کو کالعدم کرتے ہوئے انضمامی شکل میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان ہوا تو اس متحدہ تنظیم کی طرف سے مولانا بحیثیت مندوب سعودی عرب پہنچے، جہاں آپ نے اس نئی تنظیم کی بہبودی کے لئے ایک حد تک محنت کی تھی۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے اعلان کے چند مہینے بعد مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی کی زیر قیادت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مجاہدین اس متحدہ پلیٹ فارم سے علیحدہ ہو گئے تو مولانا سلیم اللہ صاحب نے مولانا دین محمد صاحب کا ساتھ دیا، جس میں آپ نائب صدر مقرر ہوئے تھے۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں مولانا دین محمد صاحب سرکاری مہمان تھے، یہاں اچانک ان کا انتقال ہو گیا تو مولانا سلیم اللہ صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے قائم مقام صدر بنے، جس کا سلسلہ عرصۂ دراز تک رہا تھا۔

مولانا سلیم اللہ صاحب سچ تو یہ ہے کہ ایک جری اور فعال لیڈر ہیں، آپ نے آر ایس او کے قائم مقام صدر بننے کے بعد روہنگیا سیاست کے حوالے سے کچھ انوکھی سرگرمیاں دکھائیں، اس ضمن میں آپ نے ہر چند کوشش کی کہ بین الاقوامی تنظیم منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں روہنگیا قوم کو مبصر رکن (OBSERVER) ہونے کا شرف حاصل جائے، اگر چہ آپ اس میں آج تک کامیاب نہیں ہو سکے لیکن منظمۃ التعاون الاسلامی سے آپ کو بڑی حد تک قربت نصیب ہو گئی، حتی کہ اس کوشش کے نتیجے میں آپ کو اس بین الاقوامی تنظیم کے چند اعلی سطحی اجلاس میں دعوت شرکت ملی، جن میں شرکت کی وجہ سے آپ کی شخصیت مزید ابھر نکھر کر سامنے آئی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب نے اپنی سیاسی وانقلابی زندگی میں روہنگیا مسائل کے حوالے سے دنیا کے بڑے بڑے لیڈروں سے عموماً اور اسلامی ممالک کے رہنماؤں اور قائدین سے خصوصاً ملاقاتیں کیں، جن میں درج ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں:

۱۔احسان اوغلو، سابق سکریٹری جنرل منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC)۔

۲۔عبداللہ گل، سابق ترکی وزیر خارجہ وصدر۔

۳۔ابوجرہ سلطانی، الجزائری وزیر وصدر مجتمع السلام۔

۴۔نجیب عبدالرزاق، سابق ملائشین وزیر اعظم۔

۵۔ڈاکٹر خالد عطیہ، سابق قطری وزیر خارجہ۔

۶۔راجا ظفر الحق، سابق چیرمن مسلم لیگ نون، پاکستان۔

۷۔خورشید شاہ قصوری، سابق پاکستانی وزیر خارجہ۔

۲۰۰۵ء کے بعد روہنگیا قومی سطح پر دوبارہ اور ایک اتحاد کی کوشش شروع ہوئی تو مولانا سلیم اللہ صاحب اس میں بھی پیش پیش رہے تھے، لیکن اب کے اتحاد انضمامی شکل میں ہوگا یا الائنس کی صورت میں اس حوالے سے مولانا محترم اور جناب نورالاسلام صاحب کے درمیان اختلاف سامنے آیا، جس کا اجمال درج ذیل ہے:

(ا) ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن اور اس کے رہنماء مسٹر نورالاسلام صاحب کی ہمیشہ کی طرح چاہت یہی تھی کہ تمام تنظیموں کو کالعدم کر کے انضمام کی شکل میں قومی سطح کی ایک ہی متحدہ جماعت کی تشکیل کی جائے، انہوں اپنی رائے کی حمایت میں کچھ دلائل بھی پیش کئے، جن میں سے ایک یہی ہے کہ:

''افرادی اعتبار سے ہماری قوت ویسی بھی بہت کم ہے، اگر ہم مختلف تنظیموں میں منقسم رہیں گے جس طرح ابھی ہیں، تو ہماری قوت اور بھی کم ہو جائے گی، اسی لئے ضروری ہے کہ پوری انضمامی شکل میں ہم ایک ہی پلیٹ فارم اور ایک ہی جماعت کے سائے تلے جمع ہو جائیں''۔

(۲) لیکن محترم شیخ سلیم اللہ صاحب رہنماء ''روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق'' کا موقف یہی تھا کہ:

''ماضی کے طویل تجربات اور وقت کی نزاکت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ہر ایک تنظیم اپنی اپنی جگہ متحرک رہتے ہوئے قومی سطح پر متحدہ طور پر کام کرنے کے لئے ایک متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے، اور دنیا میں آج کل ہماری اس نوعیت کے کام کو سرانجام دینے کے لئے ایک ہی تنظیم میں انضمام

> ہونے کے بجائے مجلس تنسیقی، یا متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی جیسے پلٹ فارم کی مقبولیت نمایاں ہے، اور جو جمہوریت کا تقاضا بھی ہے، علاوہ ازیں ماضی کے تلخ تجربات ہمارے سامنے ہیں کہ ایک تنظیم میں انضمام کی وجہ سے کتنی پریشانیاں لاحق ہوگئی تھیں، اور تو اور تنسیقی پلٹ فارم کے بجائے پورے انضمام کی وجہ سے باہمی رسہ کشی اور اختلاف مٹنے کی جگہ افتراق سے بڑھ کر مخاصمت تک کا دور شروع ہوگیا تھا، اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم انضمامی شکل کو ہمیشہ کے لئے مسترد کرتے ہیں، بلکہ مطلب یہی ہے کہ ایک مجلس عمل میں کام کرتے کرتے اللہ کرے تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہم پورے طور پر انضمام کے مستعد اور لائق ہوجائیں گے، ویسے حالات کے پیدا ہونے یا کرنے سے پہلے انضمام کی کوشش مفید ہونے کے بجائے مضر ہونا یقینی ہے''۔

محترم مولانا سلیم اللہ اور مسٹر نور الاسلام صاحبان کے مابین ان مذکورہ موقف ورائے کے حوالے سے بہت ساری باتیں ہوئیں، اور دونوں نے خاص طور پر ۲۰۰۶ء کے دوران مختلف طول طویل ملاقاتیں بھی کیں، مگر رائے کا یہ اختلاف اپنی جگہ برقرار رہ گیا تھا، لیکن ان دونوں رہنماؤں کے مابین مفاہمت کے لئے شان لیڈر مسٹر ہانگ اونگ شوے نے بڑی کامیاب کوشش کی تھی، اس سلسلے میں انگنت رابطے اور مراسلے کے علاوہ خود مسٹر ہانگ اور محترم نور الاسلام صاحب نے سعودی عرب کے مختلف دورے بھی کئے، چنانچہ اس سلسلہ کا ایک دورہ ۲۰۰۷ء میں بھی کیا تھا، اور منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے صدر دفتر جدہ میں ان دونوں نے مولانا سلیم اللہ صاحب بشمول مسٹر طلال داؤس (ڈائرکٹر برائے مسلم اقلیات او آئی سی) سے تفصیلی گفتگو کی، اور یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب کے اس مذکورہ موقف کی طرح مسٹر ہانگ کی رائے بھی انضمام کے بجائے مجلس تنسیقی کی طرف تھی، بہرحال بالآخر مفاہمت ہوگئی کہ انضمام کے بجائے ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تشکیل دی جائے، اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی طرف سے مسٹر ہانگ کو اسے عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ بہرحال ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کا

اعلان ہوا، جس کے مولانا سلیم اللہ صاحب چار موسسین میں سے ایک تھے۔

اس کے بعد دشمنوں کی دشمنی کے نتیجے میں مولانا سلیم اللہ صاحب سعودی عرب میں نظر بند ہوگئے تھے، اس دوران ارکان روہنگیا یونین (ARU) بھی باہمی اختلافات کی شکار ہوگئی تھی، لیکن اگلے چند سال بعد آپ کو رہائی ملی تو آپ نے اس یونین کو اصلاح کرنے کی حد درجہ کوشش کی، اس حوالے سے میرا ایک اقتباس ملاحظہ ہوحظہ ہوکہ:

> ''راقم سطور بحیثیت ایک غیر جانب دار تجزیہ نگار کے آج یہ کہنے پر گویا مجبور ہے کہ ہمارے دانشور موسسین اے آر یو کے ایسے حالات میں لے دے کر ایک مولانا سلیم اللہ عبدالرحمن صاحب رہ گئے ہیں کہ اگرچہ ۲۰۱۳ء کے دوران آپ ایک افسوسناک حالت کے شکار ہوکر نظر بند تھے، مگر اس سے خلاصی کے بعد ہی انہوں نے اے آر یو کے حوالے سے مسلسل اصلاحی کوششیں شروع کردیں، انہوں نے اپنی حکمت، بصیرت، اور طویل تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے اصلاح کے حوالے وہ کوششیں کیں جو ان کی ذات سے متوقع تھیں اور ہیں، ان کی متنوع سرگرمیوں اور کردار سے صاف ظاہر ہے کہ کاش کہ آپ ۲۰۱۳ء میں نظر بندی جیسے حالات کے شکار نہ ہوتے، شاید ارکان روہنگیا یونین کا یہی حال ہوتا یا ہوسکتا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کہ اصلاح کے حوالے سے انہوں اپنی روشن ضمیری، صلابت فکری، اور حاضر دماغی اور قومی امور میں اپنے طویل تجربات کا بین ثبوت دیا ہے، جن کا اجمال کچھ یوں ہے:
>
> ☆ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک ارکان روہنگیا یونین تو کیا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے عموماً روہنگیا مسلمانوں کے درپیش مسائل اور ان کے حل کے لئے خصوصاً منظمۃ التعاون الاسلامی ایک بہت ہی اہمیت کی حامل تنظیم ہے، ہمارے لئے یہ ایک خوش قسمتی ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب کی مستقل رہائش سعودی عرب کے معروف شہر جدہ میں ہے۔ چوں کہ منظمۃ التعاون الاسلامی کا

مرکزی دفتر بھی جدہ میں ہے، اور عرصۂ دراز سے محترم مولانا کو منظمۃ التعاون کے ساتھ خوش گوار تعلقات بھی، یوں انہوں نے آئے دن اپنے دیرینہ تعلقات کے سہارے اصلاح اے آر یو کے حوالے سے وہ کام انجام دئیے جو حقیقی معنی میں وقت کی اہم ضرورت تھی، اس حوالے سے کوئی جانے یا نہ جانے اور مانے یا نہ مانے، راقم سطور اس کا عین شاہد ہے، انہوں نے اپنے طور پر بڑی خاموشی، خاصی درک بینی سے ایسے کام انجام دیئے، جو قابل صد ستائش ہیں، اور اس سلسلے میں اصلاح کے حوالے سے انہوں نے بڑی باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ جو تحریری فارمولے تیار کئے، اس کے بل بوتے پر آج کم سے کم ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اور کچھ ہو نہ ہو اے آر یو کے حوالے سے ماضی میں جو افراتفری ہو چکی ہے اگلے دن ان تمام خرابیوں، بدعنوانیوں اور افراتفریوں کا سد باب ضرور ہوگا، اور توقع ہے کہ اگر اے آر یو کو حقیقی معنی میں اصلاح کرنا ہے تو ان کی یہی کوشش اور جد و جہد بڑی بار آور ثابت ہوگی، انشاء اللہ تعالی۔ خدا کرے کہ یہی سلسلہ دراز رہے۔

☆ دوسری طرف قحط الرجال کے اس عالم میں محترم مولانا سلیم اللہ صاحب سر دست ہماری برادری میں اور کچھ ہو یا نہ ہو، کم سے کم ارکان روہنگیا یونین کی اصلاح کے حوالے سے ایک برمحل اور موزون شخصیت ہیں، انہوں نے کم سے کم پچھلے تین چار سالوں سے اے آر یو سے متعلقہ تقریباً تمام موثر منظمات، شخصیات اور گروپوں سے ایک غیر جانب دارانہ، مربیانہ اور مشفقانہ تعلقات استوار کئے اور رکھے ہوئے ہیں، جن کے نام لئے جائیں تو فہرست بڑی طویل ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے خفیہ اور علانیہ طور پر مختلف موثر شخصیات، گروپوں اور جماعتوں سے ڈھیر ساری ملاقاتیں کیں، جلسے کیے، جن میں اختلاف واتفاق کرنے والوں کے علاوہ خود ڈاکٹر وقار الدین صاحب سے

مختلف اور طویل ملاقاتیں قابل ذکر ہیں۔ جن کے نتیجے میں کم سے کم کچھ باہمی افہام وتفہیم اور بحالی اعتماد کے ساتھ ساتھ ہماری قومی وسیاسی ماحول وفضا میں احساس ذمے داری اور شعور وآگہی پیدا ہوئی، عوام تو عوام بلکہ اکثر خواص بھی ہماری سیاسیات کے حوالے سے جس ناامیدی، کسل مندی اور بدظنی و بدگمانی کے گرداب و بھنور میں عرصۂ دراز سے پھنسے ہوئے تھے، ان سے گلوخلاصی کی ایک روشن اور واضح راہ دیکھے، ناامیدی کے اس عالم میں ہمارے لوگوں کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔ تاہم افسوس اور معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں، جن کو ان کے حسد اور بے جا غرور و پندار نے دے مارا ہے، ان کی طبیعت ہی کچھ ایسی نکلی کہ خود تو کچھ نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے، مگر کوئی کرنے والوں کے سامنے روڑے اٹکاتے رہتے، آئے دن بال سے کھال نکالتے اور باتوں کے بتنگڑ بناتے پھرتے ہیں، ہمیں ایسے منفی رویے رکھنے والوں سے ہشیار رہنے کی اشد ضرورت ہے''۔

۲۰۰۶ء کے آگے پیچھے مولانا نے اپنی تنظیم کے حوالے موقف میں کافی تبدیلی لائی اور مسلح سرگرمی کو خیر باد کہتے ہوئے آپ نے روہنگیا لیڈریریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کا اعلان کر دیا، جس کے بعد آپ اپنی سیاسی سرگرمی میں یک سو ہو گئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب سیاسی، فکری، تنظیمی، تعلیمی، ثقافتی، تدریسی، فلاحی جیسی قومی خدمات کے میدان میں ہمیشہ پیش پیش ہیں، لیکن آپ ہمیشہ اپنی خدمات کو اپنی جماعت کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے بعض اہم کارنامے، ۱۹۹۸ء سے تاحال کے متعلق اس تنظیم کا اعلامیہ ملاحظہ ہو کہ:

۱۹۹۸ء میں نئی حکمت عملی کی ترتیب کا پس منظر

دنیا بھر کے سامنے عموماً اور میانمار کے قرب وجوار کے ممالک کے سامنے سے خصوصاً گئی صدی

کے نویں عشروں کے دوران ۱۹۹۸ء سے قبل ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کے مسائل بڑے حساس اور بڑے اشتعال انگیز مراحل سے گزر رہے تھے، یہ اس حیثیت سے کہ یہاں کے مسائل بعض ایسے افکار وخیالات کے ساتھ شہرت پا چکے تھے، جنہیں نہ اقوام عالم خوش آئند کہہ سکتی تھیں اور نہ آس پاس اور پڑوس کے ممالک، اور ان افکار وخیالات کی حاملین جن میں بعض جماعات بھی تھیں اور بعض قیادتیں بھی، نرے جذبات سے سرشار ہو کر جہاد اسلامی کے بل بوتے پر کوئی مقبوضہ ارکان کی مکمل آزادی اور کوئی یہاں اسلامی ریاست کے قیام کے مطالبے کر رہی تھیں، اور تو اور ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء کے دوران ہمارے بعض ناعاقبت اندیش عناصر کی سرستی میں کئے گئے غیر دانشمندانہ اور متشددانہ خیالات وکردار خاص طور پر قرب وجوار کے ممالک کے یہاں معروف تھے، ان عناصر نے کسی بھی گہری سوچ بچار اور تنظیم کی مجلس عاملہ وشوری کی مرضی کے بغیر سرزمین ارکان میں مسلح جدوجہد شروع کر دی تھی، اب ان کے ناعاقبت اندیشانہ کردار واعمال اور سرگرمیوں کے نتائج یوں سامنے آئے کہ وقت سے پہلے برمی حکومت ارکان کے نہتے روہنگیا مسلمانوں پر ازسرنو ظلم وجبر کے پہاڑ توڑنے لگی اور اس نے ارکان کے گوشے گوشے میں آئے دن نت نئے ناموں سے اپنی افواج پھیلانی شروع کر دیں، اور ارکان سے روہنگیا مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نابود کرنے کے بطور ان پر ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت دل کو دہلا دینے والے مختلف نوعیت کے مظالم ڈھانے لگے، اور یہاں امن وآشتی کے خلاف نفرت، عصبیت اور عنصریت کو ہوا دے کر مسلمانوں کے قتل، غارت گری، اموال واراضی کی ضبطی، اور ان کو اپنے ہی وطن میں بے وطن بنانے اور ان کی جگہ بودھوں کی بستیوں کے قیام جیسی سرگرمیوں کا ایک انتھک سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

ہمارے سیاسی موقف کی تغییر، قیادت کی تبدیلی کے ساتھ:

یوں تو ظاہر ہے کہ ہمارے ان عناصر کی مذکورہ تمام سرگرمیاں سیاسی حکمت عملی کے حوالے سے ناعاقبت اندیشانہ اور غیر دانشمندانہ تھیں، شدت پسندی کی بنیاد پر ویسے ان کی نامعقول اور بے جا حرکتوں کی وجہ سے تنظیم کی قیادتیں داخلی خلفشار کی شکار ہو گئی تھیں، ایسے حالات میں ہم اس بات پر مجبور ہوئے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھیں، زمینی حقائق کو پرکھیں اور ماضی وحال کو سامنے رکھتے

ہوئے اپنے مستقبل کے لئے ایک مثبت وصحیح لائحہ عمل مرتب کریں، یوں ہم نے اپنے گردوپیش کے حالات کے ازسرنو جائزے لیتے ہوئے نئی حکمت عملی کے ساتھ ایک مناسب اور برمحل سیاسی موقف اختیار کیا، ایسی جامع حکمت عملی اور ایسے واضح سیاسی موقف جو ایک مثبت انداز میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی پس منظر کو بھی بدل دے اور عالمی واقلیمی سیاسی فضا بشمول آئے دن تغییر پذیر اس سیاسی وانسانی دنیا کے لئے قابل قبول بھی ہو:

> ''ویسے ہم نے ۱۹۹۸ء میں قیادت کی تبدیلی کے ساتھ ایک جامع سیاسی موقف اختیار کیا، اور ہم نے ارکان میں ہمارے جائز ومساوی حقوق کی بازیابی کے ساتھ میانمار میں فیڈرل جمہوری نظام کی بحالی کا مطالبہ پیش کیا، جو برطانیہ سے اس کی آزادی کے بعد بھی تھا، اور جس کی تائید دنیا بھر کی تمام بین الاقوامی تنظیموں کے میثاق کر رہے تھے، اور ایک ایسا سیاسی موقف اختیار کیا جو ایک طرف ہمارے تمام اہداف کے حصول کا ضامن بھی ہو اور ہمارے مسائل کے حل کے حوالے سے تمام علاقائی وبین الاقوامی حالات اس کا ساتھ بھی دے سکے، اور اللہ تعالی کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اپنی تنظیم کے نام کے ساتھ اس کے شعار ودستور کی تبدیلی کی کہ: ﴿ **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین** ﴾ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور ہماری جماعت کی انتھک کوشش وکاوش پھر عالم اسلامی وعالمی برادری اور تمام بین الاقوامی تنظیموں اور بڑے بڑے ملکوں جن میں بطور خاص خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت ناقابل فراموش ہے کے مسلسل تعاون کی بدولت ہمارے مسائل تمام بین الاقوامی محفلوں اور جمیع انسانی حقوق کی مجالس میں بطور انسانی مسائل شمار ہو چکے''۔

پھر مزید یہ کہ:

"ادھر ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت جس کی تاسیس گئی صدی کے آٹھویں دہائی کی ابتداء میں ہوئی تھی، اس نے خصوصی طور پر تعلیمی اور رفاہی میدانوں میں اندرون وطن اور بنگلا دیش میں ہمارے مہاجرین کے مابین بہت سارے مثبت کارنامے بھی انجام دیئے تھے، جن میں مساجد کی تاسیس، مدرسوں کا تعاون، داعیان اسلام کی سرپرستی اور مساکین وایتام کا کفالہ، صاف پانی کی کنویں کا بندوبست، اسکالرشپ کے علاوہ عالم اسلامی سمیت دیگر ملکوں کی مختلف یونیورسٹیوں میں روہنگیا طلبہ کی رہنمائی اور داخلہ قابل ذکر اور ناقابل فراموش ہیں"۔

تنظیم کے موقف، حکمتِ عملی اور طریقۂ کار کی تبدیلی:

(۱) ۱۹۹۸ء میں ہماری تنظیم کی ایک کامیاب کوشش کے نتائج یوں سامنے آئے کہ مستقبل میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حوالے سے تنظیم کی مجلس شوری نے گہری سوچ بچار، طویل بحث و گفتگو اور گہرا تجزیہ وتحلیل کے ذریعے نئی سیاسی حکمت عملی اور نئے طریقۂ کار کا ایک سنہرہ مسودہ تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی، جہاں ہمارے مسائل کے حوالے سے دنیا کے بعض مفکرین، مبصرین اور سیاستدانوں سے صلاح ومشورہ اور ان کی رہنمائی سے استفادہ کیا گیا تو وہاں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۸ء کے دوران ہماری مختلف قیادتوں کی متنوع سرگرمیوں اور تجربوں اور ان سے مرتب ہونے والے اثرات سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا گیا۔ ہماری تنظیم کا یہ ایک بڑا اور اہم کارنامہ تھا، جو روہنگیا قوم کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے ہوا ہو۔

(۲) ۱۹۹۸ء میں تنظیم کی مجلس شوری کی قرارداد، فیصلے اور ہماری نئی حکمت عملی اور جامع طریقۂ کار کے مطابق ۲۰۰۲ء کو ہم نے اپنی تنظیم کے نام، دستور اور منوگرام کی تبدیلی کی، تاکہ ہمارے نئے اور قابل قبول پرامن سیاسی موقف اور تنظیم کے نام کے مابین پوری مطابقت اور ہم آہنگی پیدا ہو جائے، اور اسلامی اور بین الاقوامی سیاسی حلقوں اور بطور خاص قرب وجوار کے ملکوں کو ہمارے متعلق کوئی خلش باقی نہ رہے۔ اور

(۳) مذکورہ بالا نمبر ایک میں اشارہ شدہ سیاسی حکمت عملی اور طریقۂ کار کے مطابق قوم میں مناسب و معقول سیاسی فضا کے ہموار کرنے کی جدوجہد کی گئی۔

(۴) سرزمین ارکان کی تاریخ وجغرافیہ کے مطابق اقوام عالم اور قرب وجوار کے ملکوں کی سیاسی اور ڈپلومیٹک حکمت عملیوں اور نقطہائے نظر کے تناظر میں روہنگیا قوم میں نئے سیاسی افکار کی نشر و اشاعت کی گئی۔

ہمارے پرامن بقاءئے باہمی اور رواداری کا موقف:

(۱) پرامن بقاءئے باہمی، برداشت اور رواداری کے اصولوں کے پیش نظر، ہماری دوراندیشی و گہری حکمت عملیوں کے بطور سرحد کی بودھ اقلیتوں کو حسن معاملات اور اخلاق کریمہ کے ذریعے پورے طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی، تاکہ وطن عزیز میں امن وسلامتی کے حوالے سے ہمیں ان کی بھرپور تائید وحمایت حاصل ہو سکے۔

(۲) میانمار کے حزب اختلاف، یہاں کی اقلیتوں، نسلی گروہوں بشمول روہنگیا مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں ایک جامع اور قابل قبول متحدہ، پرامن سیاسی حکمت عملی اور طریقۂ کار کے افکار کی اشاعت کی گئی، تاکہ ان کے مابین وحدت فکر وعمل کی فضا قائم ہو جائے۔

(۳) روہنگیا مسئلہ کے حوالے سے سیاسی پس منظر کی تبدیلی اور اقوام عالم اور عالم اسلامی اور بطور خاص پڑوسی ملکوں کے سامنے اس مسئلہ کے مستقبل کے متعلق ایک پرامن اور واضح روڈ میپ کے پیش کرنے میں ہماری تنظیم کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔

تعلیمی وثقافتی انقلاب کی کوششیں:

(۱) ہونہار روہنگیا طلبہ کو ملک وقوم کے ایسے نازک حالات میں بھی پڑھائی کی ہمت دلائی گئی، اور دنیا کے مختلف ملکوں کی یونیورسٹیوں میں ان میں سے مستعد طلبہ کو حصول تعلیم کے لئے بھیجا بھی گیا۔

(۲) روہنگیا قوم اور اس کی نئی نسل کو اپنے مستقبل کی تعمیر وترقی کے لئے اعلی تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی اور جارہی ہے، اس سلسلے میں ان کو ضروری تعاون بھی کیا گیا اور اب بھی کیا جارہا ہے۔

(۳) اس حوالے سے ہماری ایک اہم کامیابی یہ ہے کہ ۲۰۰۰ء میں ہماری تنظیم کی کوشش کے نتیجے

میں مملکتِ سعودی عرب کے فرماں روا خادم الحرمین الشریفین نے سالانہ ایک سو روہنگیا طلباء کی اسکالرشپ کی منظوری دی ہے، تاکہ وہ ہماری تنظیم کی زیرِ نگرانی مملکت سعودی عرب کے مختلف جامعات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں۔

قرب وجوار کے ملکوں کو مطمئن کرنے کی کوشش:

(۱) رابطوں، ملاقاتوں اور یادداشتوں کے ارسال کے ذریعے قرب وجوار کے ملکوں کو ہمارے سیاسی موقف اور اگلے طریقۂ کار سے مطمئن کر کے ہم اور ہماری کارکردگی کے حوالے سے ان کے اندر پائے جانے والے اندیشے، خدشے اور خلش کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا سلسلہ تاحال جاری۔

(۲) میمورنڈم پیش کر کے یا مختلف ذرائع کو بروئے کار لاکر ہمارے سیاسی طریق کار کی نشرو اشاعت اور عالمی کانفرسوں میں شرکت یا دیگر پرامن سرگرمیوں کے ذریعے ہماری نئے سیاسی موقف کی اشاعت وسیع پیمانے پر عالمی برادری میں کی گئی ہے۔

(۳) بطورخاص بین الاقوامی تنظیموں اور بڑے اور طاقتور ملکوں کے ہاں میمورنڈم پیش کر کے یا عالمی کانفرسوں میں شرکت کے ذریعے ہمارے مسئلہ کو جہادی مسئلہ سے پھرا کر ایک سیاسی وانسانی مسئلہ کی طرف لے جانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ عالمی برادری ہماری سرگرمیوں سے مطمئن ہوسکے اور وہ اپنی توجہ ہماری طرف مبذول کرنے میں پس وپیش نہ کرے۔

علاقائی اور بین الاقوامی کانفرسوں میں شرکت:

(۱) اسلامی، علاقائی اور بین الاقوامی سیمناروں اور کانفرسوں میں شرکت کر کے روہنگیا مسلمانوں کے حل طلب مسئلہ کو بین البراعظمی اور بین الاقوامی مسئلہ کے بطور متعارف کرایا گیا، جس میں ہماری جماعت کا خاص اور کامیاب کردار رہا ہے۔

(۲) بین الاقوامی مجالس میں شرکت اور دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں سے ملاقات کر کے ہماری سیاسی موقف کو ان شخصیتوں اور ان عالمی تنظیموں کے سامنے واضح کیا گیا ہے۔

(۳) سیمنار اور کانفرسوں کے ذریعے، دنیا کے چند ممالک کی بہت ساری عالمی تنظیموں کے زیر سائے

اور منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے تعاون سے روہنگیا تنظیموں اور لیڈروں کو ایک جامع ومتحدہ سیاسی موقف اور حکمت عملی کے اختیار کرنے کے لئے ذہنی اور فکری اور عملی طور پر تیار کیا گیا ہے۔

(۴) منظمۃ التعاون الاسلامی کے ممبر ملکوں اور یورو برما آفس کے لیڈروں کے تعاون سے روہنگیا مسلمانوں میں پائی جانے والی تنظیموں کی مشارکت میں ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تاسیس (جو عالمی اور علاقائی سیاسی حلقوں اور جدید میانمار کے بدلتے ہوئے حالات پر اثر انداز ہوسکے) کی بھرپور کوشش کی گئی، جس میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔

(۵) ۲۰۰۵ء میں ہماری تنظیم کے محترم جنرل سکریٹری صاحب نے سابق او آئی سی جنرل سکریٹری پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو سے آفیشیل ملاقات کی، جس میں آنجناب پروفیسر صاحب کو تفصیلی طور پر روہنگیا مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا تھا۔

(۶) ممالک اسلامیۃ وعربیۃ میں ہمارے مسائل کے حل کے حوالے سے آفیشیل طور پر ہماری تنظیم کی طرف سے مختلف وفود بھیجے گئے، جس میں خاصی کامیابیاں بھی ہوئیں۔

(۷) منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) اور بطور خاص اس کی اعلیٰ سطحی چند کانفرسوں میں ہماری تنظیم کے وفود نے شرکت کی، جن میں اہم کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

(۸) ہماری تنظیم کے وفود نے عالمی لیڈروں، رہنماؤں، اور بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندوں اور حقوق انسانی کے علمبرداروں کے پاس روہنگیا مسائل کو پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔

(۹) ہماری تنظیم کے لیڈروں نے روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اور ان کے جائز مطالبوں کے حوالے سے اسلامی وعربی ملکوں کے صدور، امیروں، وزیروں اور مختلف عالمی اور بین الاقوامی تنظیموں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔

(۱۰) ۱۹۴۷ء کے بعد تجدید معاہدہ کے حوالے سے تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں ۲۰۰۶ء میں منعقدہ تاریخی اجلاس کے بعد روہنگیا تنظیموں کو ایک خاص طریقۂ کار اور بامعنی حکمت عملی کے ساتھ ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی (جس کی عملی شکل ۲۰۱۱ء میں دی گئی تھی اور جسے ارکان روہنگیا یونین کے نام سے جانا جاتا ہے) کی بنیاد رکھنے کے لئے رضامند کیا گیا۔

روہنگیا مسئلہ ایک عالمی انسانی مسئلہ ہونے کا اعتراف:

(۱) اقوام عالم، عالم اسلامی اور پڑوسی ملکوں سے تائید حاصل کرنے اور ہماری حکمت عملی کے ضمن میں ہم اللہ تعالی کے بے حد شکر گزار ہیں کہ علاقائی اور عالمی حلقوں کی نظر میں ہمارا مسئلہ ایک مذہبی و اسلامی مسئلہ سے کلی طور پر ایک سیاسی اور انسانی مسئلہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

(۲) ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) نے اپنے مختلف لیڈروں کے تعاون سے ایک کامیابی یہ بھی حاصل کی کہ اس نے اپنی بڑی کوشش اور طویل جدوجہد سے بین الاقوامی مجالس اور بڑے بڑے ملکوں سے اس بات کا اعتراف کروالیا کہ روہنگیا مسئلہ ایک عالمی، انسانی، قانونی اور سیاسی حل طلب مسئلہ ہے۔

تنظیم کے لیڈران سعودی حکومت کی آفیشل دعوت پر:

۲۰۰۵ء کے دوران ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے لیڈروں کو سعودی حکومت نے آفیشل دعوت دی تو تنظیم کے اس وقت کے صدر مولانا شیخ دین محمد کی زیرِ قیادت اور نائبِ صدر مولانا سلیم اللہ عبد الرحمن کی مشارکت میں ایک وفد نے ریاض کا دورہ کیا، جہاں مختلف روہنگیا مسائل کے حوالے سے اہم سیاسی پیش رفت ہوئی اور سعودی حکومت کی طرف سے اس حوالے سے لاجسٹک سپورٹ کا وعدہ ملا، الحمد للہ اس کا سلسلہ اس زمانے سے لے کر آج تک مختلف انداز میں جاری ہے۔

ہماری تنظیم ایک قانونی تنظیم ہونے کا اعتراف:

(۱) ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) نے عالم اسلامی کو بھی اس بات کا معترف کرلیا کہ یہ اقوام عالم کے سامنے روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے قانونی نمائندہ تنظیم ہے۔ ارکانی مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے یہ ایک بڑی کامیابی ہے، دراصل یہ ہماری طویل جدوجہد اور انتھک کوششوں کا بار آور ثمرہ بھی۔

(۲) اور آخر میں ہم ایک اہم قومی کامیابی کا تذکرہ بھی کرتے ہیں کہ عالم اسلامی بشمول دنیا بھر کے مسلمانوں کے درپیش حل طلب مسائل اور اس ضمن میں روہنگیا مسئلہ کے حل کے لئے سعودی عرب

کے فرمانروا مرحوم شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز نے ارض مقدسہ مکہ مکرمہ میں فوری طور پر مگر بڑے اہتمام کے ساتھ ایک انوکھی اور تاریخی اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد کرایا تھا۔

او آئی سی میں ممبر شپ حاصل کرنے کی جدوجہد:

(۱) ۲۰۰۷ء کو اسلام آباد پاکستان میں منعقدہ منظمۃ التعاون الاسلامی کی وزرائے خارجہ کانفرنس میں ہماری ایک تاریخی کامیابی ہوئی تھی، وہ ایسی کہ ہماری جماعت نے او آئی سی میں بحیثیت مبصر ممبر شپ کے حصول کے لئے بعض مؤثر اسلامی ملکوں سے شفارشات حاصل کرلیں، جس کی بنیاد پر ہمارے حق میں وہاں جو قرارداد پاس ہوئی، حاضر خدمت ہے:

> ''یہ کانفرنس منظمۃ التعاون الاسلامی کی سکرٹیریٹ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو او آئی سی میں بحیثیت مبصر ممبر شپ دینے پر غور کرے، جو اس جماعت کا دیرینہ مطالبہ ہے اور جس کے حصول کے لئے عرصہ دراز سے اس کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اسے اپنے حق بجانب (قومی) مسئلہ کے حل کے لئے ہمدردی، تعاون وحمایت حاصل ہو سکے''۔

ایک متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تاسیس کی کوشش:

یہاں اس تذکرے سے صرف نظر کہ ارکان روہنگیا یونین کی تاسیس کیسی ہوئی کہ ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ ضروری باتوں کا تذکرہ کردوں، ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ ہماری قومی سیاسیات سے واقف جانتے ہیں کہ ۱۹۹۸ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (AIRF) کے لیڈروں اور قوم کے بعض دل جلے سیاست دانوں کی طویل جدوجہد کے نتیجے میں قومی سطح کی ایک متحدہ تنظیم وجود میں آئی تھی، جسے دنیا ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، مگر افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ ابھی اس موخر الذکر تنظیم کے اعلان کے چند مہینے بھی نہیں گزرے کہ اس میں اضمحلال اور دراڑے پڑ گئے تھے، حتی کہ اگلے چند مہینوں میں لیڈروں کے مابین اختلافات سے بڑھ کر افتراق اور مخاصمت کا دور دورہ ہو گیا تھا، بالآخر قومی اتحاد کے حوالے سے کی جانے والی ساری تمنائیں خاک میں مل گئی تھیں۔

تاہم ہمارے لئے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ہماری سیاسی اور انقلابی میدان میں اگرچہ ہمارے لیڈروں کے اختلافات، افتراق اور باہمی رسہ کشی اور مخاصمت کی باتیں بہت مشہور ہیں، لیکن ان باتوں کے ساتھ ساتھ ایک قومی اتحاد کے لئے ماضی میں ہمارے لیڈروں اور رہنماءوں نے بڑی بڑی کوششیں بھی کی تھیں، تاکہ قومی سطح پر اشتراک عمل کے لئے راہ ہموار ہو سکے، اس سلسلے میں ابھی جو عرض کی گئی کہ ۱۹۹۸ء میں قومی سطح کی دو متحرک جماعات کو کالعدم کر کے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تاسیس کی گئی تھی، مگر تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ہمارے ایسے حالات میں تنظیموں کو کالعدم کر کے انضمام کی شکل میں ایک ہی جماعت میں لے آنا کوئی خوش آئند بات نہیں رہی، ویسے ۱۹۹۸ء کے بعد ایک طویل عرصہ تک شاید ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن والے تلخ تجربات کی وجہ سے قومی سطح پر کام کرنے والی دونوں جماعات یعنی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے مابین ایک متحدہ پلٹ فارم کی بات سرد خانے کی شکار ہوگئی تھی، لیکن ۲۰۰۶ء میں ان دونوں جماعات کے لیڈروں جن کے روح رواں محترم نور الاسلام صاحب اور محترم مولانا سلیم اللہ صاحب ہیں کی مسلسل جد و جہد اور مسٹر ہانگ اونگ شوے (ڈائرکٹر یورو برما آفس) کے تعاون سے قومی سطح کے ایک پلٹ فارم کی تاسیس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی، اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ان تھک اور مسلسل جد و جہد بھی کی گئی، مگر ایسے حالات میں ان دونوں تنظیموں کے مابین اس متصورہ یا مجوزہ متحدہ پلٹ فارم کے حوالے سے رائے کا ایک اختلاف سامنے آیا تھا، جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔

<u>ارکان رہنگیا یونین (ARU) کی تاسیس کی کامیاب کوشش:</u>

(۱) مولانا دین محمد صاحب کے اچانک انتقال کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب نے اس قومی اتحاد کی مشترکہ کوششوں کے سلسلے کو بڑی حد تک جاری رکھا، اور آگے بڑھایا، جس کے نتیجے میں اور کچھ نہ ہو تو منظمۃ التعاون الاسلامی کے ساتھ ہمارا قومی رابطہ استوار ہو چکا تھا، اور اتنا استوار ہوا کہ انہی باضابطہ طور پر اس کے اعلی سطحی اجلاسوں میں دعوت شرکت دی جانے لگی، اور جہاں انہوں قومی

امور کی بہت ساری خدمات بھی انجام دی تھیں، ان کی یہ کوشش بعد میں بار آور ثابت ہوئی، البتہ ان کی اس کوشش کی تہ بتہ قومی سطح پر کام کرنے والی دیگر تنظیموں اور لیڈروں کی کوششیں بھی مساوی طور پر جاری رہی تھیں۔

ادھر محترم نور الاسلام صاحب نے بعض نا قابل بیان مجبوریوں جن کی داستان بڑی طویل ہے کی وجہ سے محاذ کی سابقہ تمام کارکردگیوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں پناہ لی، پھر ان کا رابطہ برما کے معروف قومی لیڈر ہانگ اونگ شوے (چیرمن یورو برما آفس) سے استوار ہو چکا تھا، جس کے نتیجے میں برمی سیاست کے حوالے سے دونوں لیڈروں کے درمیان تعاون کا سلسلہ شروع ہوا، نور الاسلام صاحب نے روہنگیا مسلمانوں کے قومی مسائل کے پائدار حل کے لئے مسٹر ہانگ کے اس تعاون کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی، اور ان سے رابطہ ہمیشہ بحال رکھا، اور مسٹر ہانگ نے بھی انہیں بھر پور تعاون کا یقین دلایا، پھر دونوں لیڈروں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ روہنگیا مسلمانوں کے قومی مسائل کے پائدار حل کے لئے ان مسلمانوں کے مابین پائی جانے والی جماعتوں اور لیڈروں کے اتحاد اور ہم آہنگی ناگزیر ہے، یوں دونوں نے ان مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والی دیگر جماعتوں بطور خاص روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے لیڈروں سے رابطہ کیا، ساتھ ہی ساتھ ان تمام لیڈروں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ جماعتوں سے ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ اس ممکنہ قومی اتحاد کے لئے قومی سطح پر معروف اور فعال شخصیات کی شرکت و شمولیت بھی بہت ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق کسی متحرک جماعت سے ہو یا نہ ہو۔

(۲) مذکورہ رابطہ کمیٹی کی بنیاد کے لئے ۲۰۰۹ء میں یورو برما آفس آف بروکسل اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی مدد سے روہنگیا لیڈروں پر مشتمل ایک سہ رکنی اجلاس کے انعقاد کے لئے خاص طور پر کوشش کی گئی اور بعد میں اس میں کامیاب بھی ہوا۔

(۳) ہمارے طریقۂ کار کے مطابق ۲۰۱۰ء میں یورو برما آفس اور منظمۃ التعاون الاسلامی کے زیر سائے روہنگیا مسلمانوں میں پائے جانے والے نمایاں لیڈروں کے تعاون سے ایک مجلس عمل کی تاسیس میں کامیابی حاصل کی۔

ارکان وبرما میں قیام امن کی کوشش میں رابطہ کی معاونت:

۲۰۱۸ء کے اواخر سے حکومتِ مملکتِ سعودیۃ عربیۃ نے ارکان وبرما میں امن وآشتی لانے کی ایک گرانقدر کوشش شروع کر رکھی ہے، اوراس حوالے سے رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمۃ کواس اہم کام کی ذمے داری سونپی گئی ہے، ماشاءاللہ رابطۃ کے اعلی ذمے داروں نے اس ناگزیر کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کی راہ میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی، اوراس سلسلے میں آج تک بڑی اہم پیش رفت بھی ہوئی ہے، توشروع ہی سے رابطۃ کے متعلقہ ذمے داروں نے ہماری برادری کے بعض لوگوں سے عمومی اورمحترم شیخ سلیم اللہ عبدالرحمن سے خصوصی مشورہ کیا، جن کے مشوروں کو بارہا سراہا گیا ہے، اللہ کے فضل وکرم سے اس نیک کام کا سنہرا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اللہ کرے کہ مملکتِ سعودی عرب کے زیرسایہ رابطۃ العالم الاسلامی بشمول ہماری یہ کوشش بارآور اورنتیجہ خیز ثابت ہو۔

ارکان روہنگیا یونین کے حوالے سے ایک شبہ کا ازالہ:

قارئین کرام! یہاں ہمیں اس بات کا تذکرہ بہت اہم اورضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۱ء میں سرزمین امن وبرکت مملکت سعودی عرب کے شہر جدہ اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی زیرسرپرستی تاسیس کی جانے والی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کو ہمارے بعض لوگوں نے ہماری دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح ایک مستقل اورآزاد سیاسی جماعت خیال کیا اور کرتا رہا ہے، مگر اہل فکرودانش سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ارکان روہنگیا یونین روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والی جماعتوں کے مابین سیاسی روابط رکھنے یا تنسیق کرنے کا ایک مشترکہ قومی ادارہ ہے، یعنی یہ کوئی ایک مستقل جماعت اورآزاد تنظیم نہیں ہے، اوردوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اسے دراصل تمام روہنگیا جماعات کو روہنگیا سیاسیات کے حوالے سے ایک ہی پلیٹ فارم پرجمع کرنے اوررکھنے کا ایک منصوبہ یا حکمت عملی کے بطور وجود میں لایا گیا ہے، اور یہ ایک مجلس تنسیق، یا متحدہ مجلس عمل ہے، یا دوسرے الفاظ میں اسے رابطہ کمیٹی بھی کہا جاسکتا ہے۔

یوں بھی دنیا میں جمہوری طرز وتعمیر پرمشترکہ مفادات کے حصول کے لئے کام کرنے کے بطور ملکوں کے مابین اوراسی طرح جماعتوں کے درمیان ہمارے اس طرز کی بہتوں متحدہ مجالس عمل یا

مجالس تنسیقی وجود میں لائی گئیں، درحقیقت اقوام متحدہ ہو یا نیٹو، یوروپین یونین ہو یا آسیان، غرض دنیا میں بہتوں ایسی فورم ہیں کہ جنہیں مشترکہ مفادات کے حصول کے حوالے سے مشترکہ طور پر کام کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، ہمیں یہاں اس بات کو جس طرح عرض کی گئی ہے کہ خاصی وضاحت کے ساتھ اس لئے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے بعض لوگوں نے عملا یہی سمجھ رکھا ہے کہ ارکان روہنگیا یونین (ARU) ایک مستقل قومی جماعت ہے، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ ہماری روشن خیال قومی قیادات اوران کے بعض ہم خیالوں اورمعاونین نے ایک تنسیقی ادارہ کی تاسیس کرنے کی اس لئے ضرورت سمجھی کہ ہماری ہر ایک جماعتیں یا شخصیتیں اکیلے اکیلے کام کرنے کے بجائے مشترکہ قومی ہدف کے حصول کے لئے سب سیاسی جماعتیں اورشخصیتیں مل کر کام کریں، یوں ظاہر ہے کہ ان جماعتوں اورشخصیتوں کے درمیان روابط یا تنسیق کرنے اوررکھنے کے لئے ایک متحدہ ادارہ کی ضرورت تھی اور ہے، تو ارکان روہنگیا یونین اس ضرورت کی بنیاد پر تاسیس کی گئی تھی۔

☆☆☆

شبیر احمد صاحب، سپہ سالار، شہید، تنگ بازاری، بوسیدنگی

نائبِ سپہ سالار مجاہدین جناب محترم شبیر احمد صاحب نے ۱۹۵۹ء میں ارکان کے مردم خیز قصبہ تنگ بازار کے ایک شریف خاندان میں آنکھ کھولی، ہوش سنبھالتے ہی روایت کے مطابق محلہ کے مکتب اور مسجد میں بٹھا دیئے گئے، جہاں انہوں نے قرآن کریم کا ناظرہ، کلمے، نماز، دعا وغیرہ مبادیات دین کی تعلیم حاصل کرلی، پھر سرکاری پرائمری اسکول میں داخل کرادیئے گئے، شبیر احمد صاحب کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل کود میں فٹ بال، بیڈمنٹن، والی بال اور جسمانی ورزش، تن سازی اور فن خود حفاظتی میں خاص طور پر جوڈو اور کراٹے سے دلچسپی تھی، کہا جاتا ہے کہ سکنڈری اسکول میں پہنچنے کے بعد وہ نصاب سے زیادہ ورزش اور وہ بھی مارشل آرٹ کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے تھے۔

سن ۱۹۷۶ء میں وہ دسویں جماعت کے ایک طالب علم تھے، ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ اسکول سے چھٹی ہونے پر تنگ بازار کے بھرے بازار سے گزرتا اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق قریبی بستی میں واقع گھر کو لوٹ رہا تھا، پولیس چوکی کے پاس پہنچا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا، ایک مسلمان بیٹی آہ وزاری اور چیخ و پکار میں مصروف تھی، اور چند برمی درندے قہقہوں کے ساتھ دست درازی میں مشغول، سترہ سالہ نوجوان شبیر احمد نے چند لمحے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی مل جائے تو اس کے ساتھ مل کر اپنی اس مجبور بہن کی آبرو بچائے، مگر وہاں ہر طرف نفسی نفسی کا عالم تھا، اب شبیر نے سوچا کہ سینکڑوں میل دور سے ایک بہن کی صرف آواز پر آج سے ہزار سال پہلے ایک نوجوان محمد بن قاسم اگر اس وقت کی عالمی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے آسکتا ہے تو میری بہن تو میری آنکھوں کے سامنے مدد کے لئے پکار رہی ہے، میں اسے لٹتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور اس کی چیخیں بھی سن رہا ہوں، میری عمر بھی تو سترہ سال ہے، میں ابن قاسم کی طرح دشمن پر فتح بھی نہ پاؤں تو جان دے کر رسم شبیری تو ادا کرسکتا ہوں، یہ فیصلہ کرتے ہی انہوں نے اسکول کا بستہ کندھے سے اتارا، آستین بھی چڑھائیں، زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، چشم زدن میں بدمست فوجیوں پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا، وہ تعداد میں چار تھے، یہ اکیلا، اس لڑکے نے جو کراٹے اور جوڈو دونوں میں پچھلے

ہی مہینے اپنے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کر چکا تھا، ایک فوجی کے منہ پر زبردست لات اور دوسرے کے زیر ناف پر زوردار کک رسید کی، تیسرے کو جوڈو کے ایک ہی وار میں پٹخ دیا، دیکھتے ہی دیکھتے تین درندے بے سدھ پڑے زمین چاٹ رہے تھے، چوتھے کی طرف بڑھا تو وہ بزدل انجام دیکھ کر ہاتھ میں پکڑے بندوق سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا، اتنی دیر میں تماشائی جمع ہونے لگے تھے، اس لڑکے نے مظلوم بہن کی بچی کھچی چادر اس کے سر پر رکھی، اور تیزی سے دوڑتا ہوا اسے اس کے گھر تک پہنچا دیا۔

مظلوم بہن کو اُس کے گھر پہنچا کر شبیر احمد وہاں سے اس حالت میں صرف اسکول کے کپڑوں میں نام نہاد مہذب انسانی بستیوں اور آبادی کو چھوڑ کر تن تنہا صرف اللہ کے بھروسے پر خطرناک جنگل اور پہاڑ میں گھس گئے، انہوں نے سن رکھا تھا کہ اس سلسلۂ کوہ کے مغربی کنارے پر کسی جگہ بنگلہ دیشی سرحد کے قریب روہنگیا مجاہدین کی تنظیم روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) کا کیمپ واقع ہے، شبیر احمد کئی دن اور راتوں کے سفر کر کے اللہ کے فضل سے صحیح وسلامت وہاں پہنچ گئے، مجاہدین اور تنظیم کے سربراہ محمد جعفر حبیب نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، ان کی روداد سنی، آمد کا مقصد معلوم کیا، اور مجاہد کی حیثیت سے جماعت میں شامل کرلیا تھا۔

شبیر احمد صاحب چھ سال روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) میں رہے، عام مجاہدین سے ترقی کرتے کرتے کمانڈر کے رتبے تک پہنچے، ہر قسم کی دستیاب جہادی، جسمانی، حربی، فنی، اسلامی تعلیم اور تربیت حاصل کی، بدقسمتی سے روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) بحران اور قیادت کے اختلاف کی شکار ہو کر انتشار کی نذر ہوگئی تھی، اور مجاہدین بھی قسما تتر بتر ہوگئے تھے۔

شبیر احمد صاحب نے واپسی کا نہیں سوچا، سرحد پار کر کے پڑوسی ملک چلے گئے تھے، وہاں کسی طرح رابطہ عالم اسلامی کے تحت شروع ہونے والے دو سالہ ''ویلیج ڈاکٹر کورس'' میں داخلہ حاصل کرلیا، اور امتیاز کے ساتھ اس کی تکمیل کر کے گویا ایک طرح سے مستند قانونی معالج اور ڈاکٹر بن گئے تھے۔

سرٹیفیکٹ حاصل کرنے کے بعد شبیر احمد صاحب کے لئے بڑا اچھا موقع تھا کی وہ بے خوف وخطر اپنی دنیا بناتے، معاشی حالت سدھارتے، بیماروں کا علاج کرتے، اور عطائیوں کے دیس میں مسیحا

بن کر لاکھوں میں کھیلتے ،لیکن انہوں نے اس پر کشش ذریعۂ معاش کو ایک دن کے لئے بھی اختیار نہیں کیا، وہ چند مریضوں کا نہیں پوری قوم جو خطرناک ترین مرض کفار کی ذہنی وجسمانی غلامی میں مبتلا ہے، اس کا علاج اور پائدار صحت اور تندرستی چاہتے تھے، کورس مکمل کر کے نکلے تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) قائم ہو چکی تھی، اور اس کے مجاہدین تربیت پارہے تھے ،شبیر احمد صاحب رابطہ کمپلکس سے سرٹیفکیٹ جیب میں لے کر کہیں کلینک کھول کر بیٹھنے اور نوٹ گننے کے بجائے سیدھا آر ایس او کے مرکز پہنچ گئے، اور خود کو نظم کا حوالہ کر دیا، قائدین اور مجاہدین نے بھی ان کا بھر پور استقبال کیا تھا۔

شبیر احمد صاحب ایک تربیت یافتہ مجاہد کمانڈر تھے، یہاں انہوں نے مجاہدین کی تربیت شروع کی، اپنے گذشتہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تدریب وتربیت کے نت نئے طریقے ایجاد کئے، پرانے طریقوں میں اصلاح کی اور نئے اسالیب اختیار کئے تھے۔

کمانڈر اور اعلی ذمے دار ہونے کی وجہ سے انہیں نظم وضبط کا پابند تو ہونا ہی تھا، وہ تمام ماتحتیوں اور مجاہدین کے اندر بھی اس وصف کو بدرجۂ اتم دیکھنا چاہتے تھے، اس لئے زبانی تلقین کے ساتھ ساتھ کڑی نگرانی کا بھی انتظام کرتے تھے، موصوف پابندیٔ وقت میں اپنی مثال آپ تھے، اوسط قدو قامت کے حامل، مضبوط جسم کے مالک اور انتہائی پھرتیلے شبیر احمد میں بڑی عاجزی اور انکساری بھی تھی، خودنمائی اور نام ونمود کا جذبہ انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

وہ راتوں کو چھپ چھپ کو عبادت کرتے، بچپن میں قرآن کا ناظرہ پڑھا تھا، اور کیمپ میں آکر قرآن کریم کو باضابطہ تجوید کے ساتھ دوبارہ پڑھا مختصر سورتیں حفظ کر لیں، عام روہنگیا کی طرح اردو گویا ان کی سرکاری زبان تھی، وہ برمیز تعلیم یافتہ تھے، اس لئے لکھنے پڑھنے کا کام اس سے لیتے تھے، انگریزی بھی بقدر ضرورت آتی تھی، ان میں ایک صفت تھی کہ بات منہ پر اور سامنے کہتے تھے، غیبت کے سخت خلاف تھے، جو بات ناگوار گزرتی کہ آدمی چھوٹا ہو یا بڑا اس کا اظہار برملا اس کے سامنے کرتے تھے۔

شبیر احمد صاحب محنت، خلوص اور جدوجہد کے نتیجے میں مجاہدین کے مربی ومدرب کی حیثیت سے

ترقی کرتے کرتے آر ایس او کی مرکزی مجلس شوری اور اس کے بعد مرکزی مجلس عاملہ کے لئے بھی منتخب کر لئے گئے، بعد ازاں تمام مجاہدین آر ایس او کے نائب سالار اعلی مقرر ہوئے، اس حیثیت میں انہوں نے معسکر اور مجاہدین میں بہت ہی مفید اقدامات کئے تھے۔

ماسٹر شبیر احمد صاحب نے ۱۹۸۶ء میں شادی کی سنت بھی ادا کر لی تھی، ان کی اہلیہ آر ایس او کے امیر ڈاکٹر محمد یونس کی سگی بہن ہیں، چار بچے ان کے پس ماندگان میں شامل ہیں۔

۱۹۹۴ء میں باقاعدہ جہاد کا فیصلہ ہوا تو ماسٹر شبیر احمد صاحب نے مشاورت کے بعد اپنے لئے جنوبی منگڈو کا علاقہ پسند کیا، جو حربی اعتبار سے سب سے مشکل خطہ ہے، ان کی کمپنی نے وہاں دشمن کے ناک میں دم کر دیا تھا، شب خون اور گھات لگا کر حملے کے ذریعے ''مارو اور بھاگو'' کی گوریلا حکمت عملی اپنا کر دشمن کو زچ کر دیا تھا، مولانا محمد یونس جہادی شہید، مولانا صدیق الرحمن شہید، مولانا محمد حسن شہید اور کئی چوٹی کے کمانڈوز اپنے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے زیر کمان تھے۔

وہ مہینوں لڑتے رہے، ڈٹے رہے، مقابلہ کرتے رہے، مارتے رہے اور خود بھی زخمی اور شہید ہو کر آیات قرآنی کی عملی تفسیر اپنے خون سے رقم کرتے رہے، بالآخر برمی حکومت بالکل عاجز آ گئی، اور پے در پے ہزیمتوں اور بھاری مادی اور جانی نقصانات کی وجہ سے اس کے جنرلز باولے کتوں کی مانند پاگل ہو گئے، اور بہت نفری فوج کی بھاری مقدار میں ہر قسم کا اسلحہ، گن شپ، ہیلی کاپٹر، توپ خانے سمیت منگوالیا گیا، ان سب کی مدد سے مٹھی بھر مجاہدین کو کچلنے کی زبردست مہم اور کاروائی شروع کی گئی، صورت حال کو دیکھتے ہوئے مجاہدین نے بھی نئی حکمت عملی مرتب کر لیں، اب وہ بہت محتاط طریقے سے حملے اور نقل وحرکت کرتے رہے، حکومت برمانے مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا، زندہ یا مردہ مجاہدین کو پکڑنے یا ان کے ٹھکانوں کی نشاندہی کرنے والوں کے لئے خطیر رقم کے انعامات کا اعلان کر دیا، ہزاروں برمی فوجی چپے چپے میں پھیل گئے، ان کی وجہ سے مسلم آبادیوں کو لاحق خطرات جو پہلے بھی کچھ کم نہ تھے اب دو چند ہو گئے تھے۔

ان حالات میں تنظیم کی اعلی قیادت نے شبیر احمد صاحب کو پیغام بھجوایا کہ وہ چاہیں تو کاروائی میں کچھ عرصے کے لئے عارضی وقفہ کر کے واپس بھی آ سکتے ہیں، لیکن شبیر احمد صاحب نے یوں جواب دیا

کہ میں یہاں واپس جانے کے لئے نہیں آیا ہوں، اور مجاہدین میں سے بھی کوئی واپس جانے کو تیار نہیں ہے، اس لئے میں واپسی کے نام تک لینے کو سزاوار نہیں سمجھتا ہوں۔

شبیر احمد صاحب بشمول کمانڈوز اور مجاہدین سخت حالات میں تھے، رسد کی فراہمی اور آبادی سے رابطہ مطلقاً منقطع ہو چکا تھا، ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے ہلکے اور بھاری اسلحے سے لیس برمی فوج شکاری کتوں کی طرح مجاہدین کی بو سونگھتی پھر رہی تھی، لیکن مجاہدین اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹے ہوتے تھے،

کمانڈر محمد یونس جہادی، کمانڈر محمد حسن اور کئی مجاہدین ایک ایک کر کے مختلف معرکوں میں شہید ہوتے گئے، ماسٹر شبیر احمد کے ساتھ بس ۲۸ مجاہدین رہ گئے تھے۔

جہاں تک ماسٹر شبیر احمد صاحب کی شہادت کا تعلق ہے کہ ایک روایت کے مطابق نہ وہ شہید ہوئے اور نہ برمی افواج کے ہاتھ میں گرفتار، اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر وہ شہید ہوتے تو برمی حکومت ان کے جسد مبارک کی نمائش اور باتصویر نام کی تشہیر ضرور کرتی، اور دنیا سے داد بھی طلب کرتی، جس طرح اس نے دیگر شہداء کی لاشوں کے ساتھ کیا ہے، اسی طرح اگر وہ زندہ گرفتار ہوتے تو تب بھی یہی سلوک ہوتا، آخری معرکہ کے شہداء کے نعشوں کو بھی جن لوگوں نے دیکھا ہے، اور ان کی شناخت کی ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ ماسٹر شبیر احمد صاحب ان میں نہیں تھے، آج کئی سال گزر چکے ہیں، لیکن ماسٹر شبیر کا کوئی پتہ نہیں ہے، یوں بھی تو شہداء مرتے نہیں، خدا معلوم آپ کہاں ہیں ؟۔

ایک دوسری روایت کے مطابق جناب شبیر احمد صاحب کو شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر بہت پسند تھا، جو ہر وقت بھنورے کی طرح گنگناتے تھے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری	کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی	کہ یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسم شبیری ادا کرنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

☆☆☆

جناب ڈاکٹر دین محمد صاحب منگنماوی، منگڈوی

صاحب زادۂ گرامی جناب ڈاکٹر دین محمد صاحب مولانا سید الامین صاحب منگنماویؒ کی نرینہ اولاد میں سے سب سے بڑے ہیں، ان کی پیدائش ۱۹۶۴ء میں شقدار پارہ منگڈو میں ہوئی، درال حالیکہ حضرت مولانا جامعہ عالیہ اسلامیہ شقدار پارہ میں مدرس تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی منگنما میں ہوئی، گاؤں کے دینی مکتب کے ساتھ ساتھ سرکاری اسکول میں بھی پڑھتے رہے، مکتب کے استاد مولانا سلطان احمد صاحب منگنماوی تھے، جبکہ سرکاری پرائمری اسکول کے استاد ماسٹر نذیر احمد صاحب خایونگ خالوی تھے۔

اس کے بعد آپ پرامپورو آئے، وہاں کے سرکاری پرائمری اسکول میں بھرتی ہو گئے، اور ساتھ ساتھ جامعہ محمدیہ پرامپورو میں اپنے والد نامدار کی زیر نگرانی پڑھتے رہے، ایک طرف سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کر لی تو دوسری طرف جماعت ششم تک درس نظامی کی متداول کتابیں بھی ماہر اساتذہ سے پڑھ لیں، ڈاکٹر صاحب کے اس زمانے کے اساتذہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ماسٹر ابو الہاشم پرامپوروی۔

(۲) ماسٹر محمد عالم چالی پرانگی.

(۳) ماسٹر ابو العباس داروغہ ڈیلوی (ماسٹر صاحب مرحوم حضرت مولانا دین محمد داروغہ ڈیلوی سابق صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے حقیقی چچا تھے۔

(۴) مولانا منیر احمد صاحب رامپور بیلوی۔

(۵) مولانا ابو الحسین صاحب عرب شاہ پاروی۔

(۶) مولانا محمد یوسف صاحب رامپور بیلوی۔

(۷) مولانا عبد الحق صاحب پرامپوروی۔

(۸) مولانا سید عالم صاحب منگنماوی۔

(۹) مولانا عبد الرشید صاحب خوار بیلوی۔

(۱۰) مولانا عبدالحکیم صاحب خوار بیلوی۔

سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد منگڈو گئے اور کھاری پارہ کے سرکاری اسکول میں بھرتی ہوگئے تھے، یہاں سے آپ نے اٹھویں جماعت پاس کرلی۔ یہاں آپ کے اساتذہ یہ ہیں=

(۱) ماسٹر شوے سا (کمین مسلمان)

(۲) ماسٹر ولی اللہ شجاع پاروی۔

اس کے بعد آپ شقدار پارہ ہائی اسکول میں بھرتی ہوگئے۔ جہاں سے آپ نے ۱۹۸۶ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا۔اور یہاں کے اساتذہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ماسٹر جہانگیر عالم بلی بازاری۔

(۲) ماسٹر پے ٹنگ (مسلمان) منگڈوی۔

(۳) ماسٹر محمد یونس منگڈوی۔

(۴) مس ڈواونگ کنگ (مگھ استانی۔

(۵) ماسٹر دین محمد ریدوی۔

مٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۸۷ء میں پگو کالج میں داخلہ لیا، مگر اس زمانے کے ایک قومی حادثہ کے دوران آپ کو کالج چھوڑ ناپڑا، اور پڑھائی سے نہیں بلکہ آپ کو اپنا وطن بھی چھوڑ ناپڑا۔ بعد ازاں حضرت مولانا سید الامین صاحب کا مشورہ تھا کہ اگلی تعلیم کے لئے پاکستان یاتر کی چلا جائے، بالآخر مشورہ طے ہوا کہ پاکستان ہی بہتر ہوگا، یوں آپ نے بڑی مشکل سے پاکستان کی راہ لی اور ۱۹۸۷ء کے اواخر میں اسلامیہ سائنس کالج کراچی میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے (BSC) کی ڈگری ۱۹۸۴ء میں حاصل کرلی۔

اس کے بعد آپ سعودی عرب گئے، آٹھ نو مہینے تک وہیں گزار کر پھر ۱۹۹۵ء میں کراچی واپس گئے، جہاں بھی آپ نے تقریباً نو مہینے گزار دیئے تھے۔

۱۹۹۶ء میں آپ حضرت مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی وغیرہ کی کوشش کے نتیجے میں

سوڈان پہنچے، اور جامعہ الزعیم الازہری خرطوم میں بھرتی ہوگئے، جو ایک میڈیکل کالج ہے، یہاں مسلسل دو سال پڑھنے کے بعد ''جامعہ جوبا'' میں منتقل ہوگئے، یہاں بھی دو سال پڑھتے رہے، مگر افسوس کہ معاشی حالات کی خرابی کی وجہ سے آپ کو پڑھائی سے ہاتھ دھونا پڑا۔

۱۹۹۷ء میں آپ سوڈان سے بنگلہ دیش آگئے، اسی سال آپ کی شادی شگفتہ جبین بنت مسٹر مظفر احمد (DO) خیر پاروی مرحوم سے بمقام چاٹگام ہوئی، ماشاءاللہ آج تک دو بچوں کے باپ ہیں:

(۱) رومیسا=آٹھویں جماعت کی طالبہ ہے.

(۲) محمد عمیر=تیسری جماعت میں پڑتا ہے.

اللہ تعالی ان دونوں بچوں کی عمر میں برکت دیں اور ہر آلام ومصائب سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کی نجات اوران کی بہبودی وترقی کے فکر مند رہے ہیں، غالبا ۱۹۹۳ء میں پاکستان میں تعلیم کے دوران ''اتحاد الطلاب المسلمین'' ارکان، برما (ITM) کی تاسیس ہوئی، آپ اس طلبہ تنظیم کے مؤسسین میں سے ہیں، آپ نے اس مفید اور کام کی تنظیم میں شامل ہوکر قوم کے نوجوان طلبہ کی بہت ساری خدمات انجام دیں، علم وعمل اور قومی سرگرمیوں سے لگن رکھنے والے طلبہ کی بروقت اور صحیح رہنمائی کی، سوڈان میں دوران تعلیم آپ ایک طرف اتحاد الطلاب المسلمین (ITM) دوسری روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیزیسن (RSO) کی نمائندگی کی، وہاں آئی ٹی ایم کے برانچ کھولے، اور بہت سارے روہنگیا طلبہ کو اسکالرشب کے ذریعے سوڈان کے مختلف جامعات میں داخلہ دلایا، ماشاءاللہ انہوں نے اس کام کی بنیاد رکھی، بعد میں محترم ڈاکٹر محب الدین عبدالسجان واعظ (پروفیسر ام القری یونیورسیٹی مکہ المکرمہ) اوران کے احباب ورفقائے کارنے ان تعلیمی پروگرام کو بطور خاص سوڈان میں آگے بڑھایا، ان کے بعد آج کل غالبا ۲۰۱۳ء کے بعد سے گلوبل روہنگیا سنٹر (GRC) والوں کی خدمات بھی ایک حد تک قابل داد ہیں۔

طالب علمی کے زمانے کے بعد ڈاکٹر صاحب سوڈان کا چند مرتبہ دورہ کیا اور مختلف کانفرسوں میں شرکت کی، روہنگیا طلبا کو مختلف سوڈانی جامعات میں اشکا کرشپ دلانے کی کوشش آج بھی ماضی کی

طرح کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے زمانے سے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے حامی اور کارکن رہے ہیں، ۱۹۹۹ء میں مرحوم مولانا دین محمد صاحب کی قیادت میں دوبارہ اس تنظیم کا اعلان ہوا تو آپ شوری کے ممبر چن لئے گئے، اس کے بعد ۲۰۰۴ء میں مرکز میں اس کے شوری کا اجلاس ہوا، جس میں آپ مرکزی مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر بنے، جس کے بعد ان کی سرگرمیں علانیہ دکھائی دینے لگیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یوں تو سعودی عرب کا مختلف دورہ کیا، لیکن ارایس او کی مجلس عاملہ کے ممبر ہونے کے بعد سعودی عرب کی طرف ان کی آمدورفت میں کافی حد تک اضافہ ہوا، ۲۰۰۴ء میں باضابطہ ویزہ حاصل کر کے سعودی عرب میں تنظیم کے مختلف پروگرام لئے آتے رہے، اس سلسلہ میں ۲۰۰۵ء میں ملک فھد بن عبدالعزیز مرحوم کی دعوت پر مولانا دین محمد اور مولانا سلیم اللہ عبدالرحمن کے ساتھ ریاض گئے، اور سرکاری مہمان بنے مختلف سرگرمی میں حاضری بھی دی۔

مولانا دین محمد مرحوم کے اچانک انتقال کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب کے دور قیادت میں آپ نائب صدر منتخب ہوئے، اور مولانا سلیم کے ساتھ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی ورزائے خارجہ کانفرنس صنعاء (یمن) کے علاوہ ۲۰۰۵ء میں منعقدہ اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ایک اعلی ذمے دار کی حقیقت سے ۲۰۰۶ء میں تھائی لینڈ میں منعقدہ "پروگرام برائے اصلاح وطنی" (NRP) میں اپنے چند ساتھیوں سمیت شرکت کی اور ملک وقوم کی فلاح اور بہبودی کی خاطر قابل داد خدمات انجام دی تھیں۔ بعد ازاں آپ نے اپنی تنظیم کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ۲۰۰۸ء میں لال خان بازار چاٹگام والے نیشنل کونونشن میں شرکت کی، مگر افسوس یہ کونونشن مختلف وجوہات کی بنیاد پر ناکام ہوگیا تھا۔ جس کی تفصیلات راقم سطور کی دیگر تحریر میں ملیں گی، تاہم آپ ہمت ہارے نہ تھے اور قوم کو ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرنے کی کوشش چلتی رہی تھی۔

غالبا ۲۰۰۹ء کے بعد دین محمد صاحب اور مولانا سلیم اللہ صاحب کے مابین اختلاف اس وقت

رونما ہوا جب مولانا صاحب نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن میں اصلاح لانے کی کوشش تیز کردی تھی، بالآخر مولانا صاحب نے ارایس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، ان میں سے ایک حصہ زیر زمین کام کرنے والوں کا۔ اول الذکر والوں کا تنظیمی نام تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) ہی رہ گیا، جبکہ موخرالذکر والوں کے نام کو مولانا نے اصلاح کے نام پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) سے بدل دیا، بعد میں یہ دونوں حصے دو متحارب جماعتوں میں تقسیم ہوگئے، ان میں سے اول الذکر کی قیادت ڈاکٹر دین محمد اور کمانڈر ایوب کررہے تھے، جبکہ موخرالذکر کی قیادت مولانا سلیم اللہ صاحب نے سنبھالی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب کی علیحدگی کے فورا بعد ڈاکٹر دین محمد صاحب ارایس او کے صدر بنے، اور آپ نے اپنی تنظیم کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تاسیسی اجلاس ۲۰۱۱ء کو منظمۃ التعاون الاسلامی (OTC) کے صدر دفتر میں شرکت کی تھی، مگر افسوس کا مقام یہی تھا کہ ۲۰۱۱ء سے کچھ سال پہلے اور بعد میں بھی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) مختلف متحارب دھڑوں میں تقسیم ہوچکی تھی۔ ان میں سے قابل ذکر ایک دھڑے کی قیادت ڈاکٹر دین محمد صاحب کررہے تھے تو دوسرے دھڑا کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس یا نگونوی منگڈوی کررہے تھے، ان دونوں دھڑوں کے علاوہ بھی بعض نام نہاد دیگر دھڑے بھی پائے جاتے تھے، لیکن ۲۰۱۱ء کے مذکورہ اجلاس میں ان دونوں مذکورہ دھڑوں نے باضابطہ شرکت کی تو ان دونوں ارایس او کے دعویداروں کے مابین مخاصمہ ہوا، روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ڈاکٹر دین محمد اور ان کے حامیوں نے اپنی جماعت کو ماضی سے تسلسل رہنے اور اپنے اصول کے مطابق مسلح ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت اور ان کی جماعت کو نام نہاد اور کالعدم قرار دیتے ہوئے بتایا کہ:

(۱) ارایس او کے اصول کے مطابق ڈاکٹر یونس صاحب کا گرپ غیر مسلح گروپ ہے۔

(۲) اس گروپ کا ماضی سے کوئی تسلسل نہیں ہے۔

(۳) خود ڈاکٹر محمد یونس صاحب اگرچہ ارایس او کے سابق صدر رہ چکے تھے، لیکن ارایس کو خیرباد کہتے ہوئے مختلف دیگر جماعتوں کا اعلان اور ان کی قیادت کی تھی۔ جن میں ارکان روہنگیا نیشنل

آرگنائزیشن (ARNO) کے علاوہ ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم (ALJF) قابل یاد ہیں۔

مگر یہ اوران جیسے اعتراضات کے باوجود یہاں ڈاکٹر محمد یونس کی جیت اور ڈاکٹر دین محمد صاحب کی ہار ہوئی تھی، اس ہار میں ڈاکٹر محمد یونس کی قدآور شخصیت کے علی الرغم ایک بات اصولی حد تک قابل غور تھی کہ اس مذکورہ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے تاسیسی اجلاس میں جتنے گروپ اور جتنی تنظیموں نے شرکت کی تھی، ڈاکٹر دین محمد کی جماعت کے علاوہ ساری کی ساری تنظیمیں اور گروپ غیر مسلح تھے۔ چونکہ اے ار یو کو اپنے اصول موضوعہ کے مطابق پرامن اور سنجیدہ فورم ہونا تھا، اسی لئے بھی ڈاکٹر دین محمد کی جماعت کو اس فورم میں شریک کرنے سے معذرت کرلی گئی تھی۔ ڈاکٹر دین محمد صاحب کے نزدیک یہ ایک افسوس ناک قومی وسیاسی حادثہ سے کسی طرح کم نہ تھا، اب انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو قدرے دلاسا اور تسلی دینے کی کوشش کی کہ شہسواران رزم پیکار و کردار وحال کے لئے رندان بزم قال میں جگہ کب اور کیسی ہوسکتی ہے؟

۲۰۱۲ء کے دوران بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیزیشن سے علیحدگی اختیار کرلی، مگر قومی خدمات کے حوالے سے کام کرنے میں مگن رہے، ایک علیحدہ پاڑ کی بنیاد بھی رکھی ، تاہم اعلان اب تک نہیں ہوسکا۔

ڈاکٹر دین محمد کا رجحان جہاد اسلامی کی طرف ہمیشہ تھا اور اب بھی رہا ہے، ارکان میں منظم طریقے سے جہاد کرنے کے لئے آپ بڑے کوشاں نظر آتے ہیں۔ جہاد اسلامی کے کارکنوں اور علماؤں اور مجاہدین کو سرگرم کرنے کے حوالے سے آپ کی خاصی کوشش رہی ہے، اس سلسلے میں بعض اسلامی ممالک سمیت ضروری ملکوں کا مختلف سفر بھی کیا ہے، ار ایس او کے اندر رہتے ہوئے بھی اور آج کل بھی قوم کو متحد کرنے کے لئے آپ بڑے سرگرم تھے اور ہیں، ارکان روہنگیا یونین کی تاسیس کے لئے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی، مگر بالآخر خود آپ اور آپ کی تنظیم کو شرف باریابی سے بھی محروم کردیا گیا۔ آپ ماشاءاللہ بڑے خلیق، صابروشاکر، ملنسار اور ہنس مکھ ہونے کے علاوہ ذہین وفطین اور سادہ انسان ہیں، ساتھ ساتھ دین دار اور پرہیزگار بھی۔

کمانڈر جناب محمد یونس صاحب، منگڈوی

کمانڈر جناب محمد یونس بن محمد اسحاق صاحب منگڈو ٹاؤن میں ۴/ جنوری/ ۱۹۶۸ء میں ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک معمولی آدمی تو تھے لیکن ذی فہم اور ملک و قوم کے حوالے سے بڑے دردمند تھے، ساتھ ہی ساتھ وہ بڑے بہادر، نڈر اور بے باک تھے، قوم کی ہر مشکلات پر ترسنے اور ظلم وبربریت کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں سے بھی تھے۔

محمد یونس صاحب کی تعلیم کا آغاز دینی مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے ہوا، منگڈو ٹاون کے سرکاری ہائی اسکول سے مٹرک پاس کر کے اکیاب کالج میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۸۸ء میں انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا، انٹر پاس کرنے کے بعد وہ رنگون یونیورسیٹی کو جانے کی تیاری کررہے تھے کہ یکا یک برما میں ۱۹۸۸ء کا وہ جمہوریت نواز انقلاب شروع ہوا، جس نے پورے برما کو ہلا کررکھ دیا تھا، انقلاب کے دوران وہ منگڈو واپس آگئے اور جمہوریت نوازوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کردیا، چونکہ وہ ایک بردبار اور حلیم الطبع طالب علم تھے، چنانچہ طلبہ کی ایک بڑی اکثریت کی خواہش پر انہوں نے وہاں کی طلبہ تنظیم کی قیادت کی، ویسے ان کو ۱۹۸۹ء کے دوران "مایو اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن برائے منگڈو ٹاؤن شپ" کے عہدۂ صدارت بھی سنبھالنا پڑا تھا۔

بعد میں برما کی مرکزی حکومت کی باگ ڈور فوج نے سنبھالی تو محمد یونس کے لئے وطن کی زمین تنگ ہو گئی، یوں وہ ترک وطن کی راہ اختیار کرتے ہوئے بنگلادیش پہنچ کر سیدھے روہنگیا قوم کی زیرزمین کام کرنے والی تنظیم "روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہوگئے تھے۔

مذکورہ جماعت میں شامل ہوکر محمد یونس نے فوجی تربیت حاصل کی، بعد میں انہوں نے آرایس او کے اس وقت کے امیر جناب ڈاکٹر محمد یونس کی لڑکی سے شادی کی، بعد میں ان کو مجاہدین کا سرخیل (مجاہدین کے کمانڈر انچیف) چن لیا گیا اور اس عہدے پر دو سال تک فائز تھے۔

۱۹۹۴ء کے بعد آرایس او میں ایک انقلاب آیا تھا، جس کی وجہ سے محمد یونس بڑے پریشان ہوگئے تھے، ۱۹۹۸ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان روہنگیا اسلامک

فرنٹ (ARIF) کو کالعدم قرار دے کر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو محمد یونس پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر بنے، پھر مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر منتخب ہوئے تھے، بعد میں مجلس عاملہ اور قائمہ کمیٹی کی موافقت سے وہ نائب سالار مجاہدین چن لئے گئے تھے۔

محمد یونس ۲۰۰۰ء کے دوران اپنے سسر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ساتھ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے سبکدوش ہو کر سعودی عرب چلے گئے، جہاں انہوں نے چند سال اپنی نجی تجارت سے دل چسپی لی، جس میں ماشاء اللہ تھوڑی سی کامیابی بھی ملی تھی، لیکن سعودی عرب میں بعض ناگفتہ بہ حالات کے شکار ہو کر وہ دوبارہ بنگادیش واپس آئے اور تا حال بنگلہ دیش میں مقیم ہیں۔

محمد یونس صاحب کم سے کم ۱۹۹۴ء سے اپنے لائق سسر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا ساتھ دیتے رہے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے رکن ہونے کے ساتھ بعد میں جب ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس الائنس میں بھی رکن رکین رہے ہیں، شنید ہے کہ آج کل مگھوں کی تنظیم ارکان آرمی (AA) کے خلاف برمی فوجی حکومت کے زیر سائے انقلابی سرگرمی کر رہے ہیں، واللہ اعلم، اللہ تعالی ان کو اپنی حفاظت میں رکھے، آمین یا رب العالمین۔

☆☆☆

حرف آخر:

پچھلی تفصیلات سے یہ بات سورج کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی عملی سیاسی وانقلابی زندگی یونیورسیٹی کے دوران تعلیم سے شروع ہو کر تادم تحریر جاری وساری ہے، اللہ تعالی آپ کا سایہ ہمارے سر پر تا دیر باقی رکھے، آپ کی یہ ساٹھ سال پر محیط عملی زندگی بہت سارے اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے، اس میں کیا شک ہے کہ آپ اپنی اس طویل زندگی میں کبھی اور کسی بھی حالات میں چین وسکون سے بیٹھے ہوئے نہیں تھے، ہر کجا ملت وقوم کی فلاح، بہبودی اور نجات کے لئے ہاتھ پیر مارتے رہے تھے، اس حوالے سے سچ تو یہ ہے کہ کام آپ نے بہت کئے، سرگرمیاں بہت دکھائیں، جن کے نتائج اچھے بھی نکلے اور اس کے برعکس بھی، لیکن اس میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا اپنی دانست کے مطابق ملت وقوم کے مثبت مفاد کی نیت سے کیا ہے، اللہ تعالی آپ کو ان تمام کاموں کے اجر جزیل دنیا میں بھی دے اور آخرت میں بھی عطا کرے۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب اپنی اس طویل ساٹھ سالہ عملی زندگی میں ڈیر ساری منظمات سے وابستہ رہے اور مختلف الائنس میں رہ کر ملت وقوم کی فلاح وبہبودی کی خاطر سرگرمیاں کیں اور خدمات بھی انجام دیں، جن میں سے کچھ کا اجمال یہ ہے کہ:

(۱) آپ رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) سے وابستہ رہے۔

(۲) آپ نے رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشین (RAMSA) میں شامل ہو کر مسلم طلباء کی خدمات انجام دیں۔

(۳) ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (R P F) میں باضابطہ شامل ہو کر خدمات سرانجام دیں، جن کی طول طویل تفصیلات میں سے قدر قلیل چیزیں اس عجالہ میں سہی ناظرین وقارئین کرام کے سامنے ہیں۔

(۴) آپ نے جناب محترم نور الاسلام صاحب اور دیگر حضرات کی شمولیت میں ۱۹۷۷ء میں

ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے نام سے ایک تنظیم کی تشکیل دی تھی، جس میں آپ کی خدمات نمایاں تھیں۔

(۵) آپ نے ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) جیسی تنظیم قائم کر کے ایک طویل عرصہ تک اس کی رہنمائی کی، جس کا سلسلہ شاید تا حال جاری ہو۔

(۶) آپ نے ۱۹۹۶ء میں روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) قائم کیا، جس میں آپ اور آپ کی جماعت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی نمایاں خدمات تھیں۔

(۷) ۱۹۹۹ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے قیام میں ڈاکٹر صاحب اور آپ کی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی خدمات نمایاں تھیں، جس میں آپ نے ایک عرصہ تک تندہی سے کام کیا تھا۔

(۸) آپ نے ۲۰۰۶ء کے دوران ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم (ALJF) کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، جسے بعد میں کالعدم کر دیا گیا۔

(۹) آپ نے ۲۰۰۷ء میں ارکان ڈیموکریٹک الائنس (ADA) کے نام سے ایک قومی الائنس کی بنیاد رکھی، جس میں جناب نور الاسلام صاحب اور حبیب الرحمن صاحب وغیرہ بھی شامل وشریک تھے۔

(۱۰) آپ نے ۲۰۰۸ء کے دوران ارکان روہنگیا کونسل (ARC) کے نام سے قائم کئے گئے ایک الائنس میں شامل ہو کر خدمات انجام دی تھیں۔

(۱۱) ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے قیام میں آپ کی خدمات نمایاں تھیں، یاد رہے کہ آپ اس یونین کے چار موسسین میں سے ایک ہیں۔

(۱۲) ۲۰۱۲ء کے دوران گلوبل روہنگیا سنٹر (GRC) کا قیام عمل میں آیا، اس کے قیام میں آپ کی بنیادی سرگرمیاں تھیں، جسے ۲۰۱۳ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی چارٹر میں شامل کر کے ایک خاص مقام دیا گیا تھا، جس کی طویل دلشکن اور دلدوز داستانیں ہیں۔

(۱۳) سن ۲۰۲۲ء میں ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کے نام سے ایک گرینڈ الائنس قائم ہو چکا ہے، جس کے قیام میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب (صدر روہنگیا سالیڈیریٹی

آرگنائزیشن (R S O) اور محترم جناب نور الاسلام صاحب (صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے علاوہ روہنگیا قوم کی نمایاں متحرک سیاسی وانقلابی شخصیات اور بہت ساری روہنگیا منظمات، بنگلادیش سمیت چند خیر خواہ ممالک کے بہتوں نمایاں شخصیات کی بھرپور تائید اور تعاون حاصل ہے، جس میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی بطور نائب صدر خدمات بھی نمایاں تھیں۔

(۱۴) آج ۲۰۲۵ء کا زمانہ ہے، شنید ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت میں ارکان نیشنل ڈیفنس فورسس (ANDF) نامی ایک تنظیم قائم کی گئی ہے، جس میں جناب برادر محمد یونس (داماد محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب) جناب رشید احمد معروف بہ ممبر ارشید صاحب اور محترم ڈاکٹر دین محمد منگمناوی کے علاوہ ماسٹر جعفر احمد صاحب (کسی قدر) بھی شامل اور شریک کار ہیں، کچھ باوثوق ذرائع سے مسلسل یہی اطلاع مل رہی ہے کہ اندرون وطن میں برمی فوج کے زیر سائے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے بھیجے گئے لوگ مگھوں کی مسلح متشدد تنظیم ارکان آرمی (AA) کے خلاف مسلح عملی اقدامات کر رہے ہیں، اس حوالے سے شنید ہے کہ:

(الف) اندرون وطن میں کمانڈر علی جوہر نامی ایک مسلم جوان ڈاکٹر صاحب کے اشارے بلکہ آپ کی قیادت میں برمی افواج کے زیر سائے ارکان آرمی کے خلاف مسلح اقدامات کر رہے ہیں۔

(ب) جب کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب پر یہ الزام ہے کہ آپ نے ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) میں بطور نائب صدر شامل رہنے کے باوجود اس تنظیم کی علانیہ اور بین پالیسی کے خلاف کسی کو بھی کسی قسم کی اطلاع دیئے بغیر برمی فوج کے زیر سائے اقدامات کر رہے ہیں، جو ممکن ہے کہ قومی مفاد کی سراسر خلاف ورزی بھی ہو۔

(ج) اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب پر ہر کہیں سے یہ الزام عاید ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنے تاریخی وقومی دشمن برمیوں کی طرف سے ملی ہوئی رقوم میں کافی مالی بدعنوانیاں کی ہیں، لیکن اس الزام کا کوئی بھی ٹھوس ثبوت آج تک سامنے نہیں آیا، اور ممکن ہے کہ شاید آ سکے گا بھی۔

(د) آج بتاریخ: ۱۴ / ۰۲ / ۲۰۲۵ء تک بات یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب پچھلے چار پانچ مہینے کے مذکورہ اقدامات کے حوالے سے بالکل ناکام اور نامراد ہو چکے

ہیں، اور شنید ہے کہ آپ آج کل سراسیمگی، پریشانی اور بدحواسی کے شکار ہیں، اللہ کرے کہ آپ کی زندگی میں دوبارہ سیاسی وانقلابی باغ وبہار آجائے، آمین۔

هذا وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

☆☆☆

ارکان اور اس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م ۔ سے دھنووتی ؍دھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ ق م تک جاری تھا۔
۸۲۵ق م ۔ سے دھنووتی ؍دھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔
۷۸۸ء ۔ ویسالی دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔
۹۵۷ء ۔ ارکانی راجا چولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اور ارکان کی تاخت وتاراج۔
۱۰۱۸ء ۔ پن سا پہلے دور حکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔
۱۱۰۳ء ۔ پارن دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔
۱۱۶۷ء ۔ کریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔
۱۱۸۰ء ۔ پن سا دوسرے دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔
۱۲۳۷ء ۔ لنگریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔
۱۴۰۴ء ۔ برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔
۱۴۰۴ء ۔ ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ ؍من سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔
۱۴۳۰ء ۔ سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔
۱۶۶۰ء ۔ بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعد میں اس کا مع اہل وعیال قتل۔
۱۶۶۶ء ۔ مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام وپریشانیاں۔
۱۷۱۰ء ۔ ارکان میں خانہ جنگی، اور وسیع پیمانے میں نقصانات۔
۱۷۸۴ء ۔ برمی غاصب راجا بودھو پھیا کا ارکان پر حملہ وقبضہ، اور اس کی دہشت گردی، اور قتل عام۔
۱۷۹۶ء ۔ تیس ہزار ارکانیوں (مگھ ؍مسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔
۱۷۹۸ء ۔ جنزل علیہ بائنگ ؍علی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔
۱۸۱۱ء ۔ سین فیا (KINGBERING) اور مسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔
۱۸۲۵ء ۔ پہلی انگلو برمن جنگ۔
۱۸۲۶ ۔ ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔
۱۹۳۰ء ۔ برمی مسلم تاجر'' اوباؤ ''کے تعاون سے برما مسلم سوسائٹی کا قیام۔
۱۹۳۰ء ۔ مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اور اس کے حواریوں کی بربریت اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے

سے ہجرت۔

۱۹۳۰ء ۔ وسطی تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء ۔ روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء ۔ برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی، اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء ۔ رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء ۔ ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام، اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء ۔ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء ۔ ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ مسٹر عبد الرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء ۔ مسٹر عبد الرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔ جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء ۔ محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء ۔ برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء ۔ محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء ۔ مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء ۔ بی ٹی ایف کی بربریت، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء ۔ بانیٔ تحریک آزادیٔ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء ۔ آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء ۔ ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء ۔ ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء ۔ مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء ۔ راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے

سارنڈر۔

۱۹۶۲ء ۔ جمہوری آئین کی معطلی، اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء ۔ برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء ۔ نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء ۔ روہنگیا انڈیپینڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء ۔ مگھ شرپسندوں کی شرپسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء ۔ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء ۔ نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم، اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء ۔ محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء ۔ جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء ۔ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء ۔ روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء ۔ نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء ۔ ناگامن آپریشن، برمیوں اور مگھوں کی غارت گری، مسلمانوں کی عام گرفتاریاں قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء ۔ روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء ۔ مولانا عبد القدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء ۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ مولانا عبد الحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ روہنگیا طلبہ تنظیم، اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔ برما۔ (ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی، اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء ۔ ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل سامونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء ۔ مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء ۔ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ ۔ ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا

۱۹۹۰ء ۔ نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ، جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تا جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔

۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اور اعلان۔

۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اور اعلان۔

۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اور لاکھوں کی ہجرت۔

☆☆☆

حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس
محمد طاہر جمال ندوی